1557
6664

آفتاب

اسلام اور اسلامی مفکرین

مرتبہ

خورشید الاسلام
صدر آفتاب مجلس مسلم یونیورسٹی

(جملہ حقوق طباعت بحق آفتاب مجلس محفوظ ہیں)

ذخیرۂ پروفیسر محمد اقبال مجددی

جو 2014ء میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو

ہدیہ کیا گیا۔

135855

Marfat.com

اسلام کے نام

جو اِک زندہ طاقت ہے

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

135855

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱)	پیش لفظ	جناب خورشید الاسلام صاحب	۱-ن
۱)	تجدید و احیاء دین	حضرت مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی	۱
۲)	اسلامی تہذیب پر دوسری تہذیبوں کے اثرات	جناب عبداللطیف صاحب اعظمی	۱۰۷
	کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے؟	حضرت مولانا ضیاء احمد صاحب بدایونی	۱۳۹
	حضرت امام غزالیؒ	جناب ملک حامد حسین صاحب	۱۶۸
	مختصر سیرت محمد بن عبد الوہاب	حضرت مولانا مسعود عالم صاحب ندوی	۱۹۳
	علامہ سید جمال الدین افغانی	حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی	۲۱۴
	جمال الدین افغانی	جناب اسلوب احمد صاحب انصاری	۲۲۵
	قطعۂ تاریخ	جناب شجاع احمد صاحب زیبا	۲۷۵
	مجلس کی سالانہ روئداد	از معتمد اعزازی	۲۷۷

Marfat.com

Marfat.com

"پیش لفظ"

دنیا کی موجودہ کیفیت | "یہ دنیا جو بظاہر اتنی حسین، زنگارنگ اور انوکھی ہے ۔ نہ اس میں محبت ہے خوشی، اور نہ روشنی، نہ اس میں سکون ہے نہ یقین ہے نہ درد کی دوا اور ہم یہاں اسطرح ں جیسے کسی گھٹا ٹوپ تاریک میدان میں، جہاں رات کے پردے میں جاہل فوجیں باہم ست و گریباں ہوں پراگندہ خطرات سے دوچار اور فرار کے لئے بے چین ۔"

(آرنلڈ)

یہ الفاظ اس قابل تو نہیں کہ جلوس آدم کا ترانہ بن سکیں البتہ اس قابل ضرور ہیں کہ انہیں ہماری تاریخ کے سرورق پر جگہ دی جائے نہ کہنے کو علم کے جادو بھی جگائے گئے، عمل کے دریا بھی کھنگالے گئے، حسن کی پرستش بھی کی گئی اور یہ کارواں اس قلعہ وہ کی طرف بڑھتا رہا جہاں سے شہنائی کی آواز آرہی تھی لیکن انسان زندگی گذارنا نہ سیکھا۔

رجحانات | فرد نے ایک گوشے میں بیٹھ کر اپنے راگ گائے، خانہ بدوشوں نے جیتی جاگتی تہذیبوں کو تہ تیغ کیا اور کہیں کہیں آتش قدس جلا کر انسان نے اپنے نفس اور اجتماعی نفس سے گذر کر سیمرغ کی طرح چنگل بڑھا کر ستارے توڑنے کی کوشش کی، علم اشیا پھلا پھولا، علم نفس کی نشو و نما ہوئی اور جب انسان نے خشت و سنگ سے عمارتیں تعمیر کرنا سیکھیں تو اسے یہ جاننے کی ضرورت بھی ہوئی کہ اس کی دیوار تلے کون رہتا ہے ؟ ۔

Marfat.com

انسانی خودی کی کہانی | سردیاں گئیں اور برساتیں آئیں' دن بیتے اور راتیں آئیں
میلاد ہوا کبھی موت ہوئی کبھی غم کے بادل آئے کبھی اُمید کا ساون آیا' کبھی کامیابی
شامیانہ تنا' کبھی ناکامیوں کا سامنا ہوا۔ کبھی خواب و خور کی فراوانی رہی کبھی جنگ
کی پریشانی' غرض انسان کی خودی کبھی دکھ سے روئی کبھی پھولوں سے کھیلی' کبھی اس
مرثیہ پڑھا کبھی رجز کہا' کبھی بستیوں میں کھوگئی اور کبھی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیو
پر سورج کی کرنوں کا تماشا دیکھتی رہی۔ کبھی ہاتھ میں پتوارے کر کشتی کو گرداب میں
ڈالدیا۔ کبھی ہاتھوں سے پتوار چھوٹی اور موجوں میں غرق ہوگئی اور ہاں کبھی کبھی چنگ
لئے دریا کنارے عشق پیچاں کی نازک شاخوں سے کھیلتی رہی۔

علوم کی منتہا | یہ سب کچھ ہوا اور اس طرح ایک روح دوسری روح کو' ایک انسان
دوسرے انسان کو' ایک ضمیر دوسرے ضمیر کو آواز دیتا رہا۔ جس طرح ستارے کے تار مختلف
آوازیں پیدا کرتے ہیں اور یہ آوازیں مشرق و مغرب سے اٹھکر ایک حسین نغمہ پیدا
کرتی ہیں اور یہ نغمہ تار و چوب سے نکل کر دل کو آواز دیتا ہے اور ایک بار انسان کو
محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی اَن دیکھا حسین سونے کے ترنج لہروں پر بہا رہا ہے ایسے
یہ سب روحیں' یہ سب ضمیر' یہ سب انسان مشرق اور مغرب سے' دامن کوہ اور دشت
مرغزار سے اپنے اپنے حسن اور اپنے اپنے جذبے کے ساتھ پکارتے رہے ہیں اور یہ
ایک نغمے میں حل ہو کر کسی بت گر کے کانوں تک پہنچا رہا ہے شاید اُسے یہ دیکھ کر مسرت
ہوئی ہو کہ انسان نے اس کے ربط کو بیکار نہیں رہنے دیا ہے۔ کس قدر دل آرام
یہ احساس کہ "ہر بچہ جو اس دنیا میں آتا ہے خدا کا یہ پیغام ساتھ لاتا ہے کہ خدا ابھی
اپنے بندوں سے مایوس نہیں ہوا ہے" (ٹیگور)

Marfat.com

عقلی کوششوں کے نتائج

لیکن شاید انسان اپنی کوششوں سے مایوس ہو چلا ہے، ابن آدم اس بچے کی طرح ہے جو اپنی ماں کا دامن پکڑے تماشہ دیکھنے گیا ہو اور شام نے اپنی نقاب بھی نہ اٹھائی ہو کہ بادوگرد کے طوفان میں بھٹک گیا ہو، جس کی کہنیوں سے خون ٹپک رہا ہو، جس کے ماتھے پر گرد جمی ہو، اور جو امید کی ہر کرن سے مایوس سر کفِ دست پر رکھے خاموش بیٹھا ہو جس کی زبان سے آہ نکلتی ہو لیکن اس کے سوا کوئی سننے والا نہ ہو جو آسودگی چاہتا ہو لیکن ہر جگہ تضاد اور کشمکش سے دوچار ہوتا ہو، جو حسن چاہتا ہو لیکن ہر منظر بدنمائی لئے ہوئے ہو، جو صحت چاہتا ہو۔ لیکن ہر چہار سو بیماریاں بال بکھرائے کھڑی ہوں جو جاننا چاہتا ہو لیکن عقل احساس اور وجدان کی جنگ ہر مطلع کو کہر آلود کردیتی ہو جو آسمانی روشنی کی طرف دوڑتا ہو لیکن جبہ و دستار درمیان میں کوہ الوند بنکر آجاتے ہوں اِس اندھیری فضا میں کبھی جگنو چمکتا ہو کبھی گہن میں آجاتا ہو کبھی کبھی جنت کے کلس دکھائی دیتے ہوں اور کبھی چند لمحوں میں موم کے مجسمے کی طرح پگھل جاتے ہوں کبھی جھیل کے کنارے ایک مناد پکارتا ہو ـــ اور کبھی مصر، یونان اور روم کے دیوتا اپنے قہقہوں میں آسمانی آواز کو ڈبو دیتے ہوں اور یہ بچہ کبھی اس آواز کی سمت دوڑتا ہو اور کبھی اُس آواز کی طرف . . . . اور جب کچھ نہ پاتا ہو تو تھک کر بیٹھ جاتا ہو۔

"پرندے اپنے اپنے آشیانے رکھتے ہیں لیکن ابن آدم کے لئے سر چھپانے کو جگہ نہیں"! (حضرت مسیحؑ)

زندگی کی تفسیریں اور ہم

یہ ناؤ ہچکولے کھاتی چلی آئی ہے اور ہچکولے کھاتی چلی جا رہی ہے۔ اس ناؤ میں پیغمبر بھی ہیں، فلسفی بھی ہیں شاعر بھی ہیں اور محض عملی انسان بھی اِن سب کو

Marfat.com

کچھ نہ کچھ کہنے کا شوق ہے بعض کو درد مندی سے اور بعض کو صرف گرمیٔ بزم کے لیے لیکن سب کی باتیں مختلف ہیں۔ پیغمبر کے علاوہ سب دماغوں کی تصویریں اور سب ہاتھوں کے نقوش نامتناسب ہیں لیکن ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ اس نے حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھا دی ہے ہم انہی میں سے کسی مبالغہ آمیز تصویر کو حقیقت سمجھ لیتے ہیں اور سو رنگ میں متاثر ہوتے ہیں۔ کبھی اپنے آپ کو مختار کل سمجھ کر دنیا پر قلعے تعمیر کرتے ہیں۔ اور آسمانوں سے پرے پرواز کرتے ہیں کبھی اپنے آپ کو مجبور محض پا کر خطائیں کرتے ہیں اور قدرت کو اپنی عدالت میں ملزم قرار دیتے ہیں۔ .... کبھی ہمیں اپنی بات پر کامل یقین ہوتا ہے اور مذاق عمل مہلت نہیں دیتا کہ ہم ایک گوشے میں بیٹھ کر یہ سوچ لیں کہ ہم سب کہاں جا رہے ہیں۔ انسان ہجوم میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہی خواہ منزل مقصود آگ کے منارے ہی کیوں نہ ہوں۔ کبھی ہمیں اپنے آپ پر بھی شک ہونے لگتا ہے اور خیام کی طرح اور خیام کے ساتھ مکتب کے دلائل سے مایوس ہو کر اپنی قبا شراب میں ڈبو دیتے ہیں۔ ایک زمانہ آتا ہے کہ ہم دنیا کو دیکھ کر لب آسا ہنستے ہیں اور وہ وقت بھی آتا ہے جب ہر نظارے کو دیکھ کر چشم آسا رونے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور یہ تمام کیفیات محض کیفیات نہیں رہتیں۔ یہ روح کی داستان سہی مگر یہ محض داستان نہیں ہے۔ ہماری مادّی زندگی اور اس کی تمام گلکاریاں انہی حسیّات کا عکس ہوتی ہیں۔ جدا جدا انفرادی زندگیاں ہی نہیں۔ قرنوں اور قوموں کی زندگیاں ایک مخصوص نفسیاتی شعور پر تعمیر ہوتی ہیں زندگی کا ایک نظام، اچھائی اور برائی کا ایک معیار جمالیاتی نقطۂ نظر، فنی اصول، سیاست کے نقشے، غرض ہماری تاریخ اور ہماری آرزوئیں اسی خاک سے اٹھتی ہیں۔

Marfat.com

زندگی کی الہامی تفسیر زندگی کا وہ نظریہ جس میں سائنٹفک حقیقت بھی ہے شعری حسن بھی ہے اور عمل کی آگ بھی، یعنی جس میں زندگی کے مختلف عناصر اس طرح سمو گئے ہیں کہ کسی طرح جدا نہیں کئے جا سکتے۔ اسلام کا نظریہ ہے۔ یہ نظریہ فطرت انسانی کے دھارے کے بہاؤ کے عین مطابق ہے۔ ہر مذہب اس بڑے انسانی تجربے کے لئے جو ہزاروں برس سے زماں و مکاں کی بندشوں میں ہو رہا ہے وجود میں آتا ہے۔ اس لئے مذہب محض عقائد کا مجموعہ ہوتا ہے نہ محض کرامات کی پھلجڑی نہ بڑے قربانیوں کا بندھا ٹکا دستور کہا جا سکتا ہے اور نہ اندرون خانہ مقید کیا جا سکتا ہے... یہ تو ایک بہتی ہوئی بڑھتی ہوئی اور چھاتی ہوئی چیز ہے جو ہماری زندگی کے ہر گوشے اور اس نقش کے ہر پہلو پر محیط ہے، زندگی کا ہر نظام یقین سے شروع ہوتا ہے۔ خواہ وہ یقین یہ ہو کہ "خیال وجود سے پہلے ہے" یا یہ کہ "وجود خیال سے پہلے ہے" "خدا ہے یا خدا نہیں ہے" ان دونوں باتوں کا جواب انسانی دماغ نہیں انسانی وجدان اور قوتِ ایقان دے سکتی ہے۔

مذہب کی بنیادیں (الف) مذہب کی بنیاد اس تصور پر ہے کہ اس زماں و مکاں سے دور اس مٹی کے تانے بانے سے آگے۔ ان حیوانات، جمادات اور نباتات کے اوپر ان دریاؤں اور پہاڑوں سے ماورا اور ان سب میں ایک عظیم الشان روح ایک زبردست قوت جاری و ساری ہے۔ وہ روح جس میں زندگی ہے لیکن اضمحلال نہیں، جس میں طاقت ہے لیکن ظلم نہیں، جس میں نور ہے لیکن رنگ نہیں۔ جس میں رحم ہے لیکن جھکاؤ نہیں جو آشکار ہے لیکن عریاں نہیں، جو وقت میں نمایاں ہے لیکن وقت میں قید نہیں۔ جو دور بھی ہے اور نزدیک بھی جس میں جمال بھی ہے نیکی بھی اور علم بھی۔

(ب) یہ دنیا ایک مقصد کے ساتھ پیدا کی گئی ہے۔ جس میں معنی بھی ہیں اور نتیجہ بھی،

Marfat.com

انسان خدا کا عکس نہیں ہے لیکن انسانی کوششوں کا مقصود یہی ہے کہ وہ اسکا عکس بن جائے' نیز یہ کہ اس دنیا میں انسان مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔

(ج) چونکہ یہ کارخانہ انسان کے لئے بنایا گیا ہے لہذا اسے اس پر "خدا کا دیا اختیار" ہے اسے یہ حق نہیں کہ اسے جس طرح اور جب چاہے استعمال کرے۔

(د) انسانیت ایک کُل ہے اسے جسمانی طور پر خوبصورتی اور طاقت کیطرف بڑھنا چاہئیے۔ اور روحانی طور پر۔ حسن اور علم کی طرف۔

(ہ) زندگی کے تضاد سے انسان کو گھبرانا نہیں چاہئیے۔ اس میں مکمل آسودگی پیدا کرنا انسانیت کی معراج ہے۔

(و) یہ مکمل آسودگی اس نقطۂ آغاز سے چل کر حاصل ہو سکتی ہے کہ کائنات ایک عقلی بنیاد پر قایم ہے سائنس اور آرٹ کا مقصد محض اسی عقیدے کی تفسیر ہے۔

یہ عطر ہے اس پیغام کا یہ رس ہے اس نغمے کا جسے قدرت نے آدم کے کان میں پھونکا اور آدم کی پیشانی کا یہ نور نوح' موسیٰ اور عیسیٰ کی پیشانیوں میں منتقل رہا۔ اس پر تنور کے پانی نے اثر کیا نہ رومیوں کی صلیب نے۔ نہ بابل کی خاک نے نہ مصر کے دربار نے۔ یہ اسی طرح چمکتا رہا یہاں تک کہ جب دنیا مسیح ناصری کو بھول گئی اور اسے صرف رومیوں کی کہانی یاد رہ گئی تو عرب میں یہ نور پھر کوہِ فاران پر چمکا اسلام آخری بار محمد صلعم نے دنیا کو وہی پیغام سنایا جسے انسان ذاتی اغراض میں غرق کر چکا تھا۔ بت سکون کے ساتھ سنتے رہے کاہنوں نے کانوں پر انگلیاں دھر لیں' بت پرست حواس باختہ ہو گئے' امرا نے سیم وزر کی بازی لگا دی عورتیں اپنا ریشمی حسن لات و عزیٰ پر نچھاور کرنے کے لئے تیار ہو گئیں۔ بچوں نے قہقہے لگائے

بڑوں نے علم بغاوت بلند کیا۔ ابراہیم اپنے مزار کے جھروکے سے یہ منظر دیکھتے رہے اور خدا آسمان سے !

اسلام کا عطر | محمد صلعم یکہ و تنہا تھے۔ ایسی دنیا میں جہاں ایک شخص ان کا ہمنوا نہ تھا۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا معجزہ ہے کہ عرب کے ریگستان میں چشمے اور آبشار ابلنے لگے اور تیئیس ۲۳ سال نہونے پائے تھے کہ دنیا میں ایک عجیب وغریب سوسائٹی اور اس سے زیادہ انوکھی ریاست قائم ہوگئی جس میں خاندان کی اکائی کو برقرار رکھا گیا شخصی آزادی ہر دائرے میں تسلیم کی گئی۔ محدود وراثت کو تسلیم کرلیا گیا۔ ذرائع آمد وخرچ پر بندش لگا دی گئی اور سب سے بڑھ کر اور سب سے پہلے انسان کے ماحول اور بیرونی عناصر ہی کو نہیں تبدیل کیا گیا بلکہ انسان کی نفسی اصلاح کچھ اس طرح کی گئی کہ انسان اپنے آپ اپنی قوتِ ارادی کے ساتھ، جماعت سے آسودگی قائم رکھتے ہوئے منزل کی طرف بڑھنے لگا۔

اسلام نے انسان کو شکنجے میں نہیں کسا، اس کی خواہشات کو شہید نہیں کیا، ریاست کو افراد پر مسلّط نہیں کیا۔ انہیں آزادی دی گئی کہ وہ ایک دائرے میں نہایت آزادی کے ساتھ چل پھر سکیں۔

اقتصادی نظام میں بنیادی چیز ذاتی فائدہ نہیں، ذاتی ضرورت اور سماجی منافع رکھا گیا اور اسی لئے سود حرام قرار دیا گیا مزدوروں کی اُجرت کے متعلق احکام نافذ کئے گئے، بوڑھوں اور کمزور انسانوں کے لئے ریاست نے وظائف کا انتظام کیا، بچوں کی پرورش اور تربیت کے اخراجات ریاست نے اپنے ذمّے لئے تقسیم جائداد کے قانون نے سرمائے کو دور، دور تک پھیلا دیا بیت المال قوم کی جائے پناہ بن گیا جہاں

دھوپ اور بارش میں پناہ لی جاسکتی تھی۔ خلیفہ خادم المسلمین تھا جس سے ہر لمحہ باز پرس کی جاسکتی تھی قانون کی قوت کا یہ عالم تھا کہ مجرم خود اپنے آپ کو عدالت میں پیش کر دیا کرتا تھا اور عدالت عہد جدید کی عدالت کی طرح مہاجن کی دوکان نہ تھی جہاں انصاف سونے کے مہروں سے خریدا جاسکتا ہے۔ وہاں ہر انسان قانون جانتا تھا، قانون اپنے اوپر چلاتا تھا، اور چلانا جانتا تھا ــــ یہ اسلام کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، فرد اور سوسائٹی کے تصادم کا یہاں کوئی سوال نہیں اس لئے کہ ہر فرد ایک نظریہ ایک آرزو ایک سرچشمۂ ہدایت اور صرف ایک نظام عمل رکھتا تھا۔ اور لطف یہ کہ پھر بھی ان کی شخصیتوں میں شکست و ریخت نہیں ہوئی۔ حضرت عمر اور حضرت ابوذر غفاری کی شخصیتیں کتنی مختلف تھیں اور کتنی متحرک! یہ خوبی اسلام کی سب سے بڑی خوبی ہے شخصیتوں کا آزاد و صالح نشوونما ہر نظام زندگی کی معراج ہے۔

جنگ صفین کے بعد لیکن دنیا کی بدقسمتی کہ انسان کی کم مائگی نے اسے زیادہ عرصے تک اس حسین مرکز پر نہ ٹھہرنے دیا حضرتِ آدم جنت کے نور و نغمے سے دور ہو گئے تو کیا، آسمان سے پانی اور پتھروں کی بارش ہوئی تو کیا، زکریا کو گوشت و پوست کی مورتوں نے آرے سے چیر ڈالا تو کیا، فرض کیجئے کہ مسیح ناصری کو صلیب پر آویزاں کرکے سنگ و خشت کی بارش اور نیزہ و سناں کے نرغے میں خاک کا پیوند کر دیا تو کیا۔ ہم کیوں روئیں؟ .... روئیے اس پر کہ ابوالقاسم کی میراث چھن گئی، روئیے اس پر کہ اسلام کا نخلستان اپنے ہی شعلوں سے راکھ ہو گیا، روئیے اس پر کہ انسان کی آرزو اور تہذیب کا ثمر اولین یتیم کا اشک خونیں بن کر رہ گیا!!

دین کا حشر عجم کی تہذیب آئی، تاج وتخت آئے، دربار کی آنکھ مچولیاں آئیں، طاؤس ورباب آئے، طرہ و دستار آئے۔ جمہوریت کی روح گئی، نقل و انقیاد کا غلبہ ہوا اور وہ شاندار تجربہ جسے محمدؐ کے پاک ہاتھوں نے پہلی مرتبہ سطح زمین پر کیا تھا انسان کے ہاتھوں شہید ہو گیا!!

کہنے کو ہر جگہ اسلام کا پرچم لہرایا، کئی سو برس تک کلمۂ توحید کا ورد اسی آب و تاب سے رہا، نماز عصر کی سنتیں نہ گئیں، رمضان کا اعتکاف نہ گیا اور ان سب کے باوجود دنیا نے جوع الارض کے تماشے بھی دیکھے، مسلمان فوجوں کی غارتگری بھی دیکھی، مینا بازار بھی دیکھے، جنسی فتوحات بھی دیکھیں، جاگیرداری کا نظام بھی دیکھا، سب کچھ دیکھا اور بالآخر یہ بھی دیکھا کہ اگر ایک طرف ترک وائنا کے دروازے تک پہنچے تو دوسری طرف ٹیپو نے دم توڑا۔ ہندوستان کا چراغ گل ہوا تو مصر خود پکے پھل کی طرح انگلستان کی گود میں جا پڑا۔ اس صدمے سے جانبر نہ ہوئے تھے کہ جنگِ بلقان چھڑی جس نے ترکی کو یورپی اقوام کے سامنے عریاں لا کھڑا کیا، ابھی تازہ وارد سپاہی دو کہانیاں بھی نہ سنا چکا تھا کہ جنگِ عظیم نے مغرب کے افق سے دھوئیں اڑائے اور دیکھتے دیکھتے خلافت عثمانی کی نعش نذرِ آتش کر دی گئی۔

تاہم البتہ ایک بات یاد رہے کہ اسلام ہمیشہ زندہ طاقت رہا ہے اور ان چند سو سال میں اسلام نے جتنی نیک شخصیتیں پیدا کیں دنیا کا کوئی نظام نہ کر سکا۔ انفرادی زندگی میں پاکیزگی، خوش خلقی اور ایثار کو آمیز کر دیا۔ اگر ہم اب سے دو سو سال پہلے کے مسلمان گھرانوں میں تاریخ کی بیساکھیاں لگا کر جا سکیں تو ہمیں ان پر رشک بھی آئیگا اور حیرت بھی ہو گی۔

Marfat.com

سب سے عجیب بات یہ کہ شخصی ریاستوں نے مسلمانوں کو بالکل ہلا دیا لیکن انہیں
پھر بھی زندگی اور رَس باقی رہا جس کا مظاہرہ شخصیتوں اور اداروں میں مسلسل و مستقل
ہوتا رہا۔ رومی اور سہروردی کو چھوڑیئے ابھی ماضی قریب ہی میں مذہبی اور سیاسی
رہنماؤں کا ایک نورانی حلقہ نظر آتا ہے۔ شمالی ہند میں مجدّد الف ثانی نے توحید کا
سبق دیا۔ نجد میں عبدالوہاب نے پھر سے حدی خوانی کی، مصر میں ابن تیمیہ نے سنت
کی طرف بلایا اور مسلمانوں کا شانہ ہلا ہلا کر جگایا، افغانستان میں جمال الدین اٹھے
جنہوں نے مسلمانوں میں اجتماعی شعور پیدا کیا، شمالی افریقہ میں سنوسی نے مسلمانوں
میں مذہبیت بیدار کرنے کی کوشش کی، ہندوستان میں سرسید نے مشرقی اور
مغربی تہذیب کو ایک سنگم پر لا کھڑا کیا، شبلی نے مسلمانوں میں جان پیدا کرنے
کے لئے تاریخ کو دہرایا اور شخصیتوں کی مصوری کی، اور ان سب سے قطع نظر ـــــ
خالص عملی تحریکات کی داستان یہ ہے کہ جوں ہی مسلمانوں پر دوسروں کا تسلط
ہوا مسلمان بیتاب ہو گئے۔ ہندوستان میں ٹیپو اور سید احمد شہید نے علم بغاوت
بلند کیا، مصر میں عربی پاشا نے روحِ جہاد پھونکی تاف میں شامل نے روسیوں کے
خلاف سر اٹھایا الجیریا میں عبدالقادر نے مسلمانوں کو حرکت دی سوڈان
میں مہدی نے فتح و کامرانی کے ڈنکے بجائے۔ طرابلس میں عبدالکریم مجاہد ریف نے
طوقِ غلامی توڑنے کی سعی کی سرحد کے غیور بار بار اٹھے، سماترا میں آچیوں نے زنگ
آلودہ تلواریں میاں سے نکالیں، ہندوستان میں تحریکِ خلافت نے بچے بچے
کے دل میں آزادی کے شعلے بھڑکا دیئے موپلوں نے جدوجہد کی اور سب سے
آخر میں مصطفٰی کمال نے ترکی کے مردِ بیمار کو اپنی مسیحا نفسی سے دولِ یورپ کے دوش

Marfat.com

رش لاکھڑا کیا۔
نظری اور عملی پہلوؤں سے علمی کوششوں کی طرف آیئے تو جامعۂ ازہر کو دیکھئے۔
ا کی یہ سب سے بڑی اور سب سے پرانی جامعہ مفتی محمد عبدہٗ اور دوسرے بزرگوں
شوں سے نئے قالب میں ڈھالی گئی، ایران و ترکی میں علوم جدیدہ کے لئے
ورسٹیاں کھولی گئیں، ہندوستان میں مدرستہ العلوم (علی گڑھ) قائم کیا گیا جو
لی بہترین یونیورسٹیوں میں شمار کیا جاتا ہے، اس کے پہلو بہ پہلو نظری اختلاف کے
ث دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی علامہ شبلی نے ان دونوں کے بہترین عناصر
ے کر ندوۃ العلوم کی تاسیس کی۔ جامعہ ملیہ کا تجربہ اپنی جگہ انوکھا خوبصورت اور
انہ ہے۔ ان تمام اداروں کے نام میں نے صرف اس لئے گنائے کہ یہ محض دولت
ریگری نہیں بلکہ ان کی تہ میں زبردست نظریئے کارفرما ہیں۔ ایک معنی میں یہ خوش
ہے کہ ان سب کی بنیاد سچے اختلاف پر ہے۔ جس قوم میں سنجیدہ مسائل کو سوچنے
ن میں اختلاف رائے کی ہمت ہو وہ قوم کبھی مردہ نہیں ہو سکتی یہ ادارے مسلمان قوم
ہترین ذہانت کا اور ایک نقطۂ نظر سے اسلام کی زندگی کا ثبوت ہیں۔ عربی فارسی
بالخصوص اردو نے جس قدر ترقی کی وہ اس بات پر دال ہے کہ مسلمانوں میں ابلتی
زندگی موجود ہے اور کیا ہماری زندگی کا یہ کم ثبوت ہے کہ اقبال نے مسلمانوں میں
ا سچ تو یہ ہے کہ اقبال ہمارے سیکڑوں سال کے گناہوں کی تلافی ہیں۔

ں کی طرف

اقبال نے مسلمانوں کے زندہ کرنے میں بڑا حصہ لیا انہوں نے بتایا
ری بقا اور دنیا کی نجات اسلام میں ہے۔ ہماری تحریکات کا دائرہ اب وسیع
جا رہا ہے اُن میں آفاقیت آرہی ہے اور وقتی جوش کے بجائے ان میں وہ

Marfat.com

قوت اور خاموشی پیدا ہو رہی ہے جو سمندر کی گہرائی میں ہوتی ہے اس قسم کی ایک
مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریک ہے۔

اسلامی ریاست اور اسلامی سماج | یہ تحریک مسلمانوں کے سامنے فوری مقصد نہیں رکھ
جو چند سال کی کوششوں میں ختم ہو جائے اور سطح پر چند بلبلے آکر ٹوٹ جائیں اس کا
نصب العین وہ انسانی اور بلند نصب العین ہے جو محمد صلعم کی بہترین میراث ہے ایک
سوسائٹی جس میں نظم ہو جس میں انقلاب کا مادّہ ہو، جو یقین پر تعمیر ہو جو نیابت الٰہی
بار اپنے کاندھوں پر اُٹھا سکے جس کا تعلیمی نظام ایک خاص اخلاقی اور جمالی نظریئے کے
مطابق شخصیتوں کی نشو و نما کرے اور بالآخر یہ سوسائٹی اپنی روحانی اور مادّی قوتوں
کو اپنی ریاست میں منعکس کرے۔ وہ ریاست اخلاقی، قانونی اور سائنٹفک قوت
جو اکثریت کے دوش کا جنازہ ہو نہ فرد واحد کی غلامی، جو نہ ازمنۂ وسطیٰ کی طرح خانقاہ
کی بساط بنکر رہے نہ عہد جدید کی طرح جماعتوں کا آلۂ کار ہو، جو نہ پردہ داری آمریت
ہو، نہ بکھو نن کی انارکی۔ بلکہ ایک مرکزی مجلس ہو جس کا کام (الف) ملکی حدود میں الٰہی
قوانین کو قوت کے ساتھ چلانا اور (ب) دنیا میں اُسکی تبلیغ کرنا ہو اس تحریک کا طریقہ
تنظیم و تبلیغ وہی ہے۔ جو اصحاب صفہ نے محمد صلعم کی رہنمائی اور اسلام کی روشنی میں
پیش کیا تھا۔

یہ تحریک نہ والیانِ ریاست کو بھائے گی نہ خانقاہ کے پجاریوں کو،
نہ انسان سے متنفر دل اسے پسند کریں گے نہ اغراض سے محبت کرنے والے
دماغ۔ ذمہ داری سے گریز کرنے والے اسے خوش آمدید کہہ سکیں گے نہ علم سے
عاری راہ نما شخصیت پرست اسے لبیک کہہ سکیں گے نہ قدامت پسند۔ اسے صرف

وہ دل قبول کریں گے جنہیں گنبدِ خضرا سے محبت ہے جن کے لئے خلافتِ راشدہ ایک حقیقی رومان ہے، جو سیاسی زندگی کو میکاؤلی کے ہاتھوں سے نکال کر صدیق کے قدموں میں اور بسمارک سے تلوار چھین کر خالد کے ہاتھوں میں دے دینا چاہتے ہیں.

ہمارا مقصد مجھے خوشی ہے کہ یہ کتاب حضرت مودودی کے پاکیزہ مضمون سے شروع ہو رہی ہے یہ کتاب کیا ہے؟ — مسلمانوں کے جگانے کی ایک کوشش۔ انکے ضمیر سے پردے اٹھانے کی ایک حقیر سی سعی، اس بڑے سمندر میں نیاز کا ایک قطرہ جسے احیاءِ اسلام سے تعبیر کرتے ہیں، اس کتاب کے مضامین ایک آئینہ بھی ہیں جس میں ہم اپنے خدوخال دیکھ سکتے ہیں اور بانگ عمل بھی، جس پر ہمیں لبیک کہنا چاہیئے۔ کسقدر شکریہ ادا کیا جائے ان بزرگوں کا جنہوں نے اپنے مہربان ہاتھوں سے ہماری آرزو کو جامۂ عمل پہنایا جنہوں نے نیم شب چراغ کا تیل جلا کر صفحۂ قرطاس پر دل ودماغ کا عکس اتارا اور ہمیں بارِ احسان اٹھانے کا موقع دیا ہمیں مسرت ہے کہ ہم سب ایک مخلصانہ کام میں شریک ہیں۔ میں حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب، مولانا مسعود عالم صاحب ندوی، استاذی ضیاء احمد صاحب بدایونی، مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی، اسلوب احمد صاحب انصاری، جناب لطیف صاحب اعظمی نیز حضرت مولینا سید سلیمان صاحب ندوی کا (جنہوں نے ہماری بڑی ہمت افزائی فرمائی) تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ان کے علاوہ ناانصافی ہو گی اگر میں آفتاب ہال کے پرووسٹ جناب غلام سرور صاحب ایم، اے لیڈس کا پوری سچائی کے ساتھ شکریہ ادا نہ کروں جو لائق وفاضل استاد ہونے کے علاوہ طلباء کے ساتھ بے حد انوس اور ان کی ہر ترقی پسند کوشش میں شریک رہتے ہیں اور اس شرکت میں دلی

مسرت محسوس کرتے ہیں جناب سرور صاحب طلبارکے معاملے میں بے حد مخلص ہیں اس لئے مجھے ان کا شکریہ ادا کرنے میں خوشی ہوتی ہے مجھے جناب ملک حامد حسن صاحب کی خدمات کا بھی اعتراف کرنا چاہیئے جن کی محنت اور انتہائی اخلاص کا میں دل سے قائل ہوں جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب میں میرا ہاتھ بٹایا جن کا دل و دماغ بحیثیت ناظم مجلس میری ہر تجویز کے ساتھ رہا ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے عزیز دوستوں کا بھی تذکرہ کروں جو آفتاب مجلس کے تمام کاموں اور اس سلسلے میں میری قوت کا باعث رہے، میرے شکریئے کے مستحق ۔

جناب سعید احمد صاحب صدیقی و جناب محب اللہ صاحب لاری، وجناب اشفاق احمد صاحب نقوی وجناب سید حبیب صاحب، جناب محمد انور صاحب فرنگی محلی، وجناب چودہری قمر الحسن صاحب وجناب سعید احمد صاحب عمروی، وجناب شجاع احمد خالق صاحب وجناب اسرار اللہ صاحب صدیقی اور جناب وہاج الدین احمد صاحب کرمانی ۔

والسلام

و ما علینا الا البلاغ

خورشید الاسلام عمروی

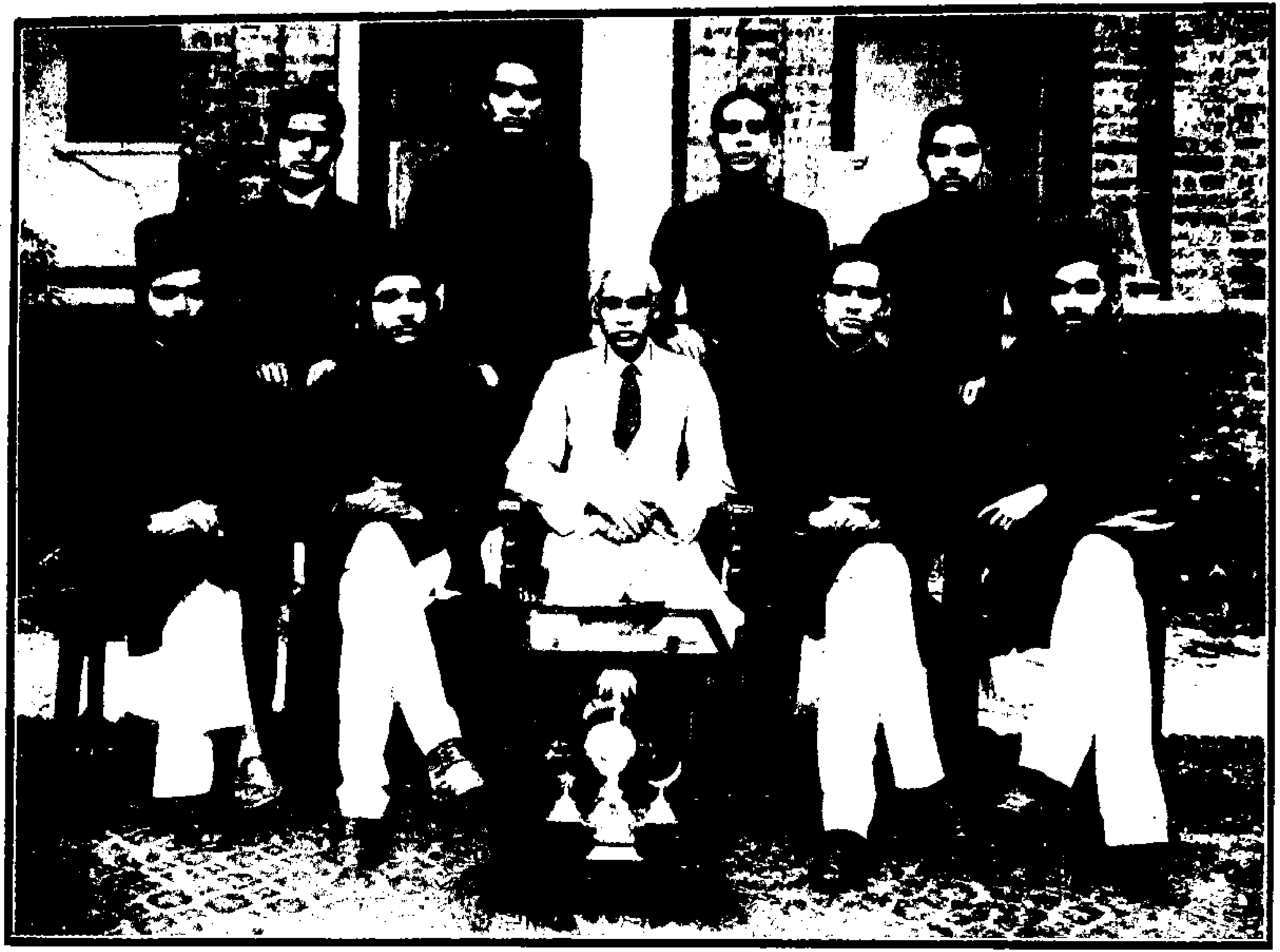

بائیں سے دائیں کو کھڑے ہوئے اصحاب:—(۱) سید اشتاق احمد نقوي (۲) مرزا شاهد علي بيگ (۳) سید محمد حبیب (۴) چودھري قمرالحسن
بائیں سے دائیں کو بیٹھے ہوئے اصحاب:—(۱) محمد انور انصاري (۲) ملک حامد حسین (۳) جناب غلام سرور صاحب (۴) خورشیدالاسلام
(۵) سید قدرت الله — معتمد اعزازي — صدر اعلى — صدر

Marfat.com

تجدید واحیاء دین

مجددین امت کے کارناموں پر ایک تنقیدی نظر

حضرت مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی

(یہ مقالہ جریدہ "الفرقان" بریلی کے شاہ ولی اللہ نمبر کے لئے لکھا گیا
تھا اور جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی اجازت سے نقل کیا جاتا ہے)

اسلام کی اصطلاحی زبان کے جو الفاظ کثرت سے زبانوں پر آتے ہیں اُن میں سے ایک لفظ "مجدّد" بھی ہے۔ اس لفظ کا ایک مجمل مفہوم تو قریب قریب ہر شخص سمجھتا ہے، یعنی یہ کہ جو شخص دین کو از سرِ نو زندہ اور تازہ کرے وہ مجدّد ہے، لیکن اس کے تفصیلی مفہوم کی طرف بہت کم ذہن منتقل ہوتے ہیں۔ کم لوگ جانتے ہیں کہ تجدید (Revival) کی حقیقت کیا ہے، کس نوعیت کے کام کو "تجدید" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اس کام کے کتنے شعبے ہیں، مکمل تجدید کا اطلاق کس کارنامے پر ہو سکتا ہے اور جزوی تجدید کیا ہوتی ہے۔ اسی ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ لوگ اُن مختلف بزرگوں کے کارناموں کی بھی پوری طرح تشخیص نہیں کر سکتے جن کو تاریخ اسلام میں مجدّد قرار دیا گیا ہے۔ وہ بس اتنا ہی جانتے ہیں کہ عمر ابنِ عبدالعزیز بھی مجدّد، امام غزالی بھی مجدّد، ابن تیمیہ بھی مجدّد، شیخ احمد سرہندی بھی مجدّد اور شاہ ولی اللہ بھی مجدّد۔ مگر ان

Marfat.com

کو یہ معلوم نہیں کہ کون کس حیثیت سے مجدّد ہے اور اس کا تجدیدی کارنام
کس نوعیت اور کس مرتبہ کا ہے۔ اس ذھول وغفلت کی ایک بڑی وج
یہ بھی ہے کہ جن ناموں کے ساتھ "حضرت"، "امام"، "حجۃ الاسلام
"قطب العارفین"، زبدۃ السالکین"، اور اسی قسم کے الفاظ لگ جاتے ہیں
ان کی عقیدت مندی کا اتنا بوجھ دماغوں پر پڑ جاتا ہے کہ پھر کسی میں یہ
طاقت نہیں رہتی کہ آزادی کے ساتھ ان کے کاموں کا جائزہ لیکر ٹھیک ٹھیک
تشخص کرسکے کہ کس نے اِس تحریک کے لئے کتنا اور کیسا کام کیا ہے۔ اور اس
خدمت میں اُس کا حصہ کس قدر ہے۔ عموماً تحقیق کی بنی تلی زبان کے بجائے
اِن بزرگوں کے کارنامے عقیدت کی شاعرانہ زبان میں بیان کیئے جاتے
ہیں جن سے پڑھنے والے پر یہ اثر پڑتا ہے، اور شائد لکھنے والے کے
ذھن میں بھی یہی ہوتا ہے، کہ جس کا ذکر کیا جارہا ہے وہ مرد کامل تھا اور
اس نے جو کچھ بھی کیا وہ ہر حیثیت سے کمال کے آخری درجہ پر پہنچا ہوا تھا،
حالانکہ اگر اب ہم کو تحریک اسلامی کی تجدید واحیار کے لئے کوشش کرنی
ہے تو اس قسم کی عقیدت مندی اور اس ابہام و اجمال سے کچھ کام نہ چلے گا
ہم کو پوری طرح اس تجدید کے کام کو سمجھنا پڑے گا اور اپنی پچھلی تاریخ کی
طرف پلٹ کر دیکھنا ہوگا کہ اِن بہت سی صدیوں میں ہمارے مختلف لیڈروں
نے کتنا کتنا کام کس کس طرح کیا ہے، اُن کے کارناموں سے ہم کس حد تک
فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور ان سے کیا کچھ چھوٹ گیا ہے جس کی تلافی پر اب
ہمیں متوجہ ہونا چاہیئے۔

Marfat.com

یہ مضمون ایک مستقل کتاب چاہتا ہے۔ مگر کتاب لکھنے کی فرصت کہاں۔
[ی]ہ غنیمت ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا ذکر خیر چھڑ گیا جس کی وجہ سے اس
[مض]مون کی طرف چند اشارے کرنے کا موقع نکل آیا۔ شائد کہ انہی اشاروں سے
[کس]ی اللہ کے بندے کو تاریخ تجدید و احیاء دین کی تدوین کا راستہ مل جائے۔

اسلام اور جاہلیت کی اصولی و تاریخی کشمکش

تجدید کی حقیقت و نوعیت سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اسلام اور جاہلیت کی اصولی اور تاریخی کشمکش کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے، کیونکہ تجدید دراصل نام ہے جاہلیت کے ہجوم سے اسلام کو نکال کر از سرِ نو چمکا دینے کا۔ پس آدمی نہ تو تجدید کو جان سکتا ہے نہ کسی مجدّد کے کام کو پرکھ سکتا ہے جب تک کہ ان دونوں متصادم قوتوں کو اور ان کی کشمکش کو واضح طور پر نہ سمجھ لے۔

دنیا میں انسان کی زندگی کے لئے جو نظام نامہ بھی بنایا جائیگا۔ اسکی ابتدا لامحالہ مابعد الطبیعی یا الٰہیاتی مسائل سے ہوگی۔ زندگی کی کوئی اسکیم بن نہیں سکتی جب تک کہ انسان کے متعلق اور اس کائنات کے متعلق، جس میں انسان رہتا ہے، ایک واضح اور متعین تصور نہ قائم کر لیا جائے۔ یہ سوال کہ انسان کا برتاؤ یہاں کیا ہونا چاہیئے اور کس طرح اُسے اس دنیا میں کام کرنا چاہیئے، دراصل اِس سوال سے گہرا تعلق رکھتا ہے کہ انسان کیا ہے، اس کائنات میں اس کی حیثیت کیا ہے، اور اس کائنات کا نظام کس ڈھنگ کا ہے جس سے انسان کی زندگی کے ڈھنگ کو ہم آہنگ ہونا چاہیئے۔ اس سوال کا جو حل بھی

Marfat.com

تجویز کیا جائیگا اُسی کے لحاظ سے اخلاق کا ایک نظریہ قائم ہوگا۔ پھر اُسی نظ
اخلاقی کی نوعیت کے مطابق انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کی تشکیل ہوگی
پھر اسی سانچے کے اندر انفرادی سیرت وکردار اور اجتماعی تعلقات و معا
کے قوانین اپنی تفصیلی صورتیں اختیار کریں گے، اور آخر کار تمدن کی پوری
انہی بنیادوں پر تعمیر ہوگی۔ دنیا میں اس وقت تک انسانی زندگی کے لئے ج
مذہب و مسلک بھی بنے ہیں ان سب کو بہر حال اپنا ایک بنیادی فلسفہ اور ایک
اساسی نظریۂ اخلاقی مرتب کرنا پڑا ہے۔ اور اصول سے لے کر چھوٹے سے
چھوٹے جزئیات تک میں ایک مسلک کو دوسرے مسلک سے جو چیز ممتا
کرتی ہے وہ یہی فلسفہ اور یہی اخلاقی نقطۂ نظر ہے، کیونکہ ہر دستورِ زندگی کا
اسی چیز کی طبیعت کے مطابق بنتا ہے، اور یہ اس کے قالب میں روح کی حیثیت
رکھتی ہے۔

جزئیات و فروع سے قطع نظر، اصولی حیثیت سے اگر دیکھا جائے
انسان اور کائنات کے متعلق چار ہی مابعد الطبیعی نظریے قائم ہو سکتے ہیں،
دنیا میں جتنے دستورِ زندگی پائے جاتے ہیں انہوں نے انہی چار میں سے
کسی ایک کو اختیار کیا ہے:۔

جاہلیت خالصہ | ایک نظریہ یہ ہے کہ کائنات کا یہ سارا نظام ایک اتفا
ہنگامۂ وجود و ظہور ہے جس کے پیچھے کوئی حکمت، کوئی مصلحت، اور کوئی مقص
کارفرما نہیں ہے۔ یونہی بن گیا ہے، یونہی چل رہا ہے اور یونہی بے نتیجہ خ
ہو جائے گا۔ اس کا کوئی خدا نہیں ہے، اور اگر ہے تو اس کے ہونے یا نہ

ان کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ انسان ایک قسم کا جانور ہے جو دوسری روں کی طرح شائد اتفاقاً یہاں پیدا ہوگیا ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ ں کو کس نے پیدا کیا اور کس لئے پیدا کیا۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ اس ین پر پایا جاتا ہے، کچھ خواہشیں رکھتا ہے جنہیں پورا کرنے کے لئے اس کی یت اندر سے زور کرتی ہے، کچھ قوتیں اور کچھ آلات رکھتا ہے جو ان خواہشو کمیل کا ذریعہ بن سکتی ہیں، اور اپنے گردوپیش زمین کے دامن پر بہت سا سامان یلا ہوا دیکھتا ہے۔ جن پر وہ اپنے ان قویٰ اور آلات کو استعمال کرکے اپنی اہشوں کی تکمیل کرسکتا ہے۔ لہٰذا اس کی زندگی کا مقصد اس کے سوا کچھ یں کہ اپنی طبع حیوانی کے مطالبات پورے کرے، اور اس کی انسانی ستعدادوں کا مصرف اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ان مطالبات کو پورا کرنے کے بہتر سے بہتر ذرائع فراہم کرے۔ انسان سے مافوق کوئی علم کا منبع اور ہدایت ا سرچشمہ موجود نہیں ہے جہاں سے اس کو اپنی زندگی کا قانون مل سکتا ہو، لہٰذا اس کو اپنے گردوپیش کے آثار و احوال سے اور اپنی تاریخ کے تجربات سے خود ہی ایک قانونِ عمل اخذ کرنا چاہئیے۔ بظاہر کوئی ایسی حکومت نظر نہیں آتی جس کے سامنے انسان جواب دہ ہو، اس لئے انسان بجائے خود ایک غیر ذمہ دار ہستی ہے۔ اور اگر یہ جواب دہ ہے بھی تو آپ اپنے ہی سامنے ہے۔ یا اُس اقتدار کے سامنے جو خود انسانوں ہی میں سے پیدا ہوکر افراد پر مستولی ہوجائے۔ اعمال کے نتائج جو کچھ بھی ہیں اسی دنیوی زندگی کی حد تک ہیں۔ اس کے ماسوا کوئی زندگی نہیں ہے۔ لہٰذا صحیح اور غلط، مفید اور مضر، قابل

اخذ اور قابل ترک ہونے کا فیصلہ صرف انہی نتائج کے لحاظ سے کیا جائے جو اس دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔

انسان جب جاہلیت محضہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ یعنی جب ا[illegible] محسوسات سے ماوراء کسی حقیقت تک وہ نہیں پہنچتا یا بندگی نفس کی و[illegible] سے نہیں پہنچنا چاہتا، تو اس کے ذہن پر یہی نظریہ حاوی ہوتا ہے۔ د[illegible] پرستوں نے ہر زمانے میں یہی نظریہ اختیار کیا ہے۔ قلیل مستثنیات کو چھوڑ کر باد[illegible] نے، امیروں نے، درباریوں اور ارباب حکومت نے، خوشحال لوگوں ا[illegible] خوشحالی کے پیچھے جان دینے والوں نے عموماً اسی نظریہ کو ترجیح دی ہے اور جن قوموں کی تمدنی ترقی کے گیت تاریخ میں گائے جاتے ہیں، بالعموم ان سب کے تمدن کی جڑ میں یہی نظریہ کام کرتا رہا ہے۔ موجودہ مغربی تمدن کی [illegible] بھی یہی نظریہ ہے۔ اگرچہ اہلِ مغرب سب کے سب خدا اور آخرت کے منکر نہیں ہیں، نہ علمی حیثیت سے سب مادّہ پرستانہ اخلاق کے قائل ہیں لیکن جو روح ان کے پورے نظام تہذیب و تمدن میں کام کر رہی ہے وہ اسی انکار خدا و آخرت اور اسی مادّہ پرستانہ اخلاق ہی کی روح ہے، اور وہ اس طرح ان کی زندگی میں پیوست ہو گئی ہے کہ جو لوگ علمی حیثیت سے خدا اور آخرت کے قائل ہیں اور اخلاق میں ایک غیر مادّہ پرستانہ نقطۂ نظر اختیار کرتے ہیں، وہ بھی غیر شعوری طور پر اپنی واقعی زندگی میں دہریہ در [illegible] پرست ہی ہیں، کیونکہ اُن کے علمی نظریہ کا اُن کی عملی زندگی سے بالفعل کوئی ربط قائم نہیں ہے۔ ایسی ہی کیفیت ان سے پہلے کے مترفین اور خدا فراموش لوگ[illegible] کی بھی تھی۔ بغداد، دمشق، دہلی اور غرناطہ کے مترفین مسلمان ہونے کی وجہ

...ا اور آخرت کے منکر نہ تھے، مگر ان کی زندگی کا سارا پروگرام اس طرح
...نا تھا کہ گویا نہ خدا ہے، نہ آخرت ہے، نہ کسی کو جواب دینا ہے، نہ کہیں سے
...یت لینی ہے، جو کچھ ہیں ہماری خواہشات ہیں، ان خواہشات کی تکمیل میں
...رتم کے ذرائع اور ہر قسم کے طریقے اختیار کرنے کے لئے ہم آزاد ہیں اور دنیا
...ں جینے کی جتنی مہلت ملتی ہے اس کا بہترین مصرف بس یہ ہے کہ :-

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

جیسا کہ اوپر میں نے اشارہ کیا، اس نظریہ کی عین فطرت یہی ہے کہ اسکی
...نیا د پر ایک خالص مادہ پرستانہ نظام اخلاق بنتا ہے، خواہ وہ کتابوں میں
...مدون ہو یا صرف ذہنیتوں ہی میں مرتب ہو کر رہ جائے۔ پھر اسی ذہنیت سے
...علوم وفنون اور افکار و آداب کی آبیاری ہوتی ہے اور پورے نظام تعلیم و تربیت
...میں الحاد و مادیت کی روح سرایت کر جاتی ہے۔ پھر انفرادی سیرتیں اسی سانچے
...میں ڈھلتی ہیں، انسان اور انسان کے درمیان تعلقات و معاملات کی تمام
صورتیں اسی نقشہ پر بنتی ہیں، اور قوانین کا نشوونما اسی ڈھنگ پر ہوتا ہے۔
پھر اس طرز کی سوسائٹی میں سطح پر وہ لوگ ابھر آتے ہیں جو سب سے زیادہ
مکار، بد دیانت، جھوٹے، دغاباز، سنگدل اور خبیث النفس ہوتے ہیں تمام
سوسائٹی کی سیادت و قیادت اور مملکت کی زمام کار انہی کے ہاتھ میں ہوتی
ہے اور وہ شتر بے مہار کی طرح ہر حساب سے بے خوف اور ہر مواخذہ سے بے پروا
ہو کر خلق خدا پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ میکیاویلی (Machiavelli) کے اصول سیاست
پر ان کی ساری حکمت عملی بنی ہوتی ہے۔ ان کی کتاب آئین میں زور کا نام حق اور

Marfat.com

بے زوری کا نام باطل ہوتا ہے۔ جہاں کوئی مادّی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی وہاں کوئی چیز ان کو ظلم سے نہیں روک سکتی۔ یہ ظلم مملکت کے دائرے میں یہ شکل اختیار کرتا ہے کہ طاقتور طبقے اپنی ہی قوم کے کمزور طبقوں کو کھاتے اور دباتے ہیں۔ اور مملکت کے باہر اس کا ظہور قوم پرستی، امپیریلزم اور ملک گیری و اقوام کشی کی صورت میں ہوتا ہے۔

جاہلیت مشرکانہ | دوسرا مابعد الطبیعی نظریہ یہ ہے کہ کائنات کا نظام اتفاقی تو نہیں ہے۔ اور نہ بے خداوند ہے۔ مگر اس کا ایک خداوند (Master) نہیں بلکہ بہت سے خداوند ہیں۔ یہ خیال چونکہ کسی علمی ثبوت (Scientific proof) پر مبنی نہیں ہے بلکہ محض خیال آرائی پر اس کی بنا ہے، اس لئے موہوم محسوس اور معقول اشیاء کی طرف خداوندی و الٰہیت کو منسوب کرنے میں مشرکین کے درمیان نہ کبھی اتفاق ہو سکتا ہے، نہ کبھی ہوا ہے۔ اندھیرے میں بھٹکنے والوں کا ہاتھ جس چیز پر بھی پڑ گیا وہ خدا بنا لی گئی اور خداؤں کی فہرست ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہی۔ فرشتے، جن، ارواح، سیّارے، زندہ اور مردہ انسان، درخت، پہاڑ، جانور، دریا، زمین، آگ، اور معانی مجردہ (Abstract Ideas) مثلاً محبت، حسن، شہوت، قوتِ تخلیق، بیماری، جنگ، بجلی، شکتی وغیرہ، اور خیالی مرکبات مثلاً شیر انسان، ماہی انسان، پرند انسان، چہار سرا، ہزار دستہ، خرطوم بینی وغیرہ مشرکین کے معبودوں میں جگہ پاتے رہے ہیں۔ پھر اس دیو مالا کے گرد اوہام و خرافات (Mythology) کا ایک عجیب طلسم ہوش ربا تیار ہوا ہے جس میں ہر جاہل قوم کی قوت واہمہ نے اپنی

Marfat.com

نشا دابی و نا ورہ کاری کے وہ وہ دلچسپ نمونے فراہم کیئے ہیں کہ دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جن قوموں میں خدا وند اعلیٰ یعنی اللہ کا تصور نمایاں پایا گیا ہے۔ وہاں تو خدائی کا انتظام کچھ اس طرز کا ہے گویا اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے اور دوسرے خدا اس کے وزیر، درباری، مصاحب، عہدہ دار اور اہلکار ہیں، مگر انسان بادشاہ سلامت تک راہ نہیں پا سکتا اس لئے اس کے سارے معاملات ماتحت خداؤں ہی سے وابستہ رہتے ہیں۔ اور جن قوموں میں خداوند اعلیٰ کا تصور بہت دھندلا یا تقریباً مفقود ہے، وہاں ساری خدائی ارباب متفرقین ہی میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔

جاہلیت خالصہ کے بعد یہ دوسری قسم کی جاہلیت ہے جس میں انسان قدیم ترین زمانے سے آج تک مبتلا ہوتا رہا ہے، اور ہمیشہ گھٹیا درجہ کی دماغی حالت ہی میں یہ کیفیت رونما ہوئی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ اللہ واحد قہار کی خدائی کے قائل ہو گئے، وہاں سے خداؤں کی دوسری اقسام تو رخصت ہو گئیں، مگر انبیاء، اولیاء، شہدا، صالحین، مجاذیب، اقطاب، ابدال، علماء، مشائخ اور ظل اللّٰہوں کی خدائی پھر بھی کسی نہ کسی طرح عقائد میں اپنی جگہ نکالتی ہی رہی۔ جاہل دماغوں نے مشرکین کے خداؤں کو چھوڑ کر اُن نیک بندوں کو خدا بنا لیا جن کی ساری زندگیاں بندوں کی خدائی ختم کرنے اور صرف اللہ کی خدائی ثابت کرنے میں صرف ہوئی تھیں۔ ایک طرف مشرکانہ پوجا پاٹ کی جگہ فاتحہ، زیارات، نیاز، نذر، عرس، صندل، چڑھاوے، نشان، علم، تعزیے، اور اسی قسم کے دوسرے مذہبی اعمال کی ایک

نئی شریعت تصنیف کر لی گئی۔ دوسری طرف بغیر کسی ثبوتِ علمی کے ان بزرگوں کی ولادت ووفات، ظہور وغیاب، کرامات، وخوارق، اختیارات وتصرفات اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے تقرب کی کیفیات کے متعلق ایک پوری میتھالوجی تیار ہو گئی جو بت پرست مشرکین کی میتھالوجی سے ہر طرح لگا کھا سکتی ہے تیسری طرف توسّل اور استمداد روحانی اور اکتسابِ فیض وغیرہ ناموں کے خوشنما پردوں میں وہ سب معاملات جو اللہ اور بندے کے درمیان ہوتے ہیں، ان بزرگوں سے متعلق ہو گئے اور عملاً وہی حالت قائم ہو گئی جو اللہ کو ماننے والے اُن مشرکین کے ہاں ہے جن کے نزدیک بادشاہِ عالم انسان کی رسائی سے بہت دور ہے اور انسان کی زندگی سے تعلق رکھنے والے تمام امور نیچے کے اہلِ کاروں ہی سے وابستہ ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اُن کے ہاں یہ اہلکار علانیہ الٰہ، دیوتا، اوتار یا ابن اللہ کہلاتے ہیں، اور یہ انہیں غوث، قطب، اولیا اور اہل اللہ وغیرہ الفاظ کے پردوں میں چھپاتے ہیں۔

یہ دوسری قسم کی جاہلیت تاریخ کے دوران میں عموماً پہلی قسم کی جاہلیت، یعنی جاہلیت خالصہ کے ساتھ تعاون کرتی رہی ہے۔ قدیم زمانہ میں بابل، مصر، ہندوستان، ایران، یونان، روم وغیرہ ممالک کے تمدن میں یہ دونوں جاہلیتیں ہم آغوش تھیں اور موجودہ زمانہ میں جاپان کے تمدن کا بھی یہی حال ہے۔ اس موافقت کے متعدد اسباب ہیں جن میں سے چند کی طرف میں اشارہ کروں گا۔

اولاً مشرکانہ جاہلیت میں آدمی کا کوئی تعلق اپنے معبودوں کے ساتھ

Marfat.com

اس کے سوا نہیں ہوتا کہ یہ اپنے خیال میں اُن کو صاحب اختیار اور نافع وضار سمجھ لیتا ہے اور مختلف مراسم عبودیت کے ذریعہ سے اپنے دنیوی مقاصد میں اُن کی مہربانی و اعانت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ وہاں اسکو کسی قسم کی اخلاقی ہدایت یا زندگی کا قانون وضابطہ ملے، تو اسکا کوئی امکان ہی نہیں، کیونکہ وہاں کوئی واقع میں خدا ہو تو ہدایت اور قانون بھیجے۔ پس جب ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے تو مشرک انسان لامحالہ خود ہی ایک اخلاقی نظریہ بناتا ہے اور خود ہی اس نظریہ کی بنیاد پر ایک شریعت تصنیف کرتا ہے۔ اس طرح وہی جاہلیت محضہ بر سر کار آجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خالص جاہلیت کے تمدن اور مشرکانہ تمدن میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہوتا کہ ایک جگہ جاہلیت کے ساتھ مندروں، پجاریوں اور عبادات کا سلسلہ ہوتا ہے، اور دوسری جگہ نہیں ہوتا۔ ورنہ اخلاق و اعمال جیسے یہاں ہوتے ہیں، ویسے ہی وہاں بھی ہوتے ہیں۔ یونان قدیم اور بت پرست روم کے اخلاقی مزاج اور موجودہ یورپ کے اخلاقی مزاج میں جو مشابہت پائی جاتی ہے، اس کا یہی سبب ہے۔ اس نظرئے کی روشنی میں موجودہ زمانے کے مسلمان آپکو کیسے دکھائی دیتے ہیں؟۔

ثانیاً علوم وفنون، فلسفہ وادب، اور سیاسیات و معاشیات وغیرہ کے لئے مشرکانہ نظریہ کوئی الگ مستقل بنیاد فراہم نہیں کرتا۔ اس باب میں بھی مشرک انسان جاہلیت محضہ ہی کا رخ اختیار کرتا ہے! ور مشرک سوسائٹی کا سارا دماغی نشو و نما اُسی ڈھنگ پر ہوتا ہے جس پر خالص جاہلی سوسائٹی میں ہوا

Marfat.com

کرتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مشرکین کی قوت واہمہ حد سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے اس لئے ان کے افکار میں خیال آرائی Speculation کا عنصر بہت زیادہ ہوتا ہے، اور ملاحدہ ذرا عملی قسم کے لوگ ہوتے ہیں اس لئے نرے خیالی فلسفوں سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، البتہ جب وہ خدا کے بغیر کائنات کے معمہ کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی استدلالی کھینچ تان بھی اتنی ہی غیر معقول ہوتی ہے جتنی مشرکین کی میتھالوجی۔ بہرحال علمی حیثیت سے شرک اور جاہلیت خالصہ میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہوتا اور اس کا روشن ثبوت یہ ہے کہ موجودہ یورپ اپنے نظریات میں قدیم یونان و روم سے اس طرح سلسلہ جوڑتا ہے کہ گویا یہ بیٹا ہے اور وہ باپ۔

ثالثاً مشرک سوسائٹی اُن تمام تمدنی طریقوں کو قبول کرنے کے لئے پوری طرح مستعد ہوتی ہے جن کو خالص جاہلی سوسائٹی اختیار کرتی ہے۔ اگرچہ سوسائٹی کی ترتیب و تعمیر میں شرک اور جاہلیت خالصہ کے ڈھنگ ذرا ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ شرک کی مملکت میں بادشاہوں کو خدائی کا مقام دیا جاتا ہے۔ روحانی پیشواؤں اور مذہبی عہدہ داروں کا ایک طبقہ مخصوص امتیازات کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ شاہی خاندان اور مذہبی طبقے مل کر ایک ملی بھگت قائم کرتے ہیں، خاندانوں پر خاندانوں کے اور نسلوں پر نسلوں کے تفوق کا ایک مستقل نظریہ وضع کیا جاتا ہے، اور اس طرح جاہل عوام پر مذہب کا جال پھیلا کر ظالمانہ تسلط قائم کر لیا جاتا ہے۔ بخلاف اس کے خالص جاہلی سوسائٹی میں یہ خرابیاں نسل پرستی، قوم پرستی، قومی امپیریلزم، ڈکٹیٹرشپ، مطلق

Marfat.com

اور طبقاتی نزاع کی شکل اختیار کرتی ہیں۔ لیکن جہاں تک روح اور جوہر کا تعلق ہے، انسان پر انسان کی خدائی مسلط کرنے، انسان کو انسان سے پھاڑنے اور انسانیت کو تقسیم کر کے ایک ہی نوع کے افراد کو ایک دوسرے کے لئے صیّاد بنانے میں دونوں ایک سطح پر ہیں۔

جاہلیت راہبانہ | تیسرا ما بعد الطبیعی نظریہ یہ ہے کہ یہ دنیا اور یہ جسمانی وجود انسان کے لئے ایک دار العذاب ہے۔ انسان کی روح اس قفس عنصری میں دراصل ایک سزا یافتہ قیدی کی حیثیت رکھتی ہے۔ لذات و خواہشات اور تمام وہ ضروریات جو اس جسمانی تعلق کی وجہ سے انسان کو لاحق ہوتی ہیں، اصل میں اس قید خانہ کے طوق و سلاسل ہیں۔ انسان اس دنیا اور اس کی چیزوں سے جتنا تعلق رکھیگا اُتنا ہی گندگی سے آلودہ ہوگا اور اُسی قدر مزید عذاب کا مستحق بن جائیگا۔ نجات کی صورت اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ اس زندگی کے بکھیڑوں سے قطع تعلق کیا جائے، خواہشات کو مٹایا جائے، لذات سے کنارہ کشی کی جائے، جسمانی ضروریات اور نفس کے مطالبات کو پورا کرنے سے انکار کیا جائے، اُن تمام محبتوں کو جو دنیوی اشیا اور گوشت و خون کی رشتہ داریوں کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں، دل سے نکال دیا جائے، اور اپنے اس دشمن، یعنی نفس و جسم کو مجاہدات و ریاضات کے ذریعہ سے اتنی تکلیفیں دی جائیں کہ روح پر اسکا تسلط قائم نہ رہ سکے۔ اس طرح روح ہلکی اور پاک صاف ہو جائیگی اور نجات کے بلند مقامات پر اُڑنے کی طاقت حاصل کرے گی۔

یہ نظریہ بجائے خود غیر تمدنی (Anti-Social) نظریہ ہے، مگر تمدن پر

Marfat.com

یہ متعدد طریقوں سے اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد ایک خاص قسم کا نظام فلسفہ بنتا ہے جس کی مختلف شکلیں ویدانتزم، اشراقیت (Noe-Platonism) یوگ، تصوف، مسیحی رہبانیت، اور بدھ ازم وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں۔ اس فلسفہ کے ساتھ ایک ایسا نظام اخلاق وجود میں آتا ہے جو بہت کم ایجابی (Positive) اور بہت زیادہ بلکہ تمام تر سلبی نوعیت کا ہے۔ یہ دونوں چیزیں مل جل کر لٹریچر، عقائد، اخلاقیات اور عملی زندگی میں نفوذ کرتی ہیں اور جہاں جہاں ان کے اثرات پہنچتے ہیں وہاں افیون اور کوکین کا کام کرتے ہیں۔

پہلی دونوں قسم کی جاہلیتوں کے ساتھ اس تیسری قسم کی جاہلیت کا تعاون عموماً تین صورتوں سے ہوتا ہے۔

(۱) یہ راہبانہ جاہلیت انسانی جماعت کے نیک اور پاکباز افراد کو دنیا کے کاروبار سے ہٹا کر گوشۂ عزلت میں لے جاتی ہے اور بدترین قسم کے شریر افراد کے لئے میدان صاف ہو جاتا ہے۔ بدکار لوگ خدا کی زمین کے متولی بنکر آزادی کے ساتھ فساد پھیلاتے ہیں، اور نیک لوگ اپنی نجات کی فکر میں تپسیا کئے چلے جاتے ہیں۔

(۲) اس جاہلیت کے اثرات جہاں تک عوام میں پہنچتے ہیں وہ انکے اندر غلط قسم کا صبر و تحمل، اور مایوسانہ نقطۂ نظر پیدا کر کے انہیں ظالموں کے لئے نرم نوالہ بنا دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہمیشہ بادشاہ، امراء، اور مذہبی اقتدار رکھنے والے طبقے اس راہبانہ فلسفہ و اخلاق کی اشاعت میں خاص دلچسپی لیتے رہے ہیں، اور یہ خوب آرام سے ان کی سرپرستی میں پھیلتا رہا ہے۔ تاریخ میں کوئی

Marfat.com

مثال ایسی نہیں ملتی کہ امپیریلزم، سرمایہ داری اور روحانی ریاست سے اس راہبانہ فلسفہ واخلاق کی کبھی لڑائی ہوئی ہو۔

(۳) جب یہ رہبانی فلسفہ واخلاق، انسانی فطرت سے شکست کھاتا ہے تو کتاب الحیل کی تصنیف شروع ہو جاتی ہے۔ کہیں کفارہ کا عقیدہ ایجاد ہوتا ہے تاکہ دل کھول کر گناہ کیا جا سکے اور جنت بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ کہیں ہوس رانی کے لئے عشقِ مجازی کا حیلہ نکالا جاتا ہے تاکہ دل کی لگی بجھا بھی لی جائے اور تقدس بھی جوں کا توں قائم رہے۔ اور کہیں ترک دنیا کے پردے میں بادشاہوں اور رئیسوں سے سانٹھ گانٹھ کی جاتی ہے! اور روحانی امارت کا وہ جال پھیلایا جاتا ہے، جس کی بدترین مثالیں روم کے پاپاؤں، اور مشرقی دنیا کے گدی نشینوں نے پیش کی ہیں۔

یہ تو اس جاہلیت کا معاملہ اپنی ہم جنس بہنوں کے ساتھ ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کی امتوں میں جب یہ گھس آتی ہے، تو کچھ اور ہی گل کھلاتی ہے۔ خدا کے دین پر اس کی پہلی ضرب یہ ہوتی ہے کہ یہ دنیا کو دارالعمل، دارالامتحان اور مزرعۃ الآخرۃ کے بجائے دارالعذاب اور "مایا کے جال" کی حیثیت سے آدمی کے سامنے پیش کرتی ہے۔ نقطۂ نظر کے اس بنیادی تغیر کی وجہ سے آدمی یہ حقیقت بھول جاتا ہے کہ وہ اس دنیا میں خلیفہ کی حیثیت سے مامور ہے۔ وہ یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ میں یہاں کام کرنے اور دنیا کے معاملات کو چلانے نہیں آیا ہوں بلکہ گندگی ونجاست میں پھینکا گیا ہوں جس سے مجھے بچنا اور دور بھاگنا چاہیئے۔ میرے لئے صحیح پوزیشن یہ ہے کہ میں یہاں نان کوآپریٹر کی طرح رہوں اور ذمہ داریوں کو قبول کرنے کے

Marfat.com

بجائے اُن سے کنارہ کروں۔ اس تصور کے ساتھ آدمی دنیا اور اس کے معاملات پر بھی ہوئی نگاہ ڈالنے لگتا ہے! در بارِ خلافت سنبھالنا تو درکنار، بارِ تمدن کو بھی اپنے سر لیتے ہوئے ڈرتا ہے۔ اس کے لئے پورا نظامِ شریعت بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے عبادات اور اوامر و نواہی کا یہ مفہوم بالکلیہ ساقط ہو جاتا ہے کہ یہ حیات دنیا کی اصلاح اور فرائض خلافت کی انجام دہی کے لئے تیار کرنے والی چیزیں ہیں برعکس اس کے آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ عبادات اور چند خاص مذہبی اعمال اس گناہِ زندگی کا کفارہ ہیں۔ بس انہی کو پورے انہماک سے ٹھیک ناپ تول کے ساتھ انجام دیتے رہنا چاہیئے تاکہ آخرت میں نجات حاصل ہو۔

اس ذہنیت نے انبیاء کی امتوں میں سے ایک گروہ کو مراقبہ و مکاشفہ چلہ کشی و ریاضت، اوراد و وظائف، احزاب اعمال، سیر مقامات اور حقیقت کی فلسفیانہ تعبیروں کے چکر میں ڈال کر مستحبات و نوافل کے التزام میں فرائض سے بھی زیادہ منہمک کر کے، خلافت الٰہیہ کے اُس کام سے غافل کر دیا جس کو جاری کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام آئے تھے۔ اور دوسرے گروہ میں تقشف، التعمق فی الدین، غلو، موشگافی، چھوٹی چھوٹی چیزوں کی ناپ تول اور جزئیات کے ساتھ غیر معمولی اہتمام کی بیماری پیدا کر دی، حتیٰ کہ ان کے لئے خدا کا دین ایک ایسا نازک آبگینہ بن گیا جو ذرا ذرا سی باتوں سے ٹھیس کھا کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان بیچاروں کا سارا وقت بس اسی دیکھ بھال کی نذر ہو نے لگا کہ کہیں کچھ اونچ نیچ نہ ہو جائے اور یہ شیشے کا برتن جو سر پر رکھا ہے۔ کھیل کھیل ہو کر نہ رہ جائے۔ دین میں اتنی باریکیاں نکل آنے کے بعد ناگزیر ہے

Marfat.com

جمود، تنگ خیالی اور کم حوصلگی پیدا ہو۔ ایسے لوگوں میں کہاں یہ قابلیت
باقی رہ سکتی ہے کہ نگاہِ جہاں بیں سے انسانی زندگی کے بڑے بڑے مسائل پر
نظر ڈالیں، دین کے عالمگیر اصول و کلیات پر گرفت حاصل کریں اور زمانہ کی
ہر نئی گردش میں دنیا کی امامت و رہنمائی کے لئے مستعد ہوں۔

سلام | چوتھا ما بعد الطبیعی نظریہ یہ ہے کہ یہ سارا عالم ہست و بود جو ہمارے
گرد و پیش پھیلا ہوا ہے اور جس کا ایک جزء ہم خود ہیں، دراصل ایک بادشاہ
کی سلطنت ہے۔ اسی نے اس کو بنایا ہے، وہی اس کا مالک ہے، اور وہی
اس کا واحد حاکم ہے۔ اس سلطنت میں کسی کا حکم نہیں چلتا۔ سب کے سب
تابع امر ہیں اور اختیارات بالکلیہ اسی ایک مالک و فرمانروا کے ہاتھ میں ہیں۔
انسان اس مملکت میں پیدائشی رعیت ہے، یعنی رعیت ہونا یا نہ ہونا اس کی مرضی
پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ رعیت ہی پیدا ہوا ہے اور رعیت کے سوا کچھ اور ہونا
اس کے امکان میں نہیں ہے۔ اس نظامِ حکومت کے اندر انسان کی خود مختاری
و غیر ذمہ داری کے لئے کوئی جگہ نہیں، نہ فطرۃً ہو سکتی ہے۔ پیدائشی رعیت اور
ایک جزو مملکت ہونے کی حیثیت سے اس کے لئے کوئی راستہ اس کے سوا
نہیں ہے کہ جس طرح مملکت کے تمام اجزاء بادشاہ کے امر کی اطاعت کر رہے
ہیں اسی طرح یہ بھی کرے۔ یہ خود اپنے لئے طریق زندگی وضع کرنے اور اپنی ڈیوٹی
آپ تجویز کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کا کام صرف یہ ہے کہ مالک الملک کی طرف
سے جو ہدایت آئے اس کی پیروی کرے۔ اس ہدایت کے آنے کا ذریعہ وحی
ہے اور جن انسانوں کے پاس وہ آتی ہے وہ نبی ہیں۔

Marfat.com

مگر انسان کی آزمائش کے لئے مالک نے یہ لطیف طریقہ اختیار کیا کہ آپ بھی چھپ گیا اور اپنی سلطنت کا وہ پورا اندرونی انتظام بھی چھپا دیا جس سے وہ تدبیر امر کرتا ہے۔ ظاہر میں سلطنت اس طرح چل رہی ہے کہ نہ اس کا حاکم نظر آتا ہے نہ کارپرداز ہی دکھائی دیتے ہیں۔ انسان صرف ایک کارخانہ چلتا ہوا دیکھتا ہے، اس کے درمیان اپنے آپ کو موجود پاتا ہے، اور ظاہری حواس سے کہیں یہ محسوس نہیں کرتا کہ میں کسی کا محکوم ہوں اور کسی کو مجھے حساب دینا ہے۔ اعیان و شہود میں کوئی ایسی نشانی نمایاں نہیں ہوتی کہ اس پر فرمانروائے عالم کی حاکمیت اور اپنی محکومیت و مسئولیت (Responsibility) کا حال غیر مشتبہ طور پر کھل جائے یہاں تک کہ ماننے بغیر چارہ نہ رہے۔ نبی بھی آتے ہیں تو اس طرح نہیں کہ ان کے اوپر عیاناً وحی اترتی دکھائی دے یا کوئی ایسی صریح علامت ان کے ساتھ اترے جس کو دیکھ کر ان کی نبوت ماننے کے سوا چارہ نہ رہے۔ پھر آدمی ایک حد کے اندر اپنے آپ کو بالکل مختار پاتا ہے۔ بغاوت کرنا چاہے تو اس کی قدرت دیدی جاتی ہے، ذرائع بہم پہنچا دیئے جاتے ہیں، اور بڑی لمبی ڈھیل دی جاتی ہے، حتیٰ کہ شرارت و عصیان کی آخری حدود کو پہنچنے تک کوئی رکاوٹ اسے پیش نہیں آتی۔ مالک کے سوا دوسروں کی بندگی کرنا چاہے تو اس سے بھی زبردستی اس کو نہیں روکا جاتا، پوری آزادی دی جاتی ہے کہ جس جس کی بندگی، عبادت، اطاعت کرنا چاہے کرے۔ دونوں صورتوں (یعنی بغاوت اور بندگیٔ غیر کی صورتوں) میں رزق برابر ملتا ہے، سامانِ زندگی، وسائلِ کار، اسبابِ عیش حسبِ حیثیت خوب دیئے جاتے ہیں۔ اور مرتے دم تک

Marfat.com

ۓ جاتے رہتے ہیں کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کسی باغی یا کسی بندۂ غیر سے محض اس جرم کی پاداش میں اسباب دنیا روک لئے جائیں۔ یہ سارا طرزِ کارروائی صرف اس لئے ہے کہ خالق نے انسان کو عقل، تمیز، استدلال، ارادہ اور اختیار کی جو قوتیں دی ہیں، اور اپنی بے شمار مخلوقات پر اس کو ایک طرح کے حاکمانہ تصرف کی جو قدرت بخشی ہے، اس میں وہ اس کی آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ اسی آزمائش کی تکمیل کیلئے حقیقت پر غیب کا پردہ ڈالا گیا ہے تاکہ انسان کی عقل کا امتحان ہو، انتخاب کی آزادی بخشی گئی ہے تاکہ اس امر کا امتحان ہو کہ آدمی حق کو جاننے کے بعد کسی مجبوری کے بغیر خود اپنی رضا و رغبت سے اس کی پیروی کرتا ہے یا خواہشات کی غلامی اختیار کر کے اس سے منہ موڑتا ہے۔ اسبابِ زندگی کا سرمایہ اور وسائل کار دئے گئے ہیں، اور عمر بھر کی مہلت دی گئی ہے کیونکہ جب تک کسی کارکن کو سرمایہ، وسائل، اور کام کا موقع نہ دیا جائے اس کی لیاقت و عدم لیاقت کا امتحان نہیں ہو سکتا۔

یہ دنیوی زندگی چونکہ آزمائش کی مہلت ہے اس لئے یہاں نہ حساب ہے نہ جزا نہ سزا۔ یہاں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ کسی عملِ نیک کا انعام نہیں ہے بلکہ امتحان کا سامان ہے۔ اور جو تکالیف، مصائب، شدائد وغیرہ پیش آتے ہیں وہ کسی عمل بد کی سزا نہیں بلکہ زیادہ تر اس قانونِ طبعی کے تحت جس پر اس دنیا کا نظام قائم کیا گیا ہے، آپ سے آپ ظاہر ہونے والے نتائج ہیں۔ اعمال کے اصلی حساب، جانچ پڑتال اور فیصلہ کا وقت مہلت کی یہ زندگی ختم ہونے کے بعد ہے اور اسی کا نام آخرت ہے۔ لہٰذا دنیا میں جو کچھ نتائج ظاہر ہوتے ہیں وہ کسی طریقہ یا کسی عمل کے صحیح یا غلط، نیک یا بد، اور قابلِ اخذ یا قابلِ ترک ہونےکا

Marfat.com

معیار نہیں بن سکتے۔ اصلی معیار آخرت کے نتائج ہیں اور یہ علم کہ آخرت میں کس طریقہ اور کس عمل کا نتیجہ اچھا اور کس کا برا ہوگا، صرف اُس وحی کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء پر نازل ہوئی ہے۔ جزئیات و تفصیلات سے قطع نظر، فیصلہ کن بات جس پر آخرت کی فلاح یا خسران کا مدار ہے یہ ہے کہ اولاً انسان اپنی قوتِ نظر و استدلال کے صحیح استعمال سے اللہ تعالیٰ کے حاکم حقیقی ہونے اور اس کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے من جانب اللہ ہونے کو پہچانتا ہے یا نہیں۔ ثانیاً اس حقیقت سے واقف ہونے کے بعد وہ (آزادیٔ انتخاب رکھنے کے باوجود) اپنی رضا و رغبت سے اللہ کی حاکمیت اور اس کے امر شرعی کے آگے سرِ تسلیم خم کرتا ہے یا نہیں۔

یہ وہ نظریہ ہے جسے ابتدا سے انبیاء علیہم السلام پیش کرتے آئے ہیں۔ اس نظریہ کی بنیاد پر تمام واقعاتِ عالم کی مکمل توجیہ (Explanation) ہوتی ہے، کائنات کے تمام آثار (Phenomena) کی پوری تعبیر ملتی ہے اور کسی مشاہدہ یا کسی تجربہ سے یہ نظریہ ٹوٹتا نہیں۔ یہ ایک مستقل نظامِ فلسفہ پیدا کرتا ہے جو جاہلیت کے فلسفوں سے بنیادی طور پر بالکل مختلف ہے۔ کائنات اور خود وجودِ انسانی کے متعلق معلومات کے پورے ذخیرہ کو ایک دوسرے ڈھنگ پر مرتب کرتا ہے جو جاہلی علوم کی ترتیب سے سراسر متبائن ہے! ادب اور ہنر (Art and Literature) کی نشوونما کا ایک الگ راستہ بناتا ہے جو جاہلی ادب و ہنر کے تمام راستوں سے متغائر ہے۔ زندگی کے جملہ معاملات میں ایک خاص زاویۂ نظر اور ایک خاص مقصد پیدا کرتا ہے جو جاہلی مقاصد و نقطہائے نظر سے اپنی

روح اور اپنے جوہر میں کسی طرح میں نہیں کھاتا۔ اخلاق کا ایک علیحدہ نظام
ماتا ہے جس کو جاہلی اخلاقیات سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ پھر ان علمی و اخلاقی
بنیادوں پر جس تہذیب کی عمارت اٹھتی ہے اس کی نوعیت تمام جاہلی تہذیبوں
کی نوعیت سے قطعی مختلف ہوتی ہے اور اُس کو سنبھالنے کے لئے ایک اور ہی طرز
کے نظام تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے جس کے اصول جاہلیت کے ہر نظام
تعلیم و تربیت سے کامل تضاد کی نسبت رکھتے ہیں۔ فی الجملہ اس تہذیب کی رگ
رگ اور ریشہ ریشہ میں جو روح کام کرتی ہے وہ اللہ واحد قہار کی حاکمیت، آخرت
کے اعتقاد اور انسان کے محکوم و ذمہ دار ہونے کی روح ہے، بخلاف اس کے ہر
جاہلی تہذیب کے پورے نظام میں انسان کی خود مختاری، بے قیدی
بے مہاری اور غیر ذمہ داری کی روح سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے۔ اسی لئے
انسانیت کا جو نمونہ انبیاء علیہم السلام کی قائم کی ہوئی تہذیب سے تیار ہوتا ہے
اس کے خط و خال اور رنگ و روغن جاہلی تہذیب کے بنائے ہوئے نمونہ سے
ہر جز اور ہر پہلو میں جدا ہوتے ہیں۔

اس کے بعد تمدن کی تفصیلی صورت جو اس بنیاد پر بنتی ہے اس کا سارا
نقشہ دنیا کے دوسرے نقشوں سے بدلا ہوا ہوتا ہے۔ طہارت، لباس، خوراک،
طرز زندگی، آداب و اطوار، شخصی کردار، کسب معاش، صرف دولت، ازدواجی
زندگی، خاندانی زندگی، معاشرتی رسوم، سماجی تعلقات، انسان اور انسان
کے تعلق کی مختلف شکلیں، لین دین کے معاملات، دولت کی تقسیم، مملکت کا
انتظام، حکومت کی تشکیل، امیر کی حیثیت، شوریٰ کا طریقہ، سول سروس کی

Marfat.com

تنظیم، قانون کے اصول، تفصیلی ضوابط کا اصول سے استنباط، عدالت، پولیس، احتساب، مالگزاری، فینانس، امورنافورPublic Work صنعت و تجارت، خبررسانی، تعلیمات اور دوسرے تمام محکموں کی پالیسی، فوج کی تربیت و تنظیم، جنگ و صلح کے معاملات، بین الاقوامی تعلقات اور خارجی سیاست، غرض انسانی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے معاملات سے لیکر بڑے سے بڑے معاملات تک اس تمدن کا طور وطریق اپنی ایک مستقل شان رکھتا ہے اور ہر ہر جزء میں ایک واضح خطِ امتیاز اس کو دوسرے تمدنوں سے الگ کرتا ہے۔ اس کی ہر چیز میں اوّل سے آخر تک ایک خاص نقطۂ نظر، ایک خاص مقصد اور ایک خاص اخلاقی رویہ کارفرما ہوتا ہے جس کا براہِ راست تعلق خدائے واحد کی حاکمیتِ مطلقہ اور انسان کی محکومیت و مسئولیت اور دنیا کے بجائے آخرت کی مقصودیت سے بڑا ہوا ہے۔

نبی کے کام کی نوعیت

اسی تہذیب و تمدن کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام پے در پے بھیجے گئے تھے۔

رہبانی تہذیب کو مستثنیٰ کر کے ہر وہ تہذیب جو دنیا کی زندگی کے متعلق ایک جامع نظریہ اور کاروبار دنیا کو چلانے کے لئے ایک ہمہ گیر طریقہ رکھتی ہو، قطع نظر اس کے کہ وہ جاہلیت کی تہذیب ہو یا اسلام کی، طبعاً اس بات کی طالب ہوتی ہے کہ حاکمانہ اختیارات پر قبضہ کرے، زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لے اور زندگی

135855

Marfat.com

نشہ اپنے طرز پر بنائے۔ حکومت کے بغیر کسی نظریہ و ضابطہ کو پیش کرنا یا اس کا
متقد ہونا محض بے معنی ہے۔ راہب تو دنیا کے معاملات کو چلانا ہی نہیں چاہتا
لہ ایک خاص قسم کے "سلوک" سے اپنی خیالی نجات کی منزل تک باہر ہی
ہر پہنچ جانے کی فکر میں لگا رہتا ہے، اس لئے نہ اس کو حکومت کی حاجت
طلب۔ مگر جو دنیا کے معاملات ہی کو چلانے کا ایک خاص ڈھنگ لے کر
ٹھے اور اسی ڈھنگ میں انسان کی فلاح و سعادت کا معتقد ہو، اس کے
لئے تو بجز اس کے کوئی چارہ ہی نہیں کہ اقتدار کی کنجیوں پر قبضہ کرنے کی کوشش
ے۔ کیونکہ اپنے نقشہ پر عملدرآمد کرنے کی طاقت جب تک وہ حاصل نہ کرے
ں کا نقشہ واقعات کی دنیا میں قائم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کاغذ پر اور ذہنوں میں
ی زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہ سکتا۔ جس تہذیب کے ہاتھ میں زمام کار ہوتی ہے
نیا کا سارا کاروبار اسی کے نقشہ پر چلتا ہے، وہی علوم و افکار اور فنون و آداب
ی رہنمائی کرتی ہے، وہی اخلاق کے سانچے بناتی ہے، وہی تعلیم و تربیت عامہ کا
نتظام کرتی ہے، اسی کے قوانین پر سارا نظام تمدن مبنی ہوتا ہے، اور اسی کی پالیسی
ہر شعبۂ زندگی میں کارفرما ہوتی ہے۔ اس طرح زندگی میں کہیں بھی اُس تہذیب کے
لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی جو اپنی حکومت نہ رکھتی ہو یہاں تک کہ جب ایک طویل مدت تک حکمراں تہذیب کا
دور دورہ رہتا ہے تو غیر حکمراں تہذیب عمل کی دنیا میں خارج از بحث ہوتی ہے۔ اسکی طرف ہمدردانہ نقطۂ نظر رکھنے والوں
کو بھی اس امر میں شبہ ہو جاتا ہے کہ یہ طریقہ دنیا کی زندگی میں چل سکتا ہے یا نہیں اسکے نام نہاد علم بردار
اور اس کی لیڈرشپ کے بزعم خود وارثین تک تہذیب مغالبت سے مدارات
(Compromise) اور آدھے پونے کا مشترک معاملہ کرنے پر اتر آتے ہیں

حالانکہ حکمرانی میں دو بالکل مختلف الاصول تہذیبوں کے درمیان مقاسمت یا مصالحت قطعی غیر ممکن العمل چیز ہے اور انسانی تمدن اس غرک کو کبھی برداشت نہیں کرسکتا۔ بٹائی کو ممکن العمل خیال کرنا عقل کی کمی پر دلالت کرتا ہے اور اس کے لئے راضی ہونا ایمان اور ہمت کی کمی پر۔

پس دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے مشن کا منتہائے مقصود یہ رہا ہے کہ حکومتِ الٰہیہ قائم کرکے اُس پورے نظام زندگی کو نافذ کریں جو وہ خدا کی طرف سے لائے تھے۔ وہ اہل جاہلیت کو یہ حق دینے کے لئے تیار تھے کہ اپنے جاہلی اعتقادات پر قائم رہیں اور جس حد کے اندر اُن کے عمل کا اثر انہی کی ذات تک محدود رہتا ہے اُس میں اپنے جاہلی طریقوں پر بھی چلتے رہیں۔ مگر اُنہیں یہ حق دینے کے لئے تیار نہ تھے اور فطرۃً نہ دے سکتے تھے کہ اقتدار کی کنجیاں اُن کے ہاتھ میں رہیں اور وہ انسانی زندگی کے معاملات کو جاہلیت کے قوانین پر چلائیں۔ اسی وجہ سے تمام انبیاء نے سیاسی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی۔ بعض کی مساعی صرف زمین تیار کرنے کی حد تک رہیں، جیسے حضرت ابراھیمؑ۔ بعض نے انقلابی تحریک عملاً شروع کر دی مگر حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے سے پہلے ہی اُن کا کام ختم ہوگیا، جیسے حضرت مسیحؑ۔ اور بعض نے اس تحریک کو کامیابی کی منزل تک پہنچا دیا جیسے حضرت موسیٰ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔ فی الجملہ تمام انبیاء کے کام پر مجموعی حیثیت سے جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو اس کام کی نوعیت یہ پائی جاتی ہے:-

(۱) عام انسانوں کے اندر فکری و ذہنی انقلاب برپا کرنا۔ خالص اسلامی

نقطۂ نظر و طرزِ فکر اور رویّہ اخلاقی کو ان کے اندر اس حد تک پیوست کر دینا کہ ان کے سوچنے کا طریقہ، زندگی کا مقصد، قدر و قیمت کا معیار اور عمل کا ڈھنگ بالکل اسلام کے سانچے میں ڈھل جائے۔

(۲) جو لوگ اس تعلیم و تربیت کا اثر قبول کر لیں اُن کا ایک مضبوط جتھا بنا کر جاہلیت کے ہاتھوں سے اقتدار چھیننے کی جد و جہد کرنا اور اس جدّ و جہد میں تمام ان اسباب سے کام لینا جو وقت کے تمدن میں موجود ہوں۔

(۳) اسلامی نظامِ حکومت قائم کر کے تمدن کے تمام شعبوں کو خالص اسلامی اساس پر مرتب کر دینا اور ایسی تدابیر اختیار کرنا کہ ایک طرف اسلامی انقلاب کا دائرہ روئے زمین پر وسیع ہوتا جائے اور دوسری طرف تبلیغ اور تناسل کے ذریعہ سے جماعت اسلامی میں جتنی نئی بھرتی ہو اس کی ذہنی و اخلاقی تربیت پورے اسلامی طرز پر ہوتی رہے۔

خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا کام ۲۳ سال کی مدت میں تکمیل کو پہنچا دیا۔ آپ کے بعد ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما، دو ایسے کامل لیڈر اسلام کو میسر آئے جنہوں نے اسی جامعیت کے ساتھ آپ کے کام کو جاری رکھا۔ پھر زمامِ قیادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہوئی اور ابتداءً چند سال تک وہ پورا نقشہ بدستور جاری رہا جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قائم کیا تھا۔

جاہلیت کا حملہ | مگر ایک طرف حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز زیادہ سخت ہوتا جا رہا تھا اور دوسری طرف حضرت عثمانؓ، جن پر اس کارِ عظیم کا بار رکھا گیا تھا، اُن تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر

پیش رووں کو عطا ہوئی تھیں، اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنا سر دے کر اس خطرے کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رُکا۔ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور انہوں نے اسلام کے سیاسی اقتدار کو جاہلیت کے تسلط سے بچانے کی انتہائی کوشش کی مگر اُن کی جان کی قربانی بھی اس انقلابِ معکوس (Counter Revolution) کو نہ روک سکی۔ آخر کار خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور ختم ہوگیا ملک عضوض (Tyrant Kingdom) نے اس کی جگہ لے لی، اور اس طرح حکومت کی اساس اسلام کے بجائے پھر جاہلیت پر قائم ہو گئی۔

حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد جاہلیت نے مرض سرطان کی طرح اجتماعی زندگی میں اپنے ریشے بتدریج پھیلانے شروع کر دئے، کیونکہ اقتدار کی کنجی اب اسلام کے بجائے اُس کے ہاتھ میں تھی اور اسلام زورِ حکومت سے محروم ہونے کے بعد اس کے نفوذ و اثر کو بڑھنے سے نہ روک سکتا تھا، سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ جاہلیت بے نقاب ہو کر سامنے نہ آئی تھی بلکہ "مسلمان" بن کر آئی تھی۔ کھلے دہرئے یا مشرکین و کفار سامنے ہوتے تو شائد مقابلہ آسان ہوتا۔ مگر وہاں تو آگے آگے توحید کا اقرار، رسالت کا اقرار، صوم وصلوٰۃ پر عمل، قرآن و حدیث سے استشہاد تھا اور اس کے پیچھے جاہلیت اپنا کام کر رہی تھی۔ ایک ہی وجود میں اسلام اور جاہلیت کا اجتماع ایسی سخت پیچیدگی پیدا کر دیتا ہے کہ اُس سے عہدہ برآ ہونا ہمیشہ جاہلیتِ صریحہ کے مقابلہ کی بہ نسبت ہزاروں گنا زیادہ مشکل ثابت ہوا ہے، عریاں جاہلیت سے لڑئے تو لاکھوں مجاہدین سر ہتھیلیوں پر

Marfat.com

لئے آپ کے ساتھ ہو جائیں گے اور کوئی مسلمان علانیہ اُس کی حمایت نہ کرسکے گا۔ مگر
اِس مرکب جاہلیت سے لڑنے جائیے تو منافقین ہی نہیں، بہت سے اصلی مسلمان بھی
اُس کی حمایت پر کمربستہ ہو جائیں گے اور الٹا آپ کو مورد الزام بنا ڈالینگے جاہلی
امارت کی مسند اور جاہلی سیاست کی رہنمائی پر "مسلمان" کا جلوہ افروز ہونا۔
جاہلی تعلیم کے مدرسے میں "مسلمان" کا معلم ہونا، جاہلیت کے سجادہ پر "مسلمان"
کا مرشد بن کر بیٹھنا وہ زبردست دھوکا ہے جس کے فریب میں آنے سے کم ہی
لوگ بچ سکتے ہیں۔

اس معکوس انقلاب کا سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہی تھا کہ اسلام
کا نقاب اوڑھ کر تینوں قسم کی جاہلیتوں نے اپنی جڑیں پھیلانی شروع کر دیں اور
ان کے اثرات روز بروز زیادہ پھیلتے چلے گئے:۔

جاہلیتِ خالصہ نے حکومت اور دولت پر تسلط جمایا۔ نام خلافت کا تھا،
اور اصل میں وہی بادشاہی تھی جس کو مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا۔ بادشاہوں
کو الٰہ کہنے کی ہمت کسی میں باقی نہ تھی اس لئے السلطان ظل اللہ کا بہانہ اختیار کیا
گیا اور اس بہانے سے وہی مطاع مطلق کی حیثیت بادشاہوں نے اختیار کی
جو الٰہ کی ہوتی ہے۔ اس شاہی کی سرپرستی میں امراء، حکام، ولاۃ، اہل لشکر اور
مترفین کی زندگیوں میں کم وبیش خالص جاہلیت کا نقطۂ نظر پھیل گیا اور اس نے
ان کے اخلاق اور معاشرت کو پوری طرح ماؤف کر دیا۔ پھر یہ بالکل ایک طبیعی
امر تھا کہ اس کے ساتھ ہی جاہلیت کا فلسفہ، ادب اور ہنر بھی پھیلنا شروع ہوا اور
علوم وفنون بھی اُسی طرز پر مرتب و مدون ہوں، کیونکہ یہ سب چیزیں دولت اور

Marfat.com

حکومت کی سرپرستی چاہتی ہیں، اور جہاں دولت اور حکومت جاہلیت کے قبضہ میں ہوں وہاں ان پر بھی جاہلیت کا تسلط ناگزیر ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ یونان اور عجم کے فلسفے اور علوم وآداب نے اُس سوسائٹی میں راہ پائی جو اسلام کیطرف منسوب تھی، اور اس کی دراندازی سے "کلامیات" کی بحثیں شروع ہوئیں، اعتزال کا مسلک نکلا، زندقہ اور الحاد پر پُرزے نکالنے لگا اور "عقائد" کی موشگافیوں نے نئے نئے فرقے پیدا کر دئے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ رقص، موسیقی اور تصویرکشی جیسے خالص جاہلی آرٹ بھی از سرِ نو اُن قوموں میں بار پانے لگے جن کو اسلام نے ان فتنوں سے بچا لیا تھا۔[1]

جاہلیتِ مشرکانہ نے عوام پر حملہ کیا اور توحید کے راستہ سے ہٹا کر ان کو ضلالت کی بے شمار راہوں میں بھٹکا دیا۔ ایک صریح بت پرستی تو نہ ہو سکی، باقی کوئی قسم شرک کی ایسی نہ رہی جس نے "مسلمانوں" میں رواج نہ پایا ہو۔ پرانی جاہل قوموں کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اپنے ساتھ بہت سے مشرکانہ تصورات لئے چلے آئے اور یہاں ان کو صرف اتنی تکلیف کرنی پڑی کہ پرانے معبودوں کی جگہ بزرگانِ اسلام میں سے کچھ معبود تلاش کریں، پرانے معبدوں کی جگہ مقابرِ اولیاء سے کام لیں، اور پرانی عبادات کی رسموں کو بدل کر نئی رسمیں ایجاد کریں۔ اس کام میں دنیاپرست علماء نے ان کی بڑی مدد کی اور وہ بہت سی مشکلات اُن کے راستہ سے دور کر دیں جو شرک کو اسلام کے اندر

---

[1] مولانا شبلی اور جسٹس امیر علی جیسے لوگوں نے اِن بادشاہوں کے اِن کارناموں کو اسلامی تہذیب وتمدن کی خدمات میں شمار کیا ہے!

Marfat.com

نصب کرنے میں پیش آسکتی تھیں۔ انہوں نے بڑی دیدہ ریزی سے آیات اور احادیث کو توڑ مروڑ کر اسلام میں اولیاء پرستی اور قبر پرستی کی جگہ نکالی، مشرکانہ اعمال کے لئے اسلام کی اصطلاحی زبان میں سے الفاظ بہم پہنچائے اور اس نئی شریعت کے لئے رسموں کی ایسی صورتیں تجویز کیں کہ شرکِ جلی کی تعریف میں نہ آسکیں۔ اس نئی امداد کے بغیر اسلام کے دائرے میں شرک بے چارہ کہاں بار پا سکتا تھا؟

جاہلیت راہبانہ نے علماء، مشائخ، زہّاد اور پاکباز لوگوں پر حملہ کیا اور ان میں وہ خرابیاں پھیلانی شروع کیں جن کی طرف میں اس سے پہلے اشارہ کر آیا ہوں۔ اس جاہلیت کے اثر سے اشراقی فلسفہ، راہبانہ اخلاقیات اور زندگی کے ہر پہلو میں مایوسانہ نقطۂ نظر مسلم سوسائٹی میں پھیلا اور اس نے نہ صرف یہ کہ ادبیات اور علوم کو متاثر کیا، بلکہ فی الواقع سوسائٹی کے اچھے عناصر کو مارفیا کا انجکشن دے کر سست کر دیا، بادشاہی کے جاہلی نظام کو مضبوط کیا، اسلامی علوم و فنون میں جمود اور تنگ خیالی پیدا کی اور ساری دینداری کو چند خاص مذہبی اعمال میں محدود کر کے رکھ دیا۔

انہی تینوں قسم کی جاہلیتوں کے ہجوم سے اسلام کو نکالنا اور پھر سے چمکا دینا وہ کام تھا جس کے لئے دین کو مجددین کی ضرورت پیش آئی۔ اگرچہ یہ گمان کرنا صحیح نہ ہوگا کہ اس طغیانِ جاہلیت میں اسلام بالکل ختم ہو گیا تھا اور جاہلیت کلیتہً غالب آگئی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ جو قومیں اسلام سے متاثر ہو چکی تھیں یا بعد میں متاثر ہوئیں۔ ان کی زندگیوں میں اسلام کا اصلاحی اثر تھوڑا یا بہت ضرور موجود رہا۔ جبار اور غیر ذمہ دار بادشاہوں تک میں اسلام کے اثر سے کہیں نہ کہیں خوف خدا

Marfat.com

کی جھلک نظر آ ہی جاتی تھی۔ جن شاہی خاندانوں میں خدائی کا زنگ جما ہوا تھا اُن کی آغوش میں دیندار، عادل اور متقی انسان بھی پیدا ہو جاتے تھے اور وہ شاہی اختیارات رکھنے کے باوجود حتی الامکان ذمہ دارانہ حکومت کرتے تھے، اسی طرح امارت و ریاست کے ایوانوں میں، فلسفہ و حکمت کے مدرسوں میں، تجارت وصنعت کی کارگاہوں میں، ترک و تجرید کی خانقاہوں میں، اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی اسلام اپنے بالواسطہ اثرات کم و بیش برابر پہنچاتا رہا، اور عوام کے اندر بھی مشرکانہ جاہلیت کی دراندازی کے باوجود اس نے اعتقاد، اخلاق اور معاشرت میں اصلاحی اور انسدادی دونوں حیثیتوں سے اپنا نفوذ جاری رکھا جس کی وجہ سے مسلمان قوموں کا معیارِ اخلاق بہرحال غیر مسلم قوموں سے ہمیشہ بلند تر رہا۔ علاوہ بریں ہر زمانے میں ایسے لوگ بھی برابر موجود رہے جو اسلام کی پیروی پر ثابت قدم تھے اور اسلامی علم و عمل کو اپنی زندگی میں اور اپنے محدود حلقۂ اثر میں زندہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن جو مقصد اصلی انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا تھا اس کے لئے یہ دونوں چیزیں ناکافی تھیں۔ نہ یہ بات کافی تھی کہ اقتدار جاہلیت کے ہاتھ میں ہو اور اسلام محض ایک ثانوی قوت کی حیثیت سے کام کرے، اور نہ یہ بات کافی تھی کہ چند افراد یہاں اور چند وہاں محدود انفرادی زندگیوں میں اسلام کے حامل بنے رہیں اور وسیع تر اجتماعی زندگی میں اسلام و جاہلیت کے مختلف النوع مرکبات پھیلے رہیں۔ لہٰذا دین کو ہر دور میں ایسی طاقتور شخصیتوں کی ضرورت تھی اور ہے جو زمانہ کی بگڑی ہوئی رفتار کو بدل کر پھر سے اسلام کی طرف پھیر دیں۔ خواہ کلاً یا جزءً۔ انہی شخصیتوں کا نام مجدّد ہے۔

کارِ تجدید کی نوعیت

اب قبل اس کے کہ ہم مجدّدینِ امت کے کارناموں کا جائزہ لیں ہمیں خود اس کارِ تجدید کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔

عموماً لوگ تجدّد اور تجدید میں فرق نہیں کرتے اور سادہ لوحی سے ہر متجدّد کو مجدّد کہنے لگتے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو کوئی نیا طریقہ نکالے اور اس کو ذرا زور سے چلا دے وہ مجدّد ہوتا ہے۔ خصوصاً جو لوگ کسی مسلمان قوم کو برسرِ انحطاط دیکھ کر اس کو دنیوی حیثیت سے سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے زمانہ کی برسرِ عروج جاہلیت سے مصالحت کرکے اسلام و جاہلیت کا ایک نیا مخلوطہ تیار کر دیتے ہیں، یا فقط نام باقی رکھ کر اُس قوم کو پورے جاہلیت کے رنگ میں رنگ دیتے ہیں، اُن کو مجدّد کے خطاب سے نواز دیا جاتا ہے، حالانکہ وہ مجدّد نہیں متجدّد ہوتے ہیں، اور اُن کا کام تجدید نہیں تجدّد ہوتا ہے۔ تجدید کا کام اس سے بالکل مختلف ہے۔ جاہلیت سے مصالحت کی صورتیں نکالنے کا نام تجدید نہیں ہے، اور نہ اسلام و جاہلیت کا کوئی نیا مرکب بنانا تجدید ہے، بلکہ دراصل تجدید کا کام یہ ہے کہ اسلام کو جاہلیت کے تمام اجزا سے چھانٹ کر الگ کیا جائے، اور کسی نہ کسی حد تک اس کو اپنی خالص صورت میں پھر سے فروغ دینے کی کوشش کی جائے۔ اس لحاظ سے مجدّد، جاہلیت کے مقابلہ میں سخت غیر مصالحت پسند آدمی ہوتا ہے، اور کسی خفیف سے خفیف جزء میں بھی جاہلیت کی موجودگی کا روادار نہیں ہوتا۔

Marfat.com

مجدّد نبی نہیں ہوتا مگر اپنے مزاجِ نبوت سے بہت قریب ہو
ہے۔ نہایت صاف دماغ، حقیقت رس نظر، ہر قسم کی کجی سے پاک بالکل سید
ذھن، افراط و تفریط سے بچ کر توسط واعتدال کی سیدھی راہ دیکھنے اور اپ
توازن قائم رکھنے کی خاص قابلیت، اپنے ماحول اور صدیوں کے جمے اور
ہوئے تعصبات سے آزاد ہو کر سوچنے کی قوت، زمانہ کی بگڑی ہوئی رفتار سے
لڑنے کی طاقت وجرأت، قیادت و رہنمائی کی پیدائشی صلاحیت، اجتہاد اور
تعمیرِ نو کی غیر معمولی اہلیت، اور ان سب باتوں کے ساتھ اسلام میں مکمل شرح
نقطۂ نظر اور فہم و شعور میں پورا مسلمان ہونا، باریک سے باریک جزئیات تک میں
اسلام اور جاہلیت کے درمیان تمیز کرنا، اور مدتہائے دراز کی الجھنوں میں
امرِ حق کو ڈھونڈ کر الگ نکال لینا، یہ وہ خصوصیات ہیں جن کے بغیر کوئی شخص مجدّد
نہیں ہو سکتا، اور یہی وہ چیزیں ہیں جو اُس سے بہت زیادہ بڑے پیمانے پر نبی
میں ہوتی ہیں۔

لیکن وہ بنیادی چیز جو مجدّد کو نبی سے جدا کرتی ہے، یہ ہے کہ نبی اپنے
منصب پر امرِ تشریعی سے مامور ہوتا ہے، اس کو اپنی ماموریت کا علم ہوتا ہے
اس کے پاس وحی آتی ہے، وہ اپنی نبوت کے دعوے سے اپنے کام کا آغاز کرتا
ہے، اسے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دینی پڑتی ہے، اور اس کے دعوے ہی
قبول کرنے یا نہ کرنے پر کفر و ایمان کا مدار ہوتا ہے۔ برعکس اس کے مجدّد کو ایسی
سے کوئی حیثیت بھی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ اگر مامور بھی ہوتا ہے تو امرِ تکوینی سے
کہ امرِ تشریعی سے۔ بسا اوقات اس کو خود اپنے مجدّد ہونے کی خبر نہیں ہوتی بلکہ

Marfat.com

ـرنے کے بعد اس کی زندگی کے کارنامے سے لوگوں کو اس کے مجدّد ہونے کا علم ہوتا ہے۔ اُس پر الہام ہونا ضروری نہیں اور اگر ہوتا ہو تو لازم نہیں کہ اسے الہام کا شعور ہو۔ وہ کسی دعوے سے اپنے کام کا آغاز نہیں کرتا، نہ ایسا کرنے کا ق رکھتا ہے، کیونکہ اس پر ایمان لانے یا نہ لانے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس کے زمانے کے تمام اہلِ خیر وصلاح رفتہ رفتہ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور صرف وہی لوگ اس سے الگ رہتے ہیں جن کی طبیعت میں کوئی ٹیڑھ ہوتی ہے مگر بہرحال اس کو ماننا مسلمان ہونے کے لئے شرط نہیں ہوتا۔ ان تمام فروق کے ساتھ مجدّد کو فی الجملہ اُسی نوعیت کا کام کرنا ہوتا ہے جو نبی کے کام کی نوعیت ہے۔

اس کارِ تجدید کے مختلف شعبے حسب ذیل ہیں :-

(۱) اپنے ماحول کی صحیح تشخیص، یعنی حالات کا پورا جائزہ لیکر یہ سمجھنا کہ جاہلیت کہاں کہاں کس حد تک سرایت کر گئی ہے، کن کن راستوں سے آئی ہے، اسکی جڑیں کہاں کہاں اور کتنی پھیلی ہوئی ہیں، اور اسلام اس وقت ٹھیک کس حالت میں ہے۔

(۲) اصلاح کی تجویز، یعنی یہ تعین کرنا کہ اس وقت کہاں ضرب لگائی جائے کہ جاہلیت کی گرفت ٹوٹے اور اسلام کو پھر اجتماعی زندگی پر گرفت کا موقع ملے۔

(۳) خود اپنے حدود کا تعین، یعنی اپنے آپ کو تول کر صحیح اندازہ لگانا کہ میں کتنی قوت رکھتا ہوں اور کس راستہ سے اصلاح کرنے پر قادر ہوں۔

(۴) ذہنی انقلاب کی کوشش، یعنی لوگوں کے خیالات کو بدلنا، عقائد

Marfat.com

افکار اور اخلاقی نقطۂ نظر کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا۔ نظامِ تعلیم و تربیت کی اصلاح اور علوم اسلامی کا احیاء کرنا اور فی الجملہ اسلامی ذہنیت کو از سرِ نو زندہ کر دینا۔

(۵) عملی اصلاح کی کوشش، یعنی جاہلی رسوم کو مٹانا، اخلاق کا تزکیہ کرنا، اتباعِ شریعت کے جوش سے پھر لوگوں کو سرشار کر دینا، اور ایسے افراد تیار کرنا جو اسلامی طرز کے لیڈر بن سکیں۔

(۶) اجتہاد فی الدین، یعنی دین کے اصولِ کلیہ کو سمجھنا، اپنے وقت کے تمدنی حالات اور ارتقائے تمدن کی سمت کا اسلامی نقطۂ نظر سے صحیح اندازہ لگانا، اور یہ تعین کرنا کہ اصولِ شرع کے تحت تمدن کے پرانے متوارث نقشے میں کس طرح رد و بدل کیا جائے جس سے شریعت کی روح برقرار رہے، اس کے مقاصد پورے ہوں، اور تمدن کے صحیح ارتقاء میں اسلام دنیا کی امامت کر سکے۔

(۷) دفاعی جدوجہد، یعنی اسلام کو مٹانے اور دبانے والی سیاسی طاقت کا مقابلہ کرنا اور اس کے زور کو توڑ کر اسلام کے لئے ابھرنے کا راستہ پیدا کرنا۔

(۸) احیاء نظامِ اسلامی، یعنی جاہلیت کے ہاتھ سے اقتدار کی کنجیاں چھین لینا اور از سرِ نو حکومت کو عملاً اس نظام پر قائم کر دینا جسے صاحبِ شریعت علیہ السلام نے "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

(۹) عالمگیر انقلاب کی کوشش، یعنی صرف ایک ملک یا ان ممالک میں جہاں مسلمان پہلے سے موجود ہوں، اسلامی نظام کے قیام پر اکتفا نہ کرنا، بلکہ ایک ایسی طاقتور عالمگیر تحریک برپا کرنا جس سے اسلام کی اصلاحی و انقلابی دعوت

[ا]نسانوں میں پھیل جائے، وہی تمام دنیا کی غالب تہذیب بنے، ساری دنیا کے [نظ]ام تمدن میں اسلامی طرز کا انقلاب برپا ہو، اور عالم انسانی کی اخلاقی، فکری [او]رسیاسی امامت وریاست اسلام کے ہاتھ میں آئے۔

ان شعبوں پر غائر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی تین مدّات [ا]یسی ہیں جو ہر اس شخص کے لئے ناگزیر ہیں جو تجدید کی خدمت انجام دے، لیکن [با]قی ۶ مدیں ایسی ہیں جن کا جامع ہونا مجدّد ہونے کے لئے شرط نہیں ہے، بلکہ جس نے [ا]یک، دو، تین یا چار شعبوں میں کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیا ہو وہ بھی مجدّد قرار [د]یا جاسکتا ہے۔ البتہ اس قسم کا مجدّد، جزوی مجدّد ہوگا، کامل مجدّد نہ ہوگا کامل [مج]دّد صرف وہ شخص ہوسکتا ہے جو ان تمام شعبوں میں پورا کام انجام دے کر وراثت [ن]بوت کا حق ادا کرے۔

مجدد کامل کا مقام تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدّد کامل پیدا نہیں ہوا ہے۔ قریب تھا کہ عمر ابن عبدالعزیزؒ اس منصب پر فائز ہو جاتے مگر وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ ان کے بعد جتنے مجدّد پیدا ہوئے اُن میں سے ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں ہی میں کام کیا۔ مجدّد کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے مگر عقل چاہتی ہے، فطرت مطالبہ کرتی ہے، اور دنیا کے حالات کی رفتار متقاضی ہے کہ ایسا "لیڈر" پیدا ہو، خواہ اس دور میں پیدا ہو یا زمانے کی ہزار گردشوں کے بعد پیدا ہو۔ اسی لیڈر کا نام الامام المہدی ہے جس کے بارے میں صاف پیشنگوئیاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں موجود ہیں [1]۔

---

[1] اگرچہ یہ پیشنگوئیاں مسلم، ترمذی، ابنِ ماجہ، مستدرک وغیرہ کتابوں میں کثرت کیساتھ

موجود ہیں، اگر یہاں اُس روایت کا نقل کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا جو شاطبی نے مو
میں اور مولانا اسماعیل شہید نے منصبِ امامت میں نقل کی ہے:۔

ان اول دینکم نبوۃ ورحمۃ	تمہارے دین کی ابتدا نبوت اور رحمت سے ہ
وتکون فیکم ما شاء اللہ ان تکون ثم	وہ تمہارے درمیان رہے گی جب تک اللہ چاہے
یرفعها اللہ جل جلالہ۔	پھر اللہ جل جلالہٗ اس کو اٹھالیگا۔
ثم تکون خلافۃ علی منهاج النبوۃ	پھر نبوت کے طریقہ پر خلافت ہوگی جب تک ال
ما شاء اللہ ان تکون ثم یرفعها اللہ جل جلالہ	چاہے گا۔ پھر اللہ اسے بھی اٹھالیگا۔
ثم تکون ملکاً عاضاً فیکون ما شاء اللہ	پھر بداطوار بادشاہی ہوگی اور جو کچھ اللہ چاہے گا
ان یکون ثم یرفعه اللہ جل جلالہ	وہ ہوگا۔ پھر اللہ اسے بھی اٹھالیگا۔
ثم تکون ملکاً جبریۃ فتکون	پھر جبر کی فرمانروائی ہوگی اور وہ بھی جب تک
ما شاء اللہ ان تکون ثم یرفعها اللہ جل جلالہ	چاہیگا رہیگی۔ پھر اللہ اسے بھی اٹھالیگا۔
ثم تکون خلافۃ علی منهاج النبوۃ	پھر وہی خلافت بطریق نبوت ہوگی جو لوگوں
تعمل فی الناس بسنۃ النبی ویلقی	درمیان نبی کی سنت کے مطابق عمل کریگی اور ا
الاسلام بجرانه فی الارض یرضی عنها	زمین میں پاؤں جمالیگا۔
ساکن السماء وساکن الارض لا تدع	اس حکومت سے آسمان والے بھی راضی ہونگے
السماء من قطر الا صبته مدراراً	اور زمین والے بھی! آسمان دل کھول کر اپنی برکت
ولا تدع الارض من نباتها وبرکاتها	کی بارش کرے گا اور زمین اپنے پیٹ کے سا
شیئاً الا اخرجته	خزانے اگل دے گی۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ اسناد کے اعتبار سے اس روایت کا کیا مرتبہ ہے مگر معنیً یہ ان تما
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷ پر)

Marfat.com

آج کل لوگ نادانی کی وجہ سے اس نام کو سن کر ناک بھوں چڑھاتے ہیں انکو
کایت ہے کہ کسی آنے والے مردِ کامل کے انتظار نے جاہل مسلمانوں کے قوائے عمل کو
دکر دیا ہے، اس لئے ان کی رائے یہ ہے کہ جس حقیقت کا غلط مفہوم لیکر جاہل لوگ
عمل ہو جائیں وہ سرے سے حقیقت ہی نہ ہونی چاہئے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ تمام مذہبی
موں میں کسی "مردے از غیب" کی آمد کا عقیدہ پایا جاتا ہے، لہذا یہ محض ایک وہم ہے۔
لین میں نہیں سمجھتا کہ اگر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح پچھلے انبیاء نے بھی اپنی
موں کو یہ خوش خبری دی ہو کہ نوع انسان کی دنیوی زندگی ختم ہونے سے پہلے
یک دفعہ اسلام ساری دنیا کا دین بنے گا، اور انسان کے بنائے ہوئے سارے
ازموں" کی ناکامی کے بعد آخر کار تباہیوں کا مارا ہوا انسان اُس "ازم" کے دامن
ں پناہ لینے پر مجبور ہو گا جسے خدا نے بنایا ہے، اور یہ نعمت انسان کو ایک ایسے
نظیم الشان لیڈر کی بدولت نصیب ہو گی جو انبیاء کے طریقہ پر کام کر کے اسلام کو
س کی صحیح صورت میں پوری طرح نافذ کر دیگا۔

روایات سے مطابقت رکھتی ہے جو اسی معنی میں وارد ہوئی ہیں۔ اس میں تاریخ کے پانچ
مرحلوں کی طرف صاف اشارہ کیا گیا ہے جن میں سے تین گذر چکے ہیں اور چوتھا اب گذر رہا
ہے۔ آخر میں جس پانچویں مرحلہ کی پیشینگوئی کی گئی ہے، تمام قرائن بتا رہے ہیں کہ انسانی تاریخ
تیزی کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ انسانی ساخت کے سارے "ازم" آزمائے جاچکے
ہیں اور بری طرح ناکام ہوئے ہیں۔ آدمی کے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تھک ہار کر
اسلام کی طرف رجوع کرے۔

Marfat.com

توآخر اس میں وہم کی کونسی بات ہے؟ بہت ممکن ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے کلام سے نکل کر یہ چیز دنیا کی دوسری قوموں میں بھی پھیلی ہو اور جہالت نے اس کی روح نکال کر اوہام کے لبادے اس کے گرد لپیٹ دیے ہوں۔

مسلمانوں میں جو لوگ الامام المہدی کی آمد کے قائل ہیں وہ بھی ان متجددین سے جو اس کے قائل نہیں ہیں، اپنی غلط فہمیوں میں کچھ پیچھے نہیں رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ امام مہدی کوئی اگلے وقتوں کے مولویانہ وصوفیانہ وضع قطع کے آدمی ہوں گے تسبیح ہاتھ میں لئے یکایک کسی مدرسے یا خانقاہ کے حجرے سے برآمد ہونگے آتے ہی انا المہدی کا اعلان کریں گے، علماء اور مشائخ کتابیں لئے ہوئے پہنچ جائیں گے اور لکھی ہوئی علامتوں سے ان کے جسم کی ساخت وغیرہ کا مقابلہ کرکے انہیں شناخت کریں گے، پھر بیعت ہوگی اور اعلانِ جہاد کر دیا جائیگا، چلّے کھینچے ہوئے درویش اور سب پرانے طرز کے "بقیۃ السلف" ان کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے، تلوار تو محض شرط پوری کرنے کے لئے برائے نام چلانی پڑے گی، اصل میں سارا کام برکت اور روحانی تصرف سے چلیگا، پھونکوں اور وظیفوں کے زور سے میدان جیتے جائینگے جس کافر پر نظر مار دینگے تڑپ کر بے ہوش ہو جائیگا اور محض بد دعا کی تاثیر سے ٹینکوں اور ہوائی جہازوں میں کیڑے پڑ جائیں گے، عقیدۂ ظہور مہدی کے متعلق عام لوگوں کے تصورات کچھ اسی قسم کے ہیں۔ مگر میں جو کچھ سمجھا ہوں اس سے مجھ کو معاملہ بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ آنے والا اپنے زمانہ میں بالکل جدید ترین طرز کا لیڈر ہوگا، وقت کے تمام علوم جدیدہ پر اس کو مجتہدانہ بصیرت حاصل ہوگی زندگی کے سارے مسائل مہمہ کو وہ خوب سمجھتا ہوگا، عقلی وذہنی ریاست، سیاسی

Marfat.com

تبرا ور جنگی مہارت کے اعتبار سے وہ تمام دنیا پر اپنا سکہ جما دے گا، اور اپنے عہد کے تمام جدیدوں سے بڑھ کر جدید ثابت ہوگا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی "جدتوں" کے خلاف مولوی اور صوفی صاحبان ہی سب سے پہلے شورش برپا کرینگے۔ پھر مجھے یہ بھی امید نہیں کہ اپنی جسمانی ساخت میں وہ عام انسانوں سے کچھ بہت مختلف ہوگا کہ اس کی علامتوں سے اس کو تاڑ لیا جائیگا۔ نہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے مہدی ہونے کا اعلان کریگا، بلکہ شائد اسے خود بھی اپنے مہدی موعود ہونے کی خبر نہ ہوگی اور اس کی موت کے بعد اس کے کارناموں سے دنیا کو معلوم ہوگا کہ یہی تھا وہ خلافت کو منہاج النبوۃ پر قائم کرنے والا جس کی آمد کا مژدہ سنایا گیا تھا۔ جیسا کہ میں پہلے اشارہ کرچکا ہوں، نبی کے سوا کسی کا یہ منصب ہی نہیں ہے کہ دعوے سے کام کا آغاز کرے اور نہ نبی کے سوا کسی کو یقینی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس خدمت پر مامور ہوا ہے۔ مہدویت دعویٰ کرنے کی چیز نہیں، کرکے دکھا جانے کی چیز ہے۔ اس قسم کے دعوے جو لوگ کرتے ہیں اور جو ان پر ایمان لاتے ہیں، میرے نزدیک دونوں اپنے علم کی کمی اور اپنے ذہن کی پستی کا ثبوت دیتے ہیں۔

مہدی کے کام کی نوعیت کا جو تصور میرے ذہن میں ہے وہ بھی ان حضرات کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ مجھے اس کے کام میں کرامات و خوارق، کشوف والہامات، اور چلوں اور "مجاہدوں" کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایک "انقلابی لیڈر" کو دنیا میں جس طرح شدید جد و جہد اور کشمکش کے مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے انہی مرحلوں سے مہدی کو بھی گذرنا ہوگا۔ وہ خالص اسلام کی بنیادوں پر ایک نیا مذہب فکر School of Thought پیدا کریگا، ذہنیتوں کو بدلے گا۔

Marfat.com

ایک زبردست تحریک اٹھائیگا جو بیک وقت تہذیبی بھی ہوگی اور سیاسی بھی جاہلیت اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اس کو کچلنے کی کوشش کریگی، مگر بالآخر وہ جاہلی اقتدار کو الٹ کر پھینک دیگا اور ایک ایسا زبردست اسلامی اسٹیٹ قائم کریگا جس میں ایک طرف اسلام کی پوری روح کارفرما ہوگی، اور دوسری طرف سائنٹفک ترقی اوجِ کمال پر پہنچ جائیگی، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ "اس حکومت سے آسمان والے بھی راضی ہونگے اور زمین والے بھی، آسمان دل کھول کر اپنی برکتوں کی بارش کرے گا اور زمین اپنے پیٹ کے سارے خزانے اگل دیگی۔"

اگر یہ توقع صحیح ہے کہ ایک وقت میں اسلام تمام دنیا کے افکار، تمدن اور سیاست پر چھا جانے والا ہے تو ایسے ایک عظیم الشان لیڈر کی پیدائش بھی یقینی ہے جس کی ہمہ گیر دبرزور قیادت میں یہ انقلاب رونما ہوگا۔ جن لوگوں کو ایسے لیڈر کے ظہور کا خیال سن کر حیرت ہوتی ہے مجھے ان کی عقل پر حیرت ہوتی ہے۔ جب خدا کی اس خدائی میں لینن اور ہٹلر جیسے ائمۂ ضلالت کا ظہور ہو سکتا ہے تو آخر ایک امام ہدایت ہی کا ظہور کیوں مستبعد ہو؟

جزدی مجدّدین اور ان کا کام تاریخی ترتیب کو چھوڑ کر مستقبل کے مجدّد اعظم کا ذکر میں نے پہلے اس لئے کر دیا کہ لوگ پہلے مجدّد کامل کے مرتبہ و مقام سے واقف ہو جائیں تاکہ کمال مطلوب کے مقابلہ میں ان کے لئے جزدی تجدیدوں کے مرتبہ و مقام کا اندازہ کرنا آسان ہو جائے۔ اب میں ایک مختصر نقشہ اس تجدیدی کام کا پیش کرونگا جو اب تک انجام پا چکا ہے۔

Marfat.com

عمر ابنِ عبدالعزیز

اسلام کے سب سے پہلے مجدد عمر ابنِ عبدالعزیز[۵۱] ہیں۔ شاہی خاندان میں آنکھ کھولی۔ ہوش سنبھالا تو اپنے باپ کو مصر جیسے عظیم الشان صوبہ کا گورنر پایا۔ بڑے ہوئے تو خود اموی سلطنت کے ماتحت گورنری پر مامور ہوئے۔ شاہان بنی امیہ نے جن جاگیروں سے اپنے خاندان کو مالا مال کیا تھا اُن میں اِن کا اور ان کے گھرانے کا بھی بہت بڑا حصہ تھا۔ حتیٰ کہ خاص ان کی ذاتی جائداد کی آمدنی پچاس ہزار اشرفی سالانہ تک پہنچتی تھی۔ رئیسوں کی طرح پوری شان سے رہتے تھے۔ لباس، خوراک، سواری، مکان، عادات و خصائل سب وہی تھے جو شاہی حکومت میں شاہزادوں کے ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کا ماحول اُس کام سے دور کی مناسبت بھی نہ رکھتا تھا جو بعد میں انہوں نے انجام دیا۔ لیکن ان کی ماں حضرت عمرؓ کی پوتی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو پچاس ہی برس ہوئے تھے جب وہ پیدا ہوئے۔ انکے زمانہ میں صحابہ اور تابعین بکثرت موجود تھے۔ ابتدا میں انہوں نے حدیث اور فقہ کی پوری تعلیم پائی تھی یہاں تک کہ محدثین کی صفِ اول میں شمار ہوتے تھے اور فقہ میں اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔ پس علمی حیثیت سے تو اُن کے لئے یہ جاننے اور سمجھنے میں کوئی دقت نہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین مہدیین کے عہد میں تمدن کی اساس کن چیزوں پر تھی اور جب خلافت بادشاہی سے بدلی تو ان بنیادوں میں کس نوعیت کا تغیر واقع ہوا۔ البتہ جو چیز عملی حیثیت سے اُن کے راستے میں رکاوٹ ہو سکتی تھی وہ یہ تھی کہ اس جاہلی انقلاب کا بانی خود ان کا اپنا خاندان تھا، اُس کے

---

[۵۱] سنہ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے، سنہ ۱۰۱ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

تمام فائدے اور بے حد حساب فائدے اُن کے بھائی بندوں اور خود اُن کی ذات اور اُن کے بال بچوں کو پہنچتے تھے، اور اُن کی خاندانی عصبیت، ذاتی طمع اور اپنی آئندہ نسل کی دنیوی خیر خواہی کا پورا تقاضا یہ تھا کہ وہ بھی تختِ شاہی پر فرعون بن بیٹھیں، اپنے علم اور ضمیر کو ٹھوس مادی فائدوں کے مقابلہ میں قربان کریں اور حق، انصاف، اخلاق اور اصول کے چکر میں نہ پڑیں۔ مگر جب ۳۷ سال کی عمر میں بالکل اتفاقی طور پر تختِ شاہی ان کے حصّہ میں آیا اور انہوں نے محسوس کیا کہ کس قدر عظیم الشان ذمہ داری ان پر آپڑی ہے تو دفعتہً ان کی زندگی کا رنگ بدل گیا انہوں نے اس طرح کسی ادنیٰ تامل کے بغیر جاہلیت کے مقابلہ میں اسلام کے راستے کو اپنے لئے منتخب کیا کہ گویا یہ ان کا پہلے سے سوچا سمجھا ہوا فیصلہ تھا۔

تختِ شاہی انہیں خاندانی طریق پر ملا تھا مگر بیعت لیتے وقت مجمع عام میں صاف کہہ دیا کہ میں اپنی بیعت سے تمہیں آزاد کرتا ہوں، تم لوگ جس کو چاہو خلیفہ منتخب کر لو۔ اور جب لوگوں نے برضا و رغبت کہا کہ ہم آپ ہی کو منتخب کرتے ہیں، تب انہوں نے خلافت کی عنان اپنے ہاتھ میں لی۔

پھر شاہانہ کرّوفر، فرعونی انداز، قیصر و کسریٰ کے درباری طریقے، سب رخصت کئے اور پہلے ہی روز لوازمِ شاہی کو ترک کر کے وہ طرز اختیار کیا جو مسلمانوں کے درمیان اُن کے خلیفہ کا ہونا چاہیئے۔

اس کے بعد ان امتیازات کی طرف توجہ کی جو شاہی خاندان کے لوگوں کو حاصل تھے اور ان کو تمام حیثیتوں سے عام مسلمانوں کے برابر کر دیا۔ وہ تمام جاگیریں جو شاہی خاندان کے قبضہ میں تھیں، اپنی جاگیر سمیت بیت المال کو واپس کیں۔

Marfat.com

جن جن کی زمینوں اور جائدادوں پر ناجائز قبضہ کیا گیا تھا وہ سب ان کو واپس دیں۔ ان کی اپنی ذات کو اس تغیر سے جو نقصان پہنچا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ پچاس ہزار کی جگہ صرف دو سو اشرفی سالانہ کی آمدنی رہ گئی۔ بیت المال کے روپے کو اپنی ذات پر اور اپنے خاندان والوں پر حرام کر دیا حتیٰ کہ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے تنخواہ تک نہ لی۔ اپنی زندگی کا سارا نقشہ بدل دیا۔ یا تو خلیفہ ہونے سے پہلے شاہانہ شان کے ساتھ رہتے تھے، یا خلیفہ ہوتے ہی فقیر بن گئے۔

گھر اور خاندان کی اس اصلاح کے بعد نظام حکومت کی طرف توجہ کی۔ ظالم گورنروں کو الگ کیا اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر صالح آدمی تلاش کئے کہ گورنری کی خدمت انجام دیں۔ عاملین حکومت، جو قانون اور ضابطہ سے آزاد ہو کر رعایا کی جان، مال، آبرو پر غیر محدود اختیارات کے مالک ہو گئے تھے، ان کو پھر ضابطہ کا پابند بنایا اور قانون کی حکومت قائم کی ٹیکس عائد کرنے کی پوری پالیسی بدل دی اور وہ تمام ناجائز ٹیکس جو شاہانِ بنی امیہ نے عائد کر دئے تھے، جن میں بیگاری تک کا محصول شامل تھا، یک قلم موقوف کئے۔ زکوٰۃ کی تحصیل کا انتظام از سرِ نو درست کیا اور بیت المال کی دولت کو پھر سے عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر دیا۔ غیر مسلم رعایا کے ساتھ جو ناانصافیاں کی گئی تھیں اُن سب کی تلافی کی، ان کے معابد جن پر ناجائز قبضہ کیا گیا تھا انہیں واپس دلائے، ان کی زمینیں جو غصب کر لی گئی تھیں پھر واگذاشت کیں اور ان کے تمام وہ حقوق بحال کئے جو شریعت کی رو سے انہیں حاصل ہیں۔ عدالت کو انتظامی حکومت کے دخل سے آزاد کیا اور حکم بین الناس کے ضابطہ اور اسپرٹ دونوں کو شاہی نظام کے

Marfat.com

اثرات سے پاک کرکے اسلامی اصول پر قائم کر دیا۔ اس طرح حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے ہاتھوں سے اسلامی نظام حکومت دوبارہ زندہ ہوا۔

پھر انہوں نے سیاسی اقتدار سے کام لے کر لوگوں کی ذہنی، اخلاقی اور معاشرتی زندگی سے جاہلیت کے اُن اثرات کو نکالنا شروع کیا جو نصف صدی کی جاہلی حکومت کے سبب سے اجتماعی زندگی میں پھیل گئے تھے۔ فاسد عقیدوں کی اشاعت کو روکا۔ عوام کی تعلیم کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا۔ قرآن، حدیث اور فقہ کے علوم کی طرف اہل دماغ طبقوں کی توجہات کو دوبارہ منعطف کیا اور ایک ایسی علمی تحریک پیدا کر دی جس کے اثر سے اسلام کو ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد ابن حنبل جیسے مجتہدین میسر آئے۔ اتباع شریعت کی روح کو تازہ کیا۔ شراب نوشی، تصویر کشی اور عیش و تنعم کی بیماریاں جو شاہی نظام کی بدولت پیدا ہو چکی تھیں، ان کا انسداد کیا، اور فی الجملہ وہ مقصد پورا کیا جس کے لئے اسلام اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے، یعنی اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔

بہت ہی قلیل مدت میں اس انقلاب حکومت کے اثرات عوام کی زندگی پر اور بین الاقوامی حالات پر مترتب ہونے شروع ہو گئے۔ ایک راوی کہتا ہے کہ ولید کے زمانے میں لوگ جب آپس میں بیٹھتے تو عمارات اور باغوں کے متعلق گفتگو کرتے۔ سلیمان بن عبدالملک کا زمانہ آیا تو عوام کا مذاق صنفی معاملات کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مگر جب عمر ابنِ عبدالعزیز حکمراں ہوئے تو حالت یہ تھی کہ جہاں چار آدمی جمع ہوئے نماز اور روزہ اور قرآن کا ذکر چھڑ جاتا تھا۔ غیر مسلم رعایا پر اس حکومت کا اتنا زبردست

اثر ہوا کہ ہزار در ہزار آدمی اس مختصر سی مدت میں مسلمان ہوگئے اور جزیہ کی آمدنی دفعتہً اتنی گھٹ گئی کہ سلطنت کے الیات اس سے متاثر ہوگئے۔ مملکت اسلامی کے اطراف میں جو غیر مسلم ریاستیں موجود تھیں، حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے ان کو اسلام کی طرف دعوت دی اور ان میں سے متعدد ریاستوں نے اس دین کو قبول کر لیا۔ اسلامی حکومت کی سب سے بڑی حریف سلطنت اس وقت روم کی سلطنت تھی جس کے ساتھ ایک صدی سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا اور اس وقت بھی سیاسی کشمکش چل رہی تھی۔ مگر عمر ابنِ عبدالعزیزؒ کا جو اخلاقی اثر روم پر قائم ہوا اس کا اندازہ اُن الفاظ سے کیا جا سکتا ہے جو ان کے انتقال کی خبر سُن کر خود قیصرِ روم نے کہے تھے۔ اس نے کہا کہ:۔

> "اگر کوئی راہب دنیا کو چھوڑ کر اپنے دروازے بند کرلے اور عبادت میں مشغول ہو جائے تو مجھے اس پر کوئی حیرت نہیں ہوتی۔ مگر مجھے حیرت ہے تو اس شخص پر جس کے قدموں کے نیچے دنیا تھی اور پھر اُسے ٹھکرا کر اس نے فقیرانہ زندگی بسر کی۔"

اسلام کے اس مجدّدِ اول کو صرف ڈھائی سال کام کرنے کا موقع ملا اور اس مختصر سی مدت میں اس نے یہ انقلابِ عظیم برپا کرکے دکھا دیا۔ بنی امیہ کا پورا خاندان اس بندۂ خدا کا دشمن ہوگیا تھا۔ اسلام کی زندگی میں اُن لوگوں کی موت تھی، وہ اس تجدید کے کام کو کس طرح برداشت کرسکتے تھے۔ آخرکار انہوں نے سازش کرکے زہر دیدیا اور صرف ۳۹ سال کی عمر میں یہ خادم دین و ملت دنیا سے رخصت ہوگیا۔ جس کارِ تجدید کو اس نے شروع کیا تھا، اس کی تکمیل میں اب

Marfat.com

صرف اتنی کسر باقی تھی کہ خاندانی حکومت کو ختم کر کے انتخابی خلافت کا سلسلہ پھر قائم کر دیا جاتا۔ یہ اصلاح اس کے پیشِ نظر تھی، اور اپنے عندیہ کا اس نے اظہار بھی کر دیا تھا، مگر اُموی اقتدار کی جڑوں کو اجتماعی زندگی سے اکھاڑنا اور عام مسلمانوں کی اخلاقی و ذہنی حالت کو خلافت کا بار سنبھالنے کے لئے تیار کرنا اتنا آسان کام نہ تھا کہ ڈھائی برس کے اندر انجام پا سکتا۔

ائمۂ اربعہ

عمر ثانی کی وفات کے بعد اگرچہ سیاسی اقتدار کی کنجیاں پھر اسلام سے جاہلیت کی طرف منتقل ہو گئیں، اور سیاسی پہلو میں اس پورے کام پر پانی پھر گیا جو انہوں نے انجام دیا تھا، مگر اسلامی ذہنیت میں جو بیداری انہوں نے پیدا کر دی تھی اور جس علمی حرکت کو وہ اُکسا گئے تھے اُسے کوئی طاقت بار آور ہونے سے نہ روک سکی۔ بنی امیہ اور بنی عباس کے کوڑے اور اشرفیوں کے توڑے دونوں ہی اس کے راستے میں حائل ہوئے، مگر کسی کی بھی اس کے آگے پیش نہ چلی۔ اس تحریک کے اثر سے قرآن و حدیث کے علوم میں تحقیق، اجتہاد اور تدوین کا بہت بڑا کام ہوا، اصولِ دین سے اسلام کے قوانین کی تفصیلی شکل مرتب کی گئی اور ایک وسیع نظام تمدن کو اسلامی طرز پر چلانے کے لئے جس قدر ضوابط و مناہج عمل کی ضرورت تھی وہ تقریباً سارے کے سارے اپنے تمام جزئیات کے ساتھ مدون کر ڈالے گئے۔ دوسری صدی کے آغاز سے تقریباً چوتھی صدی تک یہ کام پوری قوت کے ساتھ چلتا رہا۔

اس دور کے مجدد دین وہ چار بزرگ ہیں[1] جنکی طرف آج فقہ کے چاروں مذاہب منسوب ہیں۔ اگرچہ مجتہد ان کے سوا اور بھی کثیر التعداد اصحاب تھے۔ مگر جس لحاظ سے ان حضرات کا مقام مجتہدین سے بلند ہو کر مجدّدین کے مرتبہ تک پہنچتا ہے وہ یہ ہے کہ:-

اوّلاً ان حضرات نے اپنی گہری بصیرت اور غیر معمولی ذکاوت و ذہانت سے ایسے مذاہب فکر پیدا کئے جن کی زبردست طاقت سات آٹھ صدیوں تک مجتہد پیدا کرتی رہی۔ انہوں نے کلیات دین سے جزئیات مستنبط کرنے اور اصول شرح کو زندگی کے عملی مسائل پر منطبق کرنے کے ایسے وسیع و ہمہ گیر طریقے قائم کر دئے کہ آگے چل کر جس قدر اجتہادی کام ہوا انہی کے طریقوں پر ہوا اور آئندہ بھی جب کبھی اس سلسلہ میں کوئی کام ہوگا ان کی رہنمائی سے انسان بے نیاز نہ ہو سکے گا۔

ثانیاً ان لوگوں نے یہ سارا کام شاہی نظام حکومت کی امداد کے بغیر، اس کی مداخلت سے بالکل آزاد ہو کر، بلکہ اس کی دراندازیوں کا سخت مقابلہ کر کے انجام دیا اور اس سلسلہ میں وہ وہ تکلیفیں اٹھائیں جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے بنی امیہ اور بنی عباس دونوں کے زمانہ میں کوڑوں کی مار اور قید کی سزائیں بھگتیں یہاں تک کہ زہر سے ان کا خاتمہ ہی کر دیا گیا۔ امام

---

[1] امام ابو حنیفہ سنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے سنہ ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ امام مالک سنہ ۹۵ھ میں پیدا ہوئے سنہ ۱۷۹ھ میں وفات پائی امام شافعی سنہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے سنہ ۲۰۴ھ میں وفات پائی امام احمد ابن حنبل سنہ ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے سنہ ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

مالک کو منصور عباسی کے زمانے میں ۷۰ کوڑوں کی سزا دی گئی اور اس بری طرح ان کی مشکیں کسی گئیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گیا۔ امام احمد ابن حنبل پر ماموں معتصم اور واثق تینوں کے زمانے میں مسلسل مصائب و شدائد کے پہاڑ ٹوٹتے رہے، اتنا مارا گیا کہ شائد اونٹ اور ہاتھی بھی اس مار کی تاب لاسکیں، اور پھر متوکل کے زمانہ میں شاہی انعام واکرام اور عقیدت وتعظیم کی وہ بارش اُن پر کی گئی گھبرا کر پکار اٹھے کہ ھذا امر اشد علیّ من ذالک (یہ مجھ پر اُس مار اور قید سے زیادہ سخت مصیبت ہے) مگر ان سب باتوں کے باوجود اِن اللہ کے بندوں نے علم دین کی ترتیب وتدوین میں نہ صرف خود شاہی نفوذ واثر کو گھسنے کا راستہ نہ دیا بلکہ کچھ ایسی طرح ڈال گئے کہ ان کے بعد بھی سارا اجتہادی وتدوینی کام درباروں کے دخل سے بالکل آزاد ہی رہا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج اسلامی قوانین اور علوم حدیث وقرآن کا جتنا معتبر و مستند ذخیرہ ہم تک پہنچا ہے وہ جاہلیت کے ادنیٰ شائبہ سے بھی ملوث نہیں ہوا ہے۔ یہ چیزیں ایسی پاک صاف صورت میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوئی ہیں کہ صدیوں تک بادشاہوں اور امراء کی نفس پرستیوں اور عوام کے اخلاقی تنزل اور اعتقادی وتمدنی گمراہیوں کا جو دور دورہ رہا وہ گویا اِن علوم کے لئے معدوم محض تھا۔ اس کا کوئی اثر اِن علوم میں نہیں پایا جاتا۔

امام غزالی

عمر ابن عبدالعزیز کے بعد سیاست وحکومت کی باگیں مستقل طور پر جاہلیت

Marfat.com

کے ہاتھوں میں چلی گئیں، اور بنی امیہ، بنی عباس اور پھر ترکی النسل بادشاہوں کا اقتدار قائم ہوا۔ ان حکومتوں نے جو خدمات انجام دیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک طرف یونان، روم اور عجم کے جاہلی فلسفوں کو جوں کا توں لیکر مسلمانوں میں پھیلا دیا، اور دوسری طرف علوم و فنون اور تمدن و معاشرت میں جاہلیت اولی کی تمام گمراہیوں کو اپنی دولت اور طاقت کے زور سے شائع و ذرائع کیا۔ عباسی خاندان کے تنزل نے مزید نقصان یہ پہنچایا کہ ابتدائی عباسی "خلفا" کے بعد دنیوی اقتدار کی باگیں جن لوگوں کے ہاتھوں میں آئیں وہ علوم دینی سے بالکل ہی کورے تھے۔ ان میں اتنی صلاحیت بھی نہ تھی کہ قضا اور افتار کے عہدوں کے لئے اہل آدمیوں کو منتخب کرسکتے۔ اپنی جہالت اور سہولت پسندی کی وجہ سے وہ احکام شرعیہ کی تنفیذ کا کام ایسے لگے بندھے طریقوں پر کرنا چاہتے تھے جن میں کسی کد و کاوش کی ضرورت نہ ہو، اور اس کے لئے تقلید جامد ہی کا راستہ موزوں تھا۔ مزید برآں دنیا پرست علماء نے ان کو مذہبی مناظروں کی چاٹ بھی لگا دی، اور پھر شاہی سرپرستی میں یہ مرض اتنا پھیلا کہ اس نے تمام مسلم ممالک میں فرقہ بندی، اختلاف اور سر پھٹول کی وبا پھیلا دی۔

پانچویں صدی تک پہنچتے پہنچتے یہ حال ہوگیا کہ:-

(۱) یونانی فلسفے کی اشاعت سے عقائد کی بنیادیں ہل گئیں۔ محدثین و فقہاء علوم عقلیہ سے ناواقف تھے اس لئے نظام دین کو مقتضائے زمانہ کے مطابق معقولی انداز سے سمجھا نہ سکتے تھے اور زجر و توبیخ سے اعتقادی گمراہیوں کو دبانے کی کوشش کرتے تھے۔ علوم عقلیہ میں جن لوگون کے کمال کا شہرہ تھا وہ نہ صرف یہ کہ علوم دینیہ میں کوئی بصیرت نہ رکھتے تھے، بلکہ فلاسفۂ یونان کے بالکل غلام تھے اور ان میں کوئی

ایسا بالغ النظر آدمی نہ تھا جو تنقید کی نگاہ سے اس یونانی لٹریچر کا جائزہ لیتا۔ متکلمین
گروہ اسلام کی "حمایت" کے لئے اٹھا اُس نے وحی یونانی کو تو اٹل سمجھ کر جوں کا توں
کرلیا، اور وحی آسمانی کو توڑنا اور مروڑنا شروع کیا تاکہ اس کے مطابق ڈھل جا
ان حالات کا عام مسلمانوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ دین کو ایک غیر معقول چیز سمجھنے لگ
اس کی ہر چیز انہیں مشکوک نظر آنے لگی اور ان میں یہ خیال جاگزیں ہوتا چلا گی
ہمارا دین ایک چھوئی موئی کا درخت ہے، جو عقلی امتحان کی ایک ذرا سی ٹھیس
مرجھا جاتا ہے۔ امام ابوالحسن اشعری اور ان کے متبعین نے اس رو کو بدلنے کی ک
کی مگر یہ گروہ متکلمین کے علوم سے تو واقف تھا، لیکن معقولات کے گھر کا بھیدی ن
اس لئے وہ اس عام بے اعتقادی کی رفتار کو بدلنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہ
بلکہ معتزلہ کی ضد میں اس نے بعض ایسی باتوں کا التزام کرلیا جو فی الواقع عق
دین میں سے نہ تھیں۔

(۲) جاہل فرمانرواؤں کے اثر سے، اور علوم دینی کو مادی وسائل کی
بہم نہ پہنچنے کے سبب سے اجتہاد کے چشمے خشک ہو گئے، تقلید جامد کی بیماری پھی
مذہبی اختلافات نے ترقی کر کے ذرا ذرا سے جزئیات پر نئے نئے فرقے پیدا ک
اور ان فرقوں کی باہمی لڑائیوں سے مسلمانوں کی یہ حالت ہوگئی کہ گویا
علیٰ شفا حفرۃ من النار ہیں۔

(۳) مشرق سے مغرب تک مسلم ممالک میں ہر طرف اخلاقی انحطاط رو
جس کے اثر سے کوئی طبقہ خالی نہ رہا۔ قرآن اور نبوت کی روشنی سے مسلمانوں
اجتماعی زندگی بڑی حد تک خالی ہو گئی۔ علماء، امراء، عوام، سب بھول گئے

Marfat.com

کتاب اور رسول کی سنت بھی کوئی چیز ہے جس کی طرف ہدایت و رہنمائی کے لئے کبھی رجوع کرنا چاہیئے۔

(۴) شاہی درباروں، خاندانوں، اور حکمراں طبقوں کی عیاشانہ زندگی اور خود غرضانہ لڑائیوں کی وجہ سے عموماً رعایا تباہ حال ہو رہی تھی۔ ناجائز ٹیکسوں کے بار نے معاشی زندگی کو نہایت خراب کر دیا تھا۔ تمدن کو حقیقی فائدہ پہنچانے والے علوم و صنائع روبہ تنزل تھے اور اُن فنون کا زور تھا جو شاہی درباروں میں قدر و منزلت رکھتے تھے مگر اخلاق و تمدن کے لئے غارت گر تھے۔ آثار سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ عام تباہی کا وقت قریب آ لگا ہے۔

یہ حالات تھے جب پانچویں صدی کے وسط میں امام غزالی[۱] پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتداءً اسی طرز کی تعلیم حاصل کی جو اس زمانہ میں دنیوی ترقی کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ انہی علوم میں کمال پیدا کیا جن کی بازار میں مانگ تھی۔ پھر اس جنس کو لیکر وہیں پہنچے جہاں کے لئے تیار ہوئے تھے اور اُن بلند ترین مراتب تک ترقی کی جنکا تصور اُس زمانہ میں کوئی عالم کر سکتا تھا، دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی ــــ نظامیہ بغداد ــــ کے ریکٹر مقرر ہوئے۔ نظام الملک طوسی، ملک شاہ سلجوقی اور "خلیفہ" بغداد کے درباروں میں اعتماد حاصل کیا۔ وقت کے سیاسیات میں یہاں تک دخیل ہوئے کہ سلجوقی فرمانروا اور عباسی "خلیفہ" کے درمیان جو اختلافات پیدا ہوتے تھے ان کو سلجھانے کے لئے ان کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ دنیوی عروج کے اس نقطہ پر پہنچ جانے کے بعد ان کی زندگی میں انقلاب رونما ہوا۔ اپنے زمانہ کی علمی اخلاقی

---

[۱] ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) میں پیدا ہوئے۔ ۵۰۵ھ (۱۱۱۱ء) میں وفات پائی۔

Marfat.com

مذہبی، سیاسی اور تمدنی زندگی کو جتنی گہری نظر سے دیکھتے گئے اسی قدر ان کے اندر
کا جذبہ ابھرتا چلا گیا، اور اسی قدر ان کے ضمیر نے زیادہ زور سے صدا لگانی شروع کی
اس گندے سمندر کی شناوری کے لئے نہیں ہو بلکہ تمہارا فرض کچھ اور ہے۔ آخر کار
تمام اعزازات اور فوائد و منافع اور مشاغل پر لات ماری جن کے جنجال میں پھنسے
تھے، فقیر بن کر سیاحت کے لئے نکل کھڑے ہوئے، گوشوں اور ویرانوں میں
غور و خوض کیا، چل پھر کر عام مسلمانوں کی زندگی کا گہرا مشاہدہ کیا، اور مجاہدات
ریاضات سے اپنی روح کو صاف کرتے رہے۔ ۳۸ سال کی عمر میں نکلے تھے، پ
دس برس کے بعد ۴۸ سال کی عمر میں واپس ہوئے، اور اس طویل غور و فکر و م
کے بعد جو کام کیا وہ یہ تھا کہ بادشاہوں کے تعلق اور ان کی وظیفہ خواری سے
کی، جدال و تعصب سے پرہیز کرنے کا دائمی عہد کیا، اُن تعلیمی ادارات میں کا
سے انکار کر دیا جو سرکاری اثر میں ہوں، اور طوس میں خود اپنا ایک آزاد اد
کیا۔ اس ادارہ میں وہ چیدہ افراد کو اپنے خاص طرز پر تعلیم و تربیت دے کر
کرنا چاہتے تھے۔ مگر غالباً ان کی یہ کوشش کوئی بڑا انقلاب انگیز کام نہ کر سکی کی
پانچ چھ سال سے زیادہ ان کو اس طرزِ خاص پر کام کرنے کی اجل ہی نے مہلت
نہ دی۔

امام غزالی کے تجدیدی کام کا خلاصہ یہ ہے:-

اولاً، انہوں نے فلسفۂ یونان کا نہایت گہرا مطالعہ کر کے اس پر تنقید
اتنی زبردست تنقید کی کہ وہ رعب جو مسلمانوں پر چھا گیا تھا، کم ہو گیا اور لوگ
نظریات کو حقائق سمجھے بیٹھے تھے، جن پر قرآن و حدیث کی تعلیمات کو منطبق کر

Marfat.com

ین کے بچاؤ کی کوئی صورت انہیں نظر نہ آتی تھی، اُن کی اصلیت سے بڑی حد تک
ہ ہو گئے۔ امام کی اس تنقید کا اثر مسلم ممالک ہی تک محدود نہ رہا بلکہ یورپ تک
در وہاں بھی اس نے فلسفۂ یونان کے تسلط کو مٹانے اور جدید دور تنقید و تحقیق کا
باب کرنے میں حصہ لیا۔

ثانیاً، انہوں نے ان غلطیوں کی اصلاح کی جو فلاسفہ و متکلمین کی ضد میں سلام
وہ حمایتی کر رہے تھے جو علوم عقلیہ میں گہری بصیرت نہ رکھتے تھے۔ یہ لوگ اُسی قسم کی
تیں کر رہے تھے جو بعد میں یورپ کے پادریوں نے کیں، یعنی مذہبی عقائد کے اثبات
بض صریح غیر معقول باتوں پر موقوف سمجھ کر خواہ مخواہ اُن کو اصول موضوعہ قرار دے
ے اور ان کو بھی عقائد دین میں داخل کر کے ہر اُس شخص کی تکفیر کرتے جو ان باتوں کا
ں نہ ہو، اور ہر اس بُرھان یا تجربہ یا مشاہدہ کو دین کے لئے خطرہ سمجھتے جس سے انکے
ہومات کی غلطی ثابت ہوتی ہو۔ اسی چیز نے یورپ کو بالآخر دہریت کی طرف دھکیل
یا۔ مگر مسلم ممالک میں امام غزالی نے بر وقت اس کی اصلاح کی اور مسلمانوں کو
ایا کہ تمہارے عقائد دینی کا اثبات ان غیر معقولات کے التزام پر منحصر نہیں ہے، بلکہ
ں کے لئے معقول دلائل موجود ہیں، لہٰذا ان چیزوں پر اصرار فضول ہے۔

ثالثاً، انہوں نے اسلام کے عقائد اور اساسیات (Fundamentals)
ی ایسی معقول تعبیر پیش کی جس پر کم از کم اُس زمانہ کے اور بعد کی کئی صدیوں تک
کے معقولات کی بنا پر کوئی اعتراض نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے ساتھ احکام شریعت اور
عبادات و مناسک کے اسرار و مصالح بھی بیان کئے اور دین کا ایک ایسا تصور لوگوں
کے سامنے رکھا جس سے وہ غلط فہمیاں دور ہو گئیں جن کی بنا پر پہلے یہ گمان ہونے لگا

Marfat.com

تھا کہ اسلام عقلی امتحان کا بوجھ نہیں سہار سکتا۔

رابعاً، انہوں نے اپنے وقت کے تمام مذہبی فرقوں اور ان کے اختلافات پر نظر ڈالی اور پوری تحقیق کے ساتھ بتایا کہ اسلام اور کفر کی امتیازی سرحدیں کیا ہیں کن حدود کے اندر انسان کے لئے رائ وتاویل کی آزادی ہے، اور کن حدود سے تجاوز کرنے کے معنی اسلام سے نکل جانے کے ہیں۔ اسلام کے اصلی عقائد کون سے ہیں اور وہ کیا چیزیں ہیں جن کو خواہ مخواہ عقائد دین میں داخل کرلیا گیا ہے! ان تحقیقات نے ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے اور تکفیر بازی کرنے والے فرقوں کی سرنگوں سے بہت سی بارودت نکال دی اور لوگوں کے زاویۂ نظر میں وسعت پیدا

خامساً، انہوں نے دین کے فہم کو تازہ کیا، بے شعوری کی مذہبیت کو فضول ٹھیرایا، تقلید جامد کی سخت مخالفت کی، لوگوں کو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے چشمۂ فیض کی طرف پھر سے توجہ دلائی، اجتہاد کی روح کو تازہ کرنے کی کوشش کی اور اپنے عہد کے تقریباً ہر گروہ کی گمراہیوں اور کمزوریوں پر تنقید کرکے اصلاح کی طرف عام دعوت دی۔

سادساً، انہوں نے اس نظام تعلیم پر تنقید کی جو بالکل فرسودہ ہو چکا تھا تعلیم کا ایک نیا نظام تجویز کیا۔ اس وقت تک مسلمانوں میں جو نظام تعلیم قائم تھا اس میں دو قسم کی خرابیاں پائی جاتی تھیں۔ ایک یہ کہ علوم دنیا اور علوم دین الگ الگ تھے اور اس کا نتیجہ لامحالہ تفریق دنیا و دین کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا جو اسلامی نقطۂ نظر سے بنیادی طور پر غلط ہے۔ دوسرے شرعی علوم کی حیثیت سے بعض ایسی چیزیں داخل درس تھیں جو شرعی اہمیت نہ رکھتی تھیں، اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ دین

علق لوگوں کے تصورات غلط ہو رہے تھے اور بعض غیر جنس کی چیزوں کو دینی اہمیت اصل ہو جانے کی وجہ سے فرقہ بندیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ امام غزالی نے ان رابیوں کو دور کر کے ایک سمویا ہوا نظام بنایا جس کی ان کے ہم عصروں نے سخت مخالفت کی مگر بالآخر تمام مسلم ممالک میں اس کے اصول تسلیم کر لیے گئے اور جتنے نئے نظامات تعلیم بنے وہ تمام تر انہی خطوط پر بنے جو امام نے کھینچ دئے تھے، اس وقت ل مدارس عربیہ میں جو نصاب پڑھایا جا رہا ہے اس کی ابتدائی خط کشی امام غزالی کی رہینِ منت ہے۔

سابعاً، انہوں نے اخلاق عامّہ کا پورا جائزہ لیا۔ انہیں علما، مشائخ، امرا، سلاطین، عوام، سب کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے خوب مواقع ملے تھے، خود چل پھر کر شرقی دنیا کا ایک بڑا حصہ دیکھ چکے تھے۔ اسی مطالعہ کا نتیجہ ان کی کتاب احیاء العلوم ہے جس میں انہوں نے ہر طبقہ کی اخلاقی حالت پر تنقید کی ہے، ایک ایک برائی کی جڑ اور اس کے نفسیاتی اور تمدنی اسباب کا کھوج لگایا ہے، اور اسلام کا صحیح اخلاقی معیار پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

ثامناً، انہوں نے اپنے عہد کے نظامِ حکومت پر بھی پوری آزادی کے ساتھ تنقید کی براہ راست حکام وقت کو بھی پیہم اصلاح کی طرف توجہ دلاتے رہے اور عوام میں بھی یہ روح پھونکنے کی کوشش کی کہ منفعلانہ انداز سے جبر و ظلم کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کریں بلکہ آزادانہ نکتہ چینی کریں۔ احیاء میں ایک جگہ صاف لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں سلاطین کے تمام یا اکثر اموال حرام ہیں"۔ ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ "ان سلاطین کو نہ اپنی صورت دکھانی چاہیئے، نہ ان کی دیکھنی چاہیئے۔ انسان کے لئے لازم ہے کہ انکے

Marfat.com

ظلم سے بغض رکھے، ان کے بقار کو پسند نہ کرے، ان کی تعریف نہ کرے، ان کے حالات سے کوئی واسطہ نہ رکھے اور ان کے ہاں رسائی رکھنے والوں سے بھی دور رہے" ایک اور جگہ اُن آدابِ پرستش و عبودیت پر سخت نکتہ چینی کرتے ہیں جو درباروں میں رائج تھے۔ اس معاشرت کی مذمت کرتے ہیں جو بادشاہوں اور امرا نے اختیار کر رکھی تھی۔ حتیٰ کہ ان کے محلات، ان کے لباس، ان کی آرائش، ہر چیز کو نجس بتلاتے ہیں! اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے اپنے عہد کے بادشاہ کو ایک مفصل خط لکھا جس میں اس کو اسلامی طرزِ حکومت کی طرف دعوت دی، حکمرانی کی ذمہ داریاں سمجھائیں، اور اسے بتایا کہ تیرے ملک میں جو کچھ ظلم ہو رہا ہے خواہ تو خود کرے یا تیرے عمال کریں، بہرحال اس کی ذمہ داری تجھ پر ہے۔ ایک دفعہ مجبوراً دربارِ شاہی میں جانا پڑا تو دورانِ گفتگو میں بادشاہ کے منہ در منہ کہا کہ:-

"تیرے گھوڑوں کی گردن سازِ زریں سے نہ ٹوٹی تو کیا ہوا، مسلمانوں کی گردن تو فاقہ کشی کی مصیبت سے ٹوٹ گئی"

اسی طرح ان کے آخری زمانہ میں جتنے وزرا رسلطنت کے مدبرامر ہوئے ان سب کو بھی امام نے پیہم خطوط لکھے اور رعایا کی تباہ حالی کی طرف توجہ دلائی۔ ایک وزیر کو لکھتے ہیں:-

"ظلم حد سے گذر چکا ہے۔ چونکہ مجھے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھنا پڑتا تھا اس لئے تقریباً ایک سال سے میں نے طوس کا قیام ترک کر دیا ہے تاکہ بے رحم و بے حیا ظالموں کی حرکات دیکھنے سے خلاصی پاؤں"

ابنِ خلدون کے بیان سے یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی سلطنت کے

Marfat.com

ظام کے خواہاں تھے جو خالص اسلامی اصول پر ہو، خواہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہو۔ چنانچہ مغرب اقصیٰ میں موحدین کی سلطنت انہی کے اشارہ سے ان کے ایک شاگرد نے قائم کی۔ مگر امام موصوف کے کارنامے میں یہ سیاسی رنگ محض ضمنی حیثیت رکھتا تھا سیاسی انقلاب کے لئے انہوں نے کوئی باقاعدہ تحریک نہیں اٹھائی، نہ حکومت کے نظام پر کوئی خفیف سے خفیف اثر ڈال سکے۔ اسی لئے جاہلیت کی حکمرانی میں مسلمان قوموں کی حالت برابر خراب ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ ایک صدی بعد تاتاری طوفان کے دروازے ان پر ٹوٹ پڑے اور اس نے ان کے پورے تمدن کو تباہ کرکے رکھ دیا۔

امام غزالی کے تجدیدی کام میں علمی و فکری حیثیت سے چند نقائص بھی تھے، اور وہ تین عنوانات پر تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ ایک قسم ان نقائص کی جو حدیث کے علم میں کمزور ہونے کی وجہ سے اُن کے کام میں پیدا ہوئے۔ دوسری قسم اُن نقائص کی جو اُن کے ذہن پر عقلیات کے غلبہ کی وجہ سے تھے! اور تیسری قسم اُن نقائص کی جو تصوف کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہو جانے کی وجہ سے تھے۔ ان کمزوریوں سے بچ کر امام موصوف کے اصل کام، یعنی اسلام کی ذہنی و اخلاقی روح کو زندہ کرنے اور بدعت و ضلالت کی آلائشوں کو نظامِ فکر و نظامِ تمدن سے چھانٹ چھانٹ کر نکالنے کا کام جس شخص نے انجام دیا وہ ابنِ تیمیہ تھا۔

ابنِ تیمیہ

امام غزالی کے ڈیڑھ سو برس بعد ساتویں صدی کے نصف آخر میں امام ابنِ تیمیہ پیدا ہوئے[1]۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ دریائے سندھ سے فرات کے کناروں تک تمام مسلمان

[1]: پیدائش ۶۶۱ھ / ۱۲۶۲ء - وفات ۷۲۸ھ / ۱۳۲۷ء -

Marfat.com

قوموں کو تاتاری غارت گر پامال کر چکے تھے اور شام کی طرف بڑھ رہے تھے۔ مسلسل پچاس برس کی ان شکستوں نے، دائمی خوف و بدامنی کی حالت نے، اور علم و تہذیب کے تمام مرکزوں کی تباہی نے مسلمانوں کو اس مرتبۂ پستی سے بھی بہت زیادہ نیچے گرا دیا تھا جس پر امام غزالی نے انہیں پایا تھا۔ نئے تاتاری حملہ آور اگرچہ اسلام قبول کرتے جا رہے تھے، مگر جاہلیت میں یہ حکمراں اپنے پیش رو ترک فرمانرواؤں سے بھی کئی قدم آگے تھے۔ ان کے زیر اثر آکر عوام اور علماء و مشائخ اور فقہاء و قضاۃ کے اخلاق اور بھی زیادہ گرنے لگے۔ تقلید جامد اس حد کو پہنچ گئی کہ مختلف فقہی و کلامی مذاہب گویا مستقل دین بن گئے۔ اجتہاد معصیت بن کر رہ گیا۔ بدعات و خرافات نے شرعی حیثیت اختیار کر لی۔ کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا ایسا گناہ ہو گیا جو کسی طرح معاف نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس دور میں جاہل و گمراہ عوام، دُنیا پرست یا تنگ نظر علماء اور جاہل و ظالم حکمرانوں کی ایسی سنگت بن گئی تھی کہ اس اتحاد ثلاثہ کے خلاف کسی کا اصلاح کے لئے اٹھنا اپنی گردن کو قصاب کی چھری کے سامنے پیش کرنے سے کم نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ گو اس وقت صحیح الخیال، وسیع النظر، حقیقت شناس علماء بالکل نایاب نہ تھے، نہ اُن سچے اور اصلی صوفیوں کی کمی تھی جو جادۂ حق پر گامزن تھے، مگر جس نے اس تاریک زمانہ میں اصلاح کا علم اٹھانے کی جرأت کی وہ ایک ہی اللہ کا بندہ تھا۔

ابنِ تیمیہ حدیث کے امام تھے یہاں تک کہ کہا گیا کل حدیث لا یعرفہ ابن تیمیہ فلیس بحدیث (جس حدیث کو ابن تیمیہ نہ جانتے ہوں وہ حدیث نہیں ہے)۔ تفقہ کی شان یہ تھی کہ بلا شبہ ان کو مجتہد مطلق کا مرتبہ حاصل تھا۔ علوم عقلیہ منطق، فلسفہ اور کلام میں اتنی گہری نظر تھی کہ جن لوگوں کا سرمایۂ نازہی علوم تھے

Marfat.com

ہ اُن کے سامنے بچوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور اس پر جرأت و ہمت کا یہ حال تھا کہ ظہارِ حق میں کبھی کسی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی نہ ڈرے، حتیٰ کہ متعدد مرتبہ جیل بھیجے ئے اور آخر کار جیل ہی میں جان دی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امام غزالی کے چھوڑے ہوئے ام کو ان سے زیادہ خوبی کے ساتھ آگے بڑھانے میں کامیاب ہوئے۔ ان کے تجدیدی ارنامہ کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) انہوں نے یونانی منطق و فلسفہ پر امام غزالی سے زیادہ گہری اور زبردست قید کی اور اس کی کمزوریوں کو اس طرح نمایاں کرکے رکھ دیا کہ عقلیات کے میدان راس کا تسلط ہمیشہ کے لئے ڈھیلا ہو گیا۔ ان دونوں اماموں کی تنقید کے اثرات شرق ہی تک محدود نہ رہے بلکہ مغرب تک بھی پہنچے۔ چنانچہ یورپ میں ارسطو کی نطق اور مسیحی متکلمین کے یونان زدہ فلسفیانہ نظام کے خلاف پہلی تنقیدی آواز بنِ تیمیہ کے ڈھائی سو برس بعد اٹھی۔

(۲) انہوں نے اسلام کے عقائد، احکام، اور قوانین کی تائید میں ایسے زبردست دلائل قائم کئے جو امام غزالی کے دلائل سے زیادہ معقول بھی تھے اور اسلام کی اصلی روح کے حامل ہونے میں بھی ان سے بڑھے ہوئے تھے۔ امام غزالی کے بیان و استدلال پر اصطلاحی معقولات کا اثر چھایا ہوا تھا۔ ابنِ تیمیہ نے اس راہ کو چھوڑ کر عقلِ عام (Commonsense) پر تفہیم و تبیین کی بنا رکھی جو زیادہ فطری، زیادہ مؤثر اور زیادہ قرآن و سنت کے قریب ہے۔ یہ نئی راہ پچھلوں کی راہ سے بالکل الگ تھی۔ جو لوگ دین کے علمبردار تھے وہ فقط احکام نقل کر دیتے تھے، تفہیم نہ کر سکتے تھے۔ اور جو کلام میں پھنس گئے تھے وہ تفلسف اور اصطلاحی معقولات کو ذریعۂ

تفہیم بنانے کی وجہ سے کتاب و سنت کی اصلی اسپرٹ کو کم و بیش کھو دیتے تھے۔ ابن تیمیہ نے عقائد و احکام کو ان کی اصلی اسپرٹ کے ساتھ بے کم و کاست بیان بھی کیا اور پھر تفہیم کا وہ سیدھا سادہ فطری ڈھنگ اختیار کیا جس کے سامنے اہل عقل کے لیے سر جھکا دینے کے سوا چارہ نہ تھا۔ اسی زبردست کارنامے کی تعریف امام حدیث علامہ ذہبی نے ان الفاظ میں کی ہے کہ ولقد نصر السنة المحضة والطريقة السلفية واحتج لها ببراهين ومقدمات وامور لم يسبق اليها یعنی ابن تیمیہ نے خالص سنت اور طریقہ سلف کی حمایت کی اور اس کی تائید میں ایسے دلائل اور ایسے طریقوں سے کام لیا جن کی طرف ان سے پہلے کسی کی نظر نہ گئی تھی۔

(۳) انہوں نے تقلید جامد کے خلاف صرف آواز ہی نہیں اٹھائی بلکہ قرون اولیٰ کے مجتہدین کے طریقہ پر اجتہاد کرکے دکھایا۔ براہ راست کتاب و سنت اور آثار صحابہ سے استنباط کرکے، اور مختلف مذاہب فقہیہ کے درمیان آزادانہ محاکمہ کرکے، کثیر التعداد مسائل میں کلام کیا، جس سے راہ اجتہاد از سر نو باز ہوئی اور قوت اجتہادیہ کا طریق استعمال لوگوں پر واضح ہوا۔ اس کے ساتھ انہوں نے اور ان کے جلیل القدر شاگرد ابن قیم نے حکمت تشریع اور شارع کے طرز قانون سازی پر اتنا نفیس کام کیا جس کی کوئی مثال ان سے پہلے کے شرعی لٹریچر میں نہیں ملتی۔ یہ وہ مواد ہے جس سے ان کے بعد اجتہادی کام کرنے والوں کو بہترین رہنمائی حاصل ہوئی اور آئندہ ہوتی رہے گی۔

(۴) انہوں نے بدعات اور مشرکانہ رسوم اور اعتقادی و اخلاقی گمراہیوں کے خلاف سخت جہاد کیا اور اس سلسلہ میں بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔ اسلام کے چشمہ

Marfat.com

صافی میں اُس وقت تک جتنی آمیزشیں ہوئی تھیں، اُس اللہ کے بندے نے ان میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑا، ایک ایک کی خبر لی، اور ان سب سے چھانٹ کر ٹھیٹھ اسلام کے طریقہ کو الگ روشن کرکے دنیا کے سامنے رکھ دیا۔ اس تنقید و تنقیح میں اُس شخص نے کسی کی رورعایت نہ کی۔ بڑے بڑے آدمی، جن کے فضل و کمال کا اور تقدس کا سکہ مسلمانوں کی ساری دنیا پر بیٹھا ہوا تھا، جن کے نام سن کر لوگوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں، ابن تیمیہ کی تنقید سے نہ بچ سکے۔ وہ طریقے اور اعمال جو صدیوں سے مذہبی حیثیت اختیار کئے ہوئے تھے، جن کے جواز، بلکہ استحباب کی دلیلیں نکال لی گئی تھیں، اور علمائے حق بھی جن سے مداہنت کر رہے تھے، ابن تیمیہ نے ان کو ٹھیٹھ اسلام کے منافی پایا اور ان کی پرزور مخالفت کی۔ اس آزاد خیالی و صاف گوئی کی وجہ سے ایک دنیا ان کی دشمن ہوگئی اور آج تک دشمن چلی آتی ہے۔ جو لوگ ان کے عہد میں تھے انہوں نے مقدمات قائم کرکے کئی بار جیل بھجوایا۔ اور جو بعد میں آئے انہوں نے تکفیر و تضلیل کرکے اپنا دل ٹھنڈا کیا۔ مگر اسلام خالص و محض کے اتباع کا جو صور اس شخص نے پھونکا تھا اس کی بدولت ایک مستقل حرکت دنیا میں پیدا ہوگئی جس کی آواز بازگشت اب تک بلند ہو رہی ہے۔

اس تجدیدی کام کے ساتھ انہوں نے تاتاری وحشت و بربریت کے مقابلہ میں تلوار سے بھی جہاد کیا۔ اس وقت مصر و شام اس سیلاب سے بچے ہوئے تھے۔ امام نے وہاں کے عام مسلمانوں اور رئیسوں میں غیرت و حمیت کی آگ پھونکی اور انہیں مقابلہ پر آمادہ کیا۔ ان کے ہم عصر شہادت دیتے ہیں کہ مسلمان تاتاریوں سے اتنے مرعوب ہو چکے تھے کہ ان کا نام سن کر کانپ اٹھتے تھے اور ان کے مقابلہ میں جاتے ہوئے

یوں ڈرتے تھے کا نما یساقون الی الموت۔ مگر ابن تیمیہ نے ان میں جہاد کا
پھونک کر شجاعت کی سوئی ہوئی روح کو بیدار کر دیا۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ وہ بھی کو
ایسی سیاسی تحریک نہ اٹھا سکے جس سے نظام حکومت میں انقلاب برپا ہوتا اور اق
کی کنجیاں جاہلیت کے قبضہ سے نکل کر اسلام کے ہاتھ میں آئیں۔

شیخ احمد سرہندی

ساتویں صدی میں فتنۂ تاتار نے ہندوکش سے اُس پار کی دنیا کو تو بالکل
تاخت و تاراج کر دیا مگر ہندوستان اس کی دست بُرد سے بچ گیا تھا۔ اس ڈھیل
نے یہاں کے مترفین کو اُسی غلط فہمی میں ڈال دیا جو ہمیشہ فریفتگانِ زینتِ دنیا کو
ہوتی ہے۔ یہاں وہ تمام خرابیاں پرورش پاتی رہیں جو خراسان و عراق میں پھیلی
وہی بادشاہوں کی خداوندی، وہی امراء و اہل دولت کی عیش پسندی، وہی باطل
راستوں سے مال لینا اور باطل راستوں میں خرچ کرنا، وہی جبر و ظلم کی حکومت، و
خدا سے غفلت اور دین کی صراطِ مستقیم سے بُعد۔ رفتہ رفتہ نوبت اکبر بادشاہ کے د
حکومت تک پہنچی جس میں گمراہیاں اپنی حد کو پہنچ گئیں۔

اکبر کے دربار میں یہ رائے عام تھی کہ ملتِ اسلام جاہل بدووں میں
ہوئی تھی، کسی مہذب و شائستہ قوم کے لئے وہ موزوں نہیں۔ نبوت، وحی، حشر
دوزخ و جنت، ہر چیز کا مذاق اڑایا جانے لگا۔ قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا مشتبہ،
کا نزول عقلاً مستبعد، مرنے کے بعد ثواب و عذاب غیر یقینی، البتہ تناسخ ہر آئینہ
واقرب الی الصواب۔ معراج کو علانیہ محال قرار دیا جاتا۔ ذات نبوی پر اعتراضا

Marfat.com

کئے جاتے، خصوصاً آپ کی ازواج کے تعدد پر اور آپ کے غزوات و سرایا پر۔ یہاں تک کہ لفظ احمد اور محمدؐ سے بھی بیزاری ہو گئی اور جن کے ناموں میں یہ لفظ شامل تھا ان کے نام بدلے جانے لگے۔ دنیا پرست علماء نے اپنی کتابوں کے خطبوں میں نعت لکھنی چھوڑ دی۔ بعض ظالم اس حد تک بڑھے کہ دجال کی نشانیاں ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں کرنے لگے، العیاذ باللہ، العیاذ باللہ۔ دیوان خانہ شاہی میں کسی کی مجال نہ تھی کہ نماز ادا کر سکے۔ ابوالفضل نے نماز، روزہ، حج اور دوسرے شعائر دینی پر سخت اعتراضات کئے اور ان کا مذاق اڑایا۔ شعراء نے ان شعائر کی ہجو لکھی جو عوام کی زبانوں تک بھی پہونچی۔

بہائی نظریہ کی بنا بھی دراصل اکبری عہد ہی میں پڑی تھی۔ اس وقت یہ نظریہ قائم کیا گیا کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ایک ہزار سال گذر چکے ہیں اور اس دین کی مدت ایک ہزار سال ہی تھی، اس لئے اب وہ منسوخ ہو گیا اور اس کی جگہ نئے دین کی ضرورت ہے۔ اس نظریہ کو سکوں کے ذریعہ سے پھیلایا گیا کیونکہ اس زمانہ میں نشر و اشاعت کا سب سے زیادہ قوی ذریعہ یہی تھا۔ اس کے بعد ایک نئے دین اور نئی شریعت کی طرح ڈالی گئی جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہب کو ملا کر ایک مخلوط مذہب بنایا جائے تاکہ شاہی حکومت مستحکم ہو۔ دربار کے خوشامدی ہندوؤں نے اپنے بزرگوں کی طرف سے اس قسم کی پیشینگوئیاں سنانی شروع کر دیں کہ فلاں زمانہ میں ایک گئو رکھشک مہاتما بادشاہ پیدا ہوگا۔ اور اسی طرح بندۂ زر علماء نے بھی اکبر کو مہدی اور صاحب زمان اور امام مجتہد وغیرہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ ایک "تاج العارفین" صاحب یہاں تک بڑھے کہ اکبر کو انسان کامل اور خلیفۃ الزماں

Marfat.com

ہونے کی حیثیت سے خدا کا عکس ہی ٹھیرا دیا۔ عوام کو سمجھانے کے لئے کہا گیا کہ "حق اور (عالمگیر سچائیاں) تمام مذاہب میں موجود ہیں، کوئی ایک ہی دین حق کا اجارہ دار نہیں ہے، لہٰذا سب مذہبوں میں جو جو باتیں حق ہیں انہیں لے کر ایک جامع طریق بنانا چاہیئے اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت عام دینی چاہیئے تاکہ ملتوں کے سب اختلافات مٹ جائیں، اسی طریق جامع کا نام دین الٰہی ہے" اس نئے دین کا کلمہ لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ تجویز کیا گیا۔ جو لوگ اس دین میں داخل ہوتے ان کو "دین اسلام مجازی وتقلیدی کہ از پدراں دیدہ وشنیدہ ام" سے توبہ کر کے "دین الٰہی اکبر شاہی" میں داخل ہونا پڑتا تھا، اور داخل ہونے کے بعد ان کو لفظ "چیلہ" سے تعبیر کیا جاتا۔ سلام کا طریقہ بدل کر یوں کر دیا گیا کہ سلام کرنے والا "اللہ اکبر" اور جواب دینے والا جل جلالہٗ کہتا (یاد رہے کہ اکبر کا نام جلال الدین تھا) چیلوں کو بادشاہ کی تصویر دی جاتی اور وہ اسے پگڑی میں لگاتے۔ بادشاہ پرستی اس دین کے ارکان میں سے ایک رکن تھی۔ ہر روز صبح کو بادشاہ کا درشن کیا جاتا اور بادشاہ کے سامنے جب حاضری کا شرف عطا ہوتا تو اس کے سامنے سجدہ بجا لایا جاتا۔ علماء کرام اور صوفیانِ باصفا، دونوں اپنے اس قبلۂ حاجات وکعبۂ مرادات کو بے تکلف سجدہ فرماتے تھے اور اس صریح شرک کو "سجدۂ تحیۃ" اور "زمین بوسی" جیسے الفاظ کے پردے میں چھپاتے تھے۔ یہ وہی ملعون حیلہ بازی تھی جس کی پیشینگوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب لوگ حرام چیز کا نام بدل کر اسے حلال کر لیا کریں گے۔

اس نئے دین کی بنا تو یہ کہہ کر رکھی گئی تھی کہ اس میں بلا کسی تعصب کے ہر مذہب

کی اچھی باتیں لی جائینگی، مگر در اصل اس میں اسلام کے سوا ہر مذہب کی پذیرائی تھی اور نفرت وعداوت کے لئے صرف اسلام اور اس کے احکام و قوانین ہی کو مختص کر لیا لیا تھا۔ پارسیوں سے آتش پرستی کی گئی، اکبری محل میں دائمی آگ کا الاؤ روشن لیا گیا اور چراغ روشن کرنے کے وقت قیام تعظیمی کیا جانے لگا۔ عیسائیوں سے ناقوس نوازی اور تماشائے صورت ثالث ثلاثہ اور اسی قسم کی چند چیزیں لی گئیں سب سے زیادہ نظر عنایت ہندویت پر تھی کیونکہ یہ ملک کی اکثر آبادی کا مذہب تھا اور بادشاہی کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے اس کی استمالت ضروری تھی۔ چنانچہ گائے کا گوشت حرام کیا گیا۔ ہندو تہوار۔ دیوالی، دسہرہ، راکھی پونم، شیوراتری وغیرہ پوری ہندوانہ رسوم کے ساتھ منائے جانے لگے۔ شاہی محل میں ہون کی رسم ادا کی جانے لگی۔ دن میں چار وقت آفتاب کی عبادت کی جاتی اور آفتاب کے ایک ہزار ایک ناموں کا جاپ کیا جاتا۔ آفتاب کا نام جب زبان پر آتا تو جلّت قدرتہٗ کے الفاظ کہے جاتے۔ پیشانی پر قشقہ لگایا جاتا۔ دوش و کمر پر جنیو ڈالا جاتا اور گائے کی تعظیم کی جاتی۔ معاد کے متعلق عقیدۂ تناسخ تسلیم کر لیا گیا اور برہمنوں سے ان کے دوسرے بہت سے اعتقادات سیکھے گئے۔ یہ سارا معاملہ تو تھا دوسرے مذاہب کے ساتھ۔ رہا اسلام تو اس کے معاملہ میں بادشاہ اور درباریوں کی ایک ایک حرکت سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان کو اس سے ضد اور چڑ ہو گئی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے خلاف دوسرے مذہب والوں کی طرف سے جو بات دربار کا رنگ دیکھ کر ذرا فلسفیانہ و صوفیانہ انداز میں پیش کر دی جاتی اسے وحی آسمانی سمجھ کر قبول کر لیا جاتا اور اس کے مقابلہ میں اسلامی تعلیم رد کر دی جاتی۔ علمائے اسلام اگر اسلام کی طرف سے کوئی بات کہتے،

Marfat.com

یاکسی گمراہی کی مخالفت کرتے تو انہیں "فقیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا جس کے معنی اُن کی اصطلاح خاص میں احمق اور ناقابلِ التفات آدمی کے ہو گئے تھے۔ جاہل آدمیوں کی ایک کمیٹی مذاہب کی تحقیق کے لئے مقرر کی گئی تھی جس میں تمام مذاہب کا مطالعہ بڑی رواداری بلکہ عقیدتمندی کے ساتھ کیا جاتا تھا، مگر اسلام کا نام آتے ہی اُس کا مذاق اڑایا جانے لگتا تھا اور اگر اسلام کا کوئی حامی جواب دینا چاہتا تو اس کی زبان بند کردی جاتی تھی۔ یہ برتاؤ اِسی حد تک نہ رہا بلکہ عملاً اسلام کے احکام میں دل کھول کر ترمیم و تنسیخ کی گئی۔ سود، جوئے اور شراب کو حلال کیا گیا۔ شاہی مجلس میں نوروز کے موقع پر شراب کا استعمال ضروری تھا حتیٰ کہ قاضی و مفتی تک پی جاتے تھے۔ ڈاڑھی منڈوانے کا فیشن عام کیا گیا اور اس کے جواز پر دلائل قائم کئے گئے۔ چچا زاد اور ماموں زاد بہن سے نکاح کو ممنوع ٹھیرایا گیا لڑکے کے لئے ۱۶ سال اور لڑکی کے لئے ۱۴ سال کی عمر نکاح مقرر کی گئی۔ ایک بیوی سے زیادہ بیویاں رکھنے کی ممانعت کی گئی۔ حدِ زنا نہ صرف موقوف کی گئی بلکہ چند ضوابط کے ساتھ زنا کو قانوناً جائز ٹھیرایا گیا۔ ۱۲ سال کی عمر سے پہلے ختنہ کی ممانعت کر دی گئی۔ ریشم اور سونے کے استعمال کو حلال کیا گیا۔ شیر اور بھیڑیئے کو حلال کیا گیا۔ سور کو اسلام کی ضد میں نہ صرف پاک بلکہ ایک مقدس جانور قرار دیا گیا، حتیٰ کہ صبح آنکھ کھولتے ہی اس کو دیکھنا مبارک خیال کیا جاتا تھا۔ مُردوں کو دفن کرنیکے بجائے جلانا یا پانی میں بہانا احسن ٹھیرایا گیا، اور اگر کوئی دفن ہی کرنا چاہے تو سفارش کی گئی کہ پاؤں قبلہ کی طرف رکھے جائیں۔ اکبر خود اسلام کی ضد میں قبلہ ہی کی طرف پاؤں کرکے سونے کا التزام کرتا تھا۔ حکومت کی تعلیمی پالیسی بھی سراسر اسلام کی مخالف تھی عربی

Marfat.com

اُن کی تعلیم اور فقہ و حدیث کے درس کو ناپسندیدہ سمجھا جاتا اور جو لوگ ان علوم کو حاصل کرتے وہ حقیر خیال کئے جاتے۔ علوم دینی کے بجائے حکمت و فلسفہ، ریاضی و تاریخ اور اسی نوع کے علوم کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی۔ زبان میں ہندیت پیدا کرنے کی طرف خاص میلان تھا اور عربی حروف کو زبان سے خارج کرنے کی بھی تجویزیں تھیں۔ ان حالات کی وجہ سے دینی مدرسے ویران ہونے لگے اور اکثر اہلِ علم ملک چھوڑ چھوڑ کر نکلنے لگے۔

یہ تو تھا حکومت کا حال۔ اور عوام کا حال یہ تھا کہ جو لوگ باہر سے آئے تھے، وہ ایران و خراسان کی اخلاقی و اعتقادی بیماریاں ساتھ لائے تھے اور جو لوگ ہندوستان ہی میں مسلمان ہوئے تھے اُن کی اسلامی تعلیم و تربیت کا کوئی خاص انتظام نہ تھا اس لئے وہ پرانی جاہلیت کی بہت سی باتیں اپنے خیالات اور اپنی عملی زندگی میں لئے ہوئے تھے۔ اِن دونوں قسم کے مسلمانوں نے مل جل کر ایک عجیب مرکب تیار کیا تھا جس کا نام "اسلامی تمدن تھا"۔ اس میں شرک بھی تھا۔ نسلی اور طبقاتی امتیازات بھی تھے، اوہام و خرافات بھی تھے، اور نو ایجاد رسموں کی ایک نئی شریعت بھی تھی۔ دنیا پرست علماء و مشائخ نے نہ صرف اس مخلوط سے موافقت کر لی تھی، بلکہ وہ اس نئے مت کے پروہت بن گئے تھے۔ لوگوں کی طرف سے اُن کو نذرانے پہنچتے، اور اُن کی طرف سے لوگوں کو فرقہ بندی کا تحفہ ملتا۔

پیرانِ طریقت کے ہاتھوں سے ایک اور بیماری پھیل رہی تھی۔ اشراقیت، رواقیت (Stoicism) اور ویدانتزم کی آمیزش سے ایک عجیب قسم کا فلسفیانہ تصوف پیدا ہو گیا تھا جسے اسلام کے نظام اعتقادی و اخلاقی میں ٹھونس دیا

Marfat.com

گیا تھا۔ طریقت و حقیقت، شرع اسلامی سے الگ اور اس سے بے نیاز قرار دی جا چکی تھیں۔ باطن کا کوچہ ظاہر سے جدا بنا لیا گیا تھا اور اس کوچہ کا قانون یہ تھا کہ حدود حلال و حرام رخصت، احکام دین عملاً منسوخ، اور ہوائے نفس کے ہاتھ میں اختیارات جس فرض کو چاہے ساقط کرے اور جس چیز کو چاہے فرض بلکہ فرض اہم بنا دے، جس حلال کو چاہے حرام کر دے اور جس حرام کو چاہے حلال کر دے۔ عام پیروں سے بہتر جن کی حالت تھی ان پر بھی کم و بیش اس فلسفیانہ تصوف کے اثرات پڑے ہوئے تھے، اور وحدت الوجود کے ایک غلط تصور نے خصوصیت کے ساتھ تمام قوائے عمل کو بیکار کر دیا تھا۔

یہ حالات تھے جب اکبری سلطنت کے ابتدائی ایام میں شیخ احمد سرہندی پیدا ہوئے[۵۱]۔ ان کی تعلیم و تربیت ایسے لوگوں میں ہوئی تھی جو اس دور کے صالح ترین لوگ تھے، گو اپنے گرد و پیش کے فساد کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے مگر کم از کم اپنے علم و عمل کو بچائے ہوئے تھے، اور جہاں تک ہو سکتا تھا دوسروں کی اصلاح بھی کرتے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ شیخ کو سب سے زیادہ فیض حضرت باقی باللہ صاحب سے ملا جو اپنے وقت کے ایک بڑے صالح بزرگ تھے۔ مگر خود شیخ کی ذاتی صلاحیتوں کا حال یہ تھا کہ جب حضرت موصوف کے ساتھ راہ و رسم کی ابتدا ہوئی تھی اسی وقت انہوں نے شیخ کے متعلق اپنے یہ خیالات ایک دوست کو لکھ کر بھیجے تھے کہ:۔

"حال میں سرہند سے ایک شخص شیخ احمد نامی آیا ہے۔ نہایت ذی علم ہے

۵۱:۔ پیدائش ۹۷۱ھ / ۱۵۶۳ء۔ وفات ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء۔

بڑی عملی طاقت رکھتا ہے۔ چند روز فقیر کے ساتھ اس کی نشست و برخاست ہوئی ہے۔ اِس دوران میں اُس کے حالات کا جو مشاہدہ ہوا اُس کی بنا پر توقع ہے کہ آگے چل کر یہ ایک چراغ ہوگا جو دنیا کو روشن کر دیگا"

یہ پیشنگوئی پوری ہوئی۔ ہندوستان کے گوشوں میں بہت سے حق پرست ورسچے صوفیہ بھی اُس وقت موجود تھے، مگر ان سب کے درمیان وہ اکیلا شخص تھا ت کے ان فتنوں کی اصلاح اور شریعت محمدی کی حمایت کے لئے اٹھا اور جس ناھی قوت کے مقابلہ میں یکہ وتنہا احیار دین کی جد وجہد کی۔ اس بے سروسامان نے علی الاعلان اٹھ کر ان گمراہیوں کی مخالفت کی جنہیں حکومت کی حمایت حاصل اور اُس شریعت کی تائید کی جو حکومت کی نگاہ میں مبغوض تھی۔ حکومت نے اسکو ح دبانے کی کوشش کی حتیٰ کہ جیل بھی بھیجا، مگر بالآخر وہ فتنہ کا منہ پھیر دینے میں، اب ہوگیا۔ جہانگیر، جس نے سجدۂ تحیۃ نہ کرنے پر شیخ کو گوالیار کے قید خانہ میں بھیج دیا تھا یں شیخ کا معتقد ہوگیا اور اپنے بیٹے خرّم کو، جو بعد میں شاہجہاں کے لقب سے تخت ں ہوا، اُن کے حلقۂ بیعت میں داخل کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے متعلق حکومت عاندانہ روش احترام سے بدل گئی" دینِ الٰہی اکبر شاھی" اُن تمام بدعتوں کے ہ ختم ہوا جو درباری شریعت سازوں نے گھڑی تھیں۔ اسلامی احکام کی جو ترمیم یخ کی گئی تھی وہ خود منسوخ ہوگئی۔ حکومت اگرچہ شاھی حکومت ہی رہی، مگر کم اتنا ہوا کہ علوم دینی اور احکام شرعی کی طرف اُس کا رویہ کافرانہ ہونے کے بجائے بدت مندانہ ہوگیا۔ شیخ کی وفات کے تین چار ہی سال بعد عالمگیر پیدا ہوا اور لہٰذا وہ شیخ ہی کے پھیلائے ہوئے اصلاحی اثرات تھے جن کی بدولت تیموری

Marfat.com

خاندان کے اُس شاہزادے کو وہ علمی اور اخلاقی تربیت مل سکی کہ اکبر جیسے بادم
پر پوتا خادم شریعت ہوا۔

شیخ کا کارنامہ اتنا ہی نہیں ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں حکومت
بالکل ہی کفر کی گود میں چلے جانے سے روکا اور اس فتنۂ عظیم کے سیلاب کا منہ
جواب سے تین چار سو برس پہلے ہی یہاں اسلام کا نام و نشان مٹا دیتا۔ اس
علاوہ انہوں نے دو عظیم الشان کام اور بھی انجام دئے۔ ایک یہ کہ تصوف کے
صافی کو اُن آلائشوں سے جو فلسفیانہ اور راہبانہ گمراہیوں سے اُس میں سرایت
تھیں، پاک کر کے اسلام کا اصلی اور صحیح تصوف پیش کیا۔ دوسرے یہ کہ اُن تما
جاہلیت کی شدید مخالفت کی جو اُس وقت عوام میں پھیلی ہوئی تھیں اور سلسلہ
وارشاد کے ذریعہ سے اتباعِ شریعت کی ایک ایسی تحریک پھیلائی جس کے ہزار
یافتہ کارکنوں نے نہ صرف ہندوستان کے مختلف گوشوں میں، بلکہ وسط ایشیا
پہنچ کر عوام کے اخلاق اور عقائد کی اصلاح کے لئے کوشش کی۔ یہی کام ہے جس
سے شیخ سرہندی کا شمار مجددین ملت میں ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی

حضرت مجدد الف ثانی کی وفات کے ۸۰ سال بعد اور عالمگیر بادشا
وفات سے چار سال پہلے نواح دہلی میں شاہ ولی اللہ صاحب پیدا ہوئے۔[1]

---

[1] پیدائش ۱۱۱۴ھ / ۱۷۰۲ء۔ وفات ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء۔

Marfat.com

طرف اُن کے زمانہ اور ماحول کو اور دوسری طرف اُن کے کام کو جب آدمی بالمقابل رکھ کر دیکھتا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اس دور میں اس نظر، ان خیالات، اس ذہنیت کا آدمی کیسے پیدا ہو گیا۔ فرخ سیر، محمد شاہ رنگیلے اور شاہ عالم کے ہندوستان کو کون نہیں جانتا۔ اس تاریک زمانہ میں نشو و نما پاکر ایسا آزاد خیال مفکر و مبصر منظر عام پر آتا ہے جو زمانہ اور ماحول کی ساری بندشوں سے آزاد ہو کر سوچتا ہے، تقلیدی علم اور صدیوں کے جمے ہوئے تعصبات کے بند توڑ کر ہر مسئلہ زندگی پر محققانہ و مجتہدانہ نگاہ ڈالتا ہے، اور ایسا لٹریچر چھوڑ کر جاتا ہے جس کی زبان، انداز بیان، خیالات، نظریات، مواد تحقیق اور نتائج مستخرجہ، کسی چیز پر بھی ماحول کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا، حتیٰ کہ اس کے اوراق کی سیر کرتے ہوئے یہ گمان تک نہیں ہوتا کہ یہ چیزیں اُس جگہ لکھی گئی ہیں جس کے گرد و پیش عیاشی، نفس پرستی، قتل و غارت، جبر و ظلم اور بدامنی و طوائف الملوکی کا طوفان برپا تھا۔

شاہ صاحب تاریخ انسانی کے ان لیڈروں میں سے ہیں جو خیالات کے الجھے ہوئے جنگل کو صاف کرکے فکر و نظر کی ایک صاف، سیدھی شاہراہ بناتے ہیں اور ذہن کی دنیا میں حالاتِ موجودہ کے خلاف ایسی بے چینی، اور تعمیر نو کا ایسا دل آویز نقشہ پیدا کرکے چلے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ناگزیر طور پر تخریب فاسد و تعمیر صالح کے لئے ایک تحریک اٹھتی ہے۔ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے لیڈر اپنے خیالات کے مطابق خود کوئی عملی تحریک اٹھاتے ہوں اور بگڑی ہوئی دنیا کو توڑ پھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے نئی دنیا بنانے کے لئے میدان میں نکل آتے ہوں۔ تاریخ میں اس کی مثالیں بہت ہی کم ملتی ہیں۔ اس طرز کے لیڈروں کا اصلی کارنامہ یہی ہوتا ہے کہ وہ

Marfat.com

تنقید سے صدہا برس کی جمی ہوئی غلط فہمیوں کا غبار چھانٹ دیتے ہیں، اذہان میں نئی روشنی پیدا کرتے ہیں، زندگی کے بگڑے ہوئے مگر پختہ بنے ہوئے سانچے کو عالم ذہنی میں توڑتے ہیں اور اس کے ملبے میں سے اصلی اور پائدار حقیقتوں کو نکال کر دینا کے سامنے رکھ جاتے ہیں۔ یہ کام بجائے خود اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس کی مشغولیتوں سے آدمی کو اتنی فرصت مشکل ہی سے مل سکتی ہے کہ خود میدان میں آکر تعمیر کا عملی کام بھی کرے۔ اگرچہ شاہ صاحب تفہیمات الٰہیہ میں ایک جگہ اشارہ کرتے ہیں کہ اگر موقع ومحل کا اقتضا ہوتا تو میں جنگ کر کے عملاً اصلاح کرنے کی قابلیت بھی رکھتا تھا[۱]۔ مگر واقعہ یہی ہے کہ انہوں نے اس طرز کا کوئی کام نہیں کیا۔ بلکہ اپنے خیالات کی دنیا میں ان کا انہماک اتنا بڑھا ہوا تھا کہ خود اُن کے اپنے گھر اور اُن کے قریبی حلقہ میں بہت سے غیر اسلامی طریقے رائج تھے اور وہ ان کی اصلاح پر بھی توجہ صرف کرنے سے معذور رہے۔ مثلاً السلام علیکم تک کا رواج اُن کے گھر میں نہ تھا۔ "رفیع الدین آداب بجا لاتا ہے۔" "عبدالقادر تسلیمات عرض کرتا ہے۔" سلام مسنون کے بجائے اس قسم کے فقرے بولے

---

[۱] :۔ تفہیمات جلد اول ص۱۰۱: فلو فرض ان یکون ھذا الرجل فی زمان واقتضت الاسباب ان یکون اصلاح الناس باقامۃ الحروب ونفث فی قلبہ اصلاحھم لقام ھذا الرجل بامر الحرب اتم قیام وکان اماماً فی الحرب لا یقاس بالرستم والاسفندیار بل الرستم والاسفندیار وغیرھما طفیلیون علیہ مستمدون منہ مقتدون بہ۔

تے تھے۔ شاہ صاحب کی پوتی اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی صاحبزادی جوان بیوہ ی ہوئی تھیں اور نکاح ثانی میں انہیں اس لئے تامل تھا کہ ہندوانہ جاہلیت اسے یوب سمجھتی تھی۔ بی بی کی صحنک اور اسی قسم کی نیازوں کا سلسلہ خود اس خاندان خواتین میں جاری تھا[ف]۔ یہ سب باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ شاہ صاحب کی اری قوتوں کو تنقید و تعمیر افکار کے بھاری کام نے بالکل اپنے اندر جذب کر رکھا ما اور ان کو اس کارِ عظیم سے اتنی مہلت بھی نہ ملتی تھی کہ اپنے قریب ترین ماحول کی ف ہی توجہ کر سکتے۔ جیسا کہ آگے چل کر عرض کیا جائیگا، اُن کے صاف کئے ہوئے استہ پر عملی جد و جہد کرنے کے لئے کچھ دوسرے لوگوں کی ضرورت تھی اور وہ نصف دی کے اندر خود انہی کے حلقۂ تعلیم و تربیت سے نشو و نما پا کر اٹھے۔

ف :- مولانا محمد منظور صاحب مدیر "الفرقان" نے مجھے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ شاہ صاحب اور ان کے خاندان کے متعلق یہ روایات کچھ زیادہ معتبر نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ بیانات ا ان میں سے اکثر غلط ہوں۔ مجھے ان کے صحیح ہونے پر اصرار نہیں ہے۔ مگر جو بات میں ثابت رنا چاہتا ہوں وہ بجائے خود حقیقت ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی س پر شاہد ہے کہ وہ تمام عمر تنقیح و تنقید اور تعمیر افکار کے کام میں منہمک رہے اور دعوتِ عامہ ی طرف توجہ کرنے کا ان کو موقع ہی نہیں ملا۔ تطہیر و تعمیر فکر اپنی جگہ خود ایک بہت بڑا کام ہے۔ ور دعوتِ عامہ کا کام اس سے مختلف ایک دوسری نوعیت کا کام ہے۔ بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص یہ دونوں کام ایک ساتھ انجام دے سکے۔ اور اگر کسی شخص نے صرف پہلا کام کیا ہو اور دوسرا کام نہ کر سکا ہو تو اس سے اس کی عظمت پر کوئی حرف نہیں آتا

شاہ صاحب کے تجدیدی کارنامے کو ہم دو بڑے عنوانات پر تقسیم کر سکتے ہیں ایک عنوان تنقید و تنقیح کا، اور دوسرا عنوان تعمیر کا۔ میں ان دونوں کو الگ الگ بیان کروں گا۔

پہلے عنوان کے سلسلہ میں شاہ صاحب نے پوری تاریخ اسلام پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے، شاہ صاحب پہلے شخص ہیں جس کی نظر تاریخ اسلام اور تاریخ مسلمین کے اصولی فرق اور باریک فرق تک پہنچی اور جس نے تاریخ مسلمین پر تاریخ اسلام کے نقطۂ نظر سے نقد و تبصرہ کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ ان بہت سی صدیوں میں اسلام قبول کرنے والی اقوام کے درمیان فی الواقع اسلام کا کیا حال رہا ہے۔ یہ ایک ایسا نازک مضمون ہے جس کی پیچیدگیوں میں پہلے بھی لوگ الجھے رہے ہیں اور اب تک الجھے ہوئے ہیں، چنانچہ شاہ صاحب کے بعد بھی کوئی ایسا صاحب نظر نہ اٹھا جس کے ذہن میں حقیقی تاریخ اسلام کا، تاریخ مسلمین سے الگ، کوئی واضح تصور ہوتا۔ شاہ صاحب کے کلام میں مختلف مقامات پر اس کے متعلق اشارات موجود ہیں، مگر خصوصیت کے ساتھ ازالۃ الخفا کی فصل ششم میں انہوں نے صفحہ ۱۲۲ سے صفحہ ۱۵۸ تک مسلسل تاریخ مسلمین پر تبصرہ کیا ہے، اور کمال یہ کیا ہے کہ ایک ایک دور کی خصوصیات اور ایک ایک زمانہ کے فتنوں کو بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پیشگوئیوں کو بھی نقل کرتے گئے ہیں جن میں ان حالات کی طرف صریح اشارات پائے جاتے ہیں۔ اس تبصرہ میں قریب قریب اُن تمام جاہلی آمیزشوں کی نشان دہی ہو گئی ہے، جو مسلمانوں کے عقائد، افکار، علوم، اخلاق، تمدن اور سیاست میں ہوتی رہیں۔

پھر شاہ صاحب نے خرابیوں کے اس ہجوم میں کھوج لگا کر یہ معلوم کرنے کی

۵۱: — میرے پیش نظر ۱۲۸۶ھ کا نسخہ ہے جو بریلی میں طبع ہوا ہے۔

Marfat.com

کوشش کی ہے کہ ان میں بنیادی خرابیاں کونسی ہیں جن سے باقی تمام خرابیوں کا شجرۂ نسب ملتا ہو، اور آخر کار دو چیزوں پر انگلی رکھ دی ہے۔ ایک اقتدار سیاسی کا خلافت سے بادشاہی کی طرف انتقال، دوسرے روح اجتہاد کا مردہ ہو جانا اور تقلید جامد کا دماغوں پر مسلط ہو جانا۔

پہلی خرابی پر انہوں نے ازالہ میں پوری تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ خلافت اور بادشاہی کے اصولی و اصطلاحی فرق کو جس قدر واضح صورت میں انہوں نے بیان کیا ہے اور جس طرح احادیث سے اس کی تشریح کی ہے، اس کی کوئی مثال ان سے پہلے کے مصنفین کی تحریروں میں نہیں ملتی۔ اسی طرح اس انقلاب کے نتائج کو بھی جس صراحت کے ساتھ انہوں نے پیش کیا ہے وہ اگلوں کے کلام میں مفقود ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"ارکان اسلام کی اقامت میں فتور عظیم برپا ہو گیا۔ . . . حضرت عثمانؓ کے بعد کسی فرمانروا نے حج قائم نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اپنے نائب ہی مقرر کر کے بھیجتے رہے، حالانکہ اقامتِ حج خلافت کے لوازم میں سے ہے۔ جس طرح تخت پر بیٹھنا، تاج پہننا اور شاہانِ گذشتہ کی شہ نشین میں بیٹھنا قیصر و کسریٰ کے لئے علامت پادشاہی تھا اسی طرح حج خود اپنی امارت میں قائم کرنا اسلام میں علامتِ خلافت ہے۔"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"پہلے وعظ اور فتویٰ دونوں خلیفہ کی رائے پر موقوف تھے۔ خلیفہ کی اجازت کے بغیر نہ وعظ کہا جا سکتا تھا اور نہ کوئی شخص فتویٰ دینے کا مجاز تھا۔ مگر

Marfat.com

اس انقلاب کے بعد وعظ اور فتویٰ دونوں اس نگرانی سے آزاد ہو گئے بلکہ بعد میں تو فتویٰ دینے کے لئے جماعت صالحین کے مشورے کی قید بھی نہ رہی "

پھر فرماتے ہیں:

" اِن لوگوں کی حکومت مجوسیوں کی حکومت کے مانند رہی ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ یہ نماز پڑھتے اور کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرتے رہے ہیں ہم اسی تغیر کے دامن میں پیدا ہوئے ہیں، معلوم نہیں آگے چل کر خدا تعالےٰ کیا دکھانا چاہتا ہے "

رہی دوسری خرابی تو شاہ صاحب نے ازالہ میں، حجت میں، بدور بازغہ میں، تفہیمات میں، مسوّیٰ، اور مصفّٰی میں، اور قریب قریب اپنی ہر تصنیف میں اس پر ماتم کیا ہے۔ ازالہ میں فرماتے ہیں:-

" دولتِ شام (اموی سلطنت) کے خاتمہ تک کوئی اپنے آپ کو حنفی یا شافعی نہ کہتا تھا، بلکہ سب اپنے اپنے ائمہ اور اساتذہ کے طریقہ پر دلائل شرعی سے استنباط کرتے تھے۔

دولتِ عراق (عباسی سلطنت) کے زمانہ میں ہر ایک نے اپنا ایک نام معیّن کیا اور یہ کیفیت ہو گئی کہ جب تک اپنے مذہب کے بڑوں کی نص نہ پاتے کتاب وسنت کی دلیل پر حکم نہ کرتے۔ اس طرح وہ اختلافات جو تاویل کتاب وسنت کے مقتضا سے ناگزیر طور پر پیدا ہوتے تھے مضبوط بنیادوں پر جم گئے۔ پھر جب دولت عرب کا خاتمہ ہو گیا (یعنی ترکی اقتدار کا

زمانہ آیا) اور لوگ مختلف ممالک میں منتشر ہوئے تو ہر ایک نے جو کچھ اپنے مذہبِ فقہی سے یاد کیا تھا اُسی کو اصل بنا لیا۔ پہلے جو چیز مذہبِ مستنبط تھی اب وہ سنت مستقرہ بن گئی۔ اب ان کے علم کا مدار اس پر رہ گیا کہ تخریج پر تخریج کریں اور تفریع پر تفریع "

مصفّی میں لکھتے ہیں :۔

" ہمارے زمانہ کے سادہ لوح اجتہاد سے بالکل برگشتہ ہیں۔ اونٹ کی طرح ناک میں نکیل پڑی ہے اور کچھ نہیں جانتے کہ کدھر جا رہے ہیں۔ اِن کا کاروبار ہی دوسرا ہے۔ یہ بیچارے ان امور کی سمجھ بوجھ کے لئے مکلّف ہی نہیں ہیں"

حجت کے مبحث ہفتم میں اور انصاف میں شاہ صاحب نے اس مرض کی پوری تاریخ بیان کی ہے اور ان خرابیوں کی نشان دہی کی ہے جو اسکی بدولت پیدا ہوئیں۔

تاریخی تنقید کے بعد شاہ صاحب اپنے زمانہ کی حالت کا جائزہ لیتے ہیں اور ایک ایک گروہ کو نام بنام پکار کر اس کے نقائص بیان کرتے ہیں۔ تفہیمات میں ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

" یہ وصی (یعنی خود شاہ صاحب) ایسے زمانہ میں پیدا ہوا ہے جبکہ لوگوں میں تین چیزیں خلط ملط ہو گئی ہیں :

(۱) دلیل بازی، اور یہ یونانی علوم کے اختلاط کی بدولت ہے۔ لوگ کلامی مباحث میں مشغول ہو گئے ہیں یہاں تک کہ عقائد میں کوئی گفتگو ایسی نہیں ہوتی جو استدلالی مناظرات سے خالی ہو۔

(۲) وجدان پرستی، اور یہ صوفیوں کی مقبولیت اور انکی حلقہ بگوشی

کی وجہ سے ہے جس نے مشرق سے مغرب تک لوگوں کو گھیر رکھا ہے، یہاں تک کہ اِن حضرات کے اقوال و احوال لوگوں کے دلوں پر کتاب وسنت اور ہر چیز سے زیادہ تسلط رکھتے ہیں۔ اِن کے رموز و اشارات اس قدر دخل پا گئے ہیں کہ جو شخص ان رموز و اشارات کا انکار کرے یا اُن سے خالی ہو وہ نہ مقبول ہوتا ہے، نہ صالحین میں شمار ہوتا ہے۔ منبروں پر کوئی واعظ ایسا نہیں جس کی تقریر اشارات صوفیہ سے پاک ہو، اور درس کی مسندوں پر کوئی عالم ایسا نہیں جو ان کے کلام میں اعتقاد اور غور و خوض کا اظہار نہ کرے، ورنہ اس کا شمار گدھوں میں ہونے لگتا ہے۔ پھر امراء ورؤسا وغیرہ کی کوئی مجلس ایسی نہیں جن کے ہاں لطف کلام اور بذلہ سنجی اور تفنن طبع کے لیے صوفیہ کے اشعار اور نکات کھلونا بنے ہوئے نہ ہوں۔

(۳) طاعت، اور یہ اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ ملّت اسلامیہ میں داخل ہیں۔ پھر اس زمانہ کی ایک بیماری یہ ہے کہ ہر ایک اپنی رائے پر چلتا ہے اور بگ ٹٹ چلا جا رہا ہے، نہ متشابہات پر جا کر رکتا ہے اور نہ کسی ایسے امر میں دخل دینے سے باز رہتا ہے جو اس کے علم سے بالاتر ہو۔ احکام کے معانی اور اسرار پر ہر ایک اپنی عقل سے کلام کر رہا ہے اور جو کچھ جس نے سمجھ لیا ہے اس پر دوسروں سے مناظرہ و مباحثہ کر رہا ہے۔ دوسری بیماری یہ ہے کہ فقہ میں حنفی، شافعی وغیرہ کے سخت اختلافات پائے جاتے ہیں، ہر ایک اپنے طریقہ میں تعصب برتتا ہے اور دوسروں کے

Marfat.com

طریقہ پر اعتراض کرتا ہے، ہر مذہب میں تجزیات کی کثرت ہے اور حق اس غبار میں چھپ گیا ہے۔"

اسی کتاب میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔

" میں ان پیرزادوں سے، جو کسی استحقاق کے بغیر باپ دادا کی گدیوں پر بیٹھے ہیں، کہتا ہوں کہ یہ کیا دھڑے بندیاں تم نے کر رکھی ہیں؟ کیوں تم میں سے ہر ایک اپنے طریقہ پر چل رہا ہے۔ اور کیوں اُس طریقہ کو سب نے چھوڑ رکھا ہے جسے اللہ نے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا تھا؟ تم میں سے ہر ایک امام بن بیٹھا ہے، اپنی طرف لوگوں کو بلا رہا ہے اور اپنے آپکو ھادی و مہدی سمجھتا ہے حالانکہ وہ ضال و مضل ہے۔ ہم ہرگز ان لوگوں سے راضی نہیں ہیں جو دنیا کے فوائد کی خاطر لوگوں سے بعیت لیتے ہیں، یا اس لئے علم حاصل کرتے ہیں کہ اغراض دنیوی حاصل کریں یا لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیتے ہیں اور اپنی خواہشات نفس کی اطاعت ان سے کراتے ہیں۔ یہ سب رہزن ہیں، دجال ہیں، کذاب ہیں، خود بھی دھوکے میں ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں ....

میں اُن طالبانِ علم سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں کہ بے وقوفو! تم یونانیوں کے علوم اور صرف و نحو و معانی میں پھنس گئے اور سمجھے کہ علم اس کا نام ہے، حالانکہ علم تو کتاب اللہ کی آیت محکمہ ہے، یا وہ سنت ہے جو رسول سے ثابت ہو .... تم پچھلے فقہاء کے

استحسانات اور تفریعات میں ڈوب گئے۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ حکم صرف وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہو؟ تم میں سے اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کسی کو نبی کی کوئی حدیث پہنچتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرا عمل تو فلاں کے مذہب پر ہے نہ کہ حدیث پر۔ پھر وہ حیلہ یہ پیش کرتا ہے کہ "صاحب! حدیث کا فہم اور اس کے مطابق فیصلہ تو کاملین و ماہرین کا کام ہے" اور یہ حدیث ائمہ سلف سے چھپی تو رہی نہ ہوگی، پھر کوئی وجہ تو ہوگی کہ انہوں نے اسے ترک کر دیا" جان رکھو کہ یہ ہرگز دین کا طریقہ نہیں ہے۔ اگر تم اپنے نبی پر ایمان لائے ہو تو اس کا اتباع کرو خواہ کسی مذہب کے موافق ہو یا مخالف.....

میں ان متقشف واعظوں، عابدوں اور خانقاہ نشینوں سے کہتا ہوں کہ اے زہد کے مدعیو! تم ہر وادی میں بھٹک نکلے اور ہر رطب و یابس کو لے بیٹھے۔ تم نے لوگوں کو موضوعات اور اباطیل کی طرف بلایا تم نے خلق خدا پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا، حالانکہ تم فراخی کے لئے مامور تھے نہ کہ تنگی کے لئے۔ تم نے مغلوب الحال عشاق کی باتوں کو اپنا مدار علیہ بنا لیا ہے حالانکہ یہ چیزیں پھیلانے کی نہیں، لپیٹ کر رکھ دینے کی ہیں...

میں امراء سے کہتا ہوں کہ تمہیں خدا کا خوف نہیں آتا؟ تم فانی لذتوں کی طلب میں مستغرق ہو گئے اور رعیت کو چھوڑ دیا کہ ایک دوسرے کو کھا جائے علانیہ شرابیں پی جا رہی ہیں اور تم نہیں روکتے۔ زنا کاری، شراب خواری اور قمار بازی کے اڈے بر سر عام بن گئے ہیں اور تم ان کا انسداد نہیں کرتے

اس عظیم الشان ملک میں مدتہائے دراز سے کوئی حدّ شرعی نہیں لگائی گئی۔ جس کو تم ضعیف پاتے ہو اسے کھا جاتے ہو اور جسے قوی پاتے ہو اسے چھوڑ دیتے ہو۔ کھانوں کی لذت، عورتوں کے ناز و انداز، کپڑوں اور مکانوں کی لطافت، بس یہ چیزیں ہیں جن میں تم ڈوب گئے ہو۔ کبھی خدا کا خیال تمہیں نہیں آتا......

میں ان فوجی آدمیوں سے کہتا ہوں کہ تم کو تو اللہ نے جہاد کے لیے، اعلائے کلمۂ حق کے لیے، شرک و اہل شرک کا زور توڑنے کے لیے بنایا تھا اس کو چھوڑ کر تم نے گھوڑ سواری اور ہتھیار بندی کو پیشہ بنالیا۔ اب جہاد کی نیت اور قصد سے تمہارے دل خالی ہیں۔ پیسہ کمانے کے لیے سپاہی گری کا پیشہ کرتے ہو۔ بھنگ اور شراب پیتے ہو۔ ڈاڑھیاں منڈاتے اور مونچھیں بڑھاتے ہو۔ بندگانِ خدا پر ظلم ڈھاتے ہو اور تمہیں کبھی اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ حرام کی روٹی کمارہے ہو یا حلال کی۔ خدا کی قسم تمہیں ایک روز دنیا سے جانا ہے، پھر اللہ تمہیں بتائے گا کہ کیا کرکے آئے ہو.........

میں ان اہلِ حرفہ اور عوام سے کہتا ہوں کہ تم میں سے امانت و دیانت رخصت ہو گئی ہے، اپنے رب کی عبادت سے تم غافل ہو گئے ہو اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگے ہو۔ تم غیر اللہ کے لیے قربانیاں کرتے ہو اور مدار صاحب اور سالار صاحب کی قبروں کا حج کرتے ہو۔ یہ تمہارے بدترین افعال ہیں۔ تم میں سے جو کوئی خوشحال ہو جاتا ہے وہ اپنے لباس اور

Marfat.com

کھانے پر اتنا خرچ کرتا ہے کہ اس کی آمدنی اس کے لئے کافی نہیں ہوتی اور اہل و عیال کی حق تلفی کرنی پڑتی ہے یا پھر وہ شراب نوشی اور کرایہ کی عورتوں میں اپنی معاش اور معاد دونوں کو ضائع کرتا ہے......

پھر میں مسلمانوں کی تمام جماعتوں کو عام خطاب کر کے کہتا ہوں کہ اے بنی آدم! تم نے اپنے اخلاق کھو دئے، تم پر تنگ دلی چھا گئی اور شیطان تمہارا محافظ بن گیا۔ عورتیں مردوں پر حاوی ہو گئی ہیں اور مردوں نے عورتوں کو ذلیل بنا رکھا ہے۔ حرام میں تمہیں مزا آتا ہے، اور حلال تمہارے لئے بدمزہ بن گیا ہے.......... اے بنی آدم! تم نے ایسی فاسد رسمیں اختیار کر لی ہیں جن سے دین متغیر ہو گیا ہے۔ مثلاً روز عاشورا، کو تم جمع ہو کر باطل حرکات کرتے ہو! ایک جماعت نے اس دن کو ماتم کا دن بنا رکھا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ سب دن اللہ کے ہیں اور سارے حوادث اللہ کی مشیت سے ہوتے ہیں؟ اگر حسین رضی اللہ عنہ اس روز شہید کئے گئے تو اور کونسا دن ہے جس میں کسی محبوبِ خدا کی موت واقع نہ ہوئی ہو؟ کچھ لوگوں نے اس دن کو کھیل تماشوں کا دن بنا لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اسے مذہبی مناسک کا دن بنا رکھا ہے۔ پھر تم شب برات میں جاہل قوموں کی طرح کھیل تماشے کرتے ہو اور تم میں ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اس روز مُردوں کو کثرت سے کھانا بھیجنا چاہیئے۔ اگر تم سچے ہو تو اپنے اس خیال اور ان حرکات کے لئے کوئی دلیل لاؤ۔ پھر تم نے ایسی رسمیں بنا رکھی ہیں جن سے تمہاری زندگی تنگ ہو رہی ہے،

Marfat.com

مثلاً شادیوں میں فضول خرچی، طلاق کو ممنوع بنا لینا، بیوہ عورت کو بٹھا رکھنا۔ اس قسم کی رسموں میں تم اپنے مال اور اپنی زندگیوں کو خراب کر رہے ہو اور ہدایت صالحہ کو تم نے چھوڑ دیا ہے، حالانکہ بہتر یہ تھا کہ ان رسموں کو چھوڑ کر اُس طریقہ پر چلتے جس میں سہولت تھی نہ کہ تنگی۔ پھر تم نے موت اور غمی کو عید بنا رکھا ہے، گویا تم پر کسی نے فرض کر دیا ہے کہ جب کوئی مر تو اُس کے اقربا خوب کھانے کھلائیں۔ تم نمازوں سے غافل ہو، کوئی اپنے کاروبار میں اتنا مشغول ہوتا ہے کہ نماز کے لئے وقت نہیں پاتا اور کوئی اپنی تفریحوں اور خوش گپیوں میں اتنا منہمک ہوتا ہے کہ نماز فراموش ہو جاتی ہے۔ تم زکوٰۃ سے بھی غافل ہو، تم میں کوئی مالدار ایسا نہیں جس کے ساتھ بہت سے کھانے والے لگے ہوئے نہ ہوں، وہ ان کو کھلاتا اور پہناتا ہے مگر زکوٰۃ سے بھی غافل ہو، تم میں کوئی مالدار ایسا نہیں جس کے ساتھ بہت سے کھانے والے لگے ہوئے نہ ہوں، وہ ان کو کھلاتا اور پہناتا ہے مگر زکوٰۃ اور عبادت کی نیت نہیں کرتا۔ تم رمضان کے روزے بھی ضائع کرتے ہو اور اس کے لئے طرح طرح کے بہانے بناتے ہو۔ تم لوگ سخت بے تدبیر ہو گئے ہو۔ تم نے اپنی بسر اوقات کا انحصار سلاطین کے وظائف و مناصب پر کر رکھا ہے اور جب تمہارا بار سنبھالنے کے لئے سلاطین کے خزانے کافی نہیں ہوتے تو وہ رعیت کو تنگ کرنے لگتے ہیں ۔۔۔۔۔“

ایک اور تفہیم میں فرماتے ہیں :۔

”جو لوگ حاجتیں طلب کرنے کے لئے اجمیر جا سالار مسعود کی قبر یا ایسے

Marfat.com

ہی دوسرے مقامات پر جاتے ہیں وہ اتنا بڑا گناہ کرتے ہیں کہ قتل اور زنا کا گناہ اس سے کم تر ہے۔ آخر اس میں اور خود ساختہ معبودوں کی پرستش میں فرق کیا ہے؟ جو لوگ لات اور عزیٰ سے حاجتیں طلب کرتے تھے اُن کا فعل ان لوگوں کے فعل سے آخر کس طرح مختلف تھا؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم اُن کے برعکس ان لوگوں کو صاف الفاظ میں کافر کہنے سے احتراز کرتے ہیں کیونکہ خاص اِن کے معاملہ میں شارع کی نص موجود نہیں ہے۔ مگر اصولاً ہر وہ شخص جو کسی مُردے کو زندہ ٹھیرا کر اُس سے حاجتیں طلب کرتا ہے اُسکا دل گناہ میں مبتلا ہے"۔

یہ اقتباسات بہت طویل ہوگئے ہیں، مگر تفہیمات جلد دوم کے چند فقرے اور نقل کر رہے ہیں کہ ان کو بھی اس سلسلے میں ناظرین تک پہنچا دیا جائے۔ فرماتے ہیں:۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ تم مسلمان بھی آخر کار اپنے سے پہلے کی امتوں کے طریقے اختیار کر لوگے اور جہاں جہاں انہوں نے قدم رکھا ہے وہاں تم بھی قدم رکھو گے حتیٰ کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھسے ہیں تو تم بھی اُن کے پیچھے جاؤ گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ پہلی امتوں سے آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ حضور نے فرمایا اور کون؟ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

سچ فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ ضعیف الایمان مسلمان دیکھے ہیں جنہوں نے صلحاء کو ارباب من دون اللہ بنا لیا ہے اور یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے۔

Marfat.com

ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو کلام شارع میں تحریف کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ نیک لوگ اللہ کے لئے ہیں اور گنا ہگار میرے لئے۔ یہ اُسی قسم کی بات ہے جیسی یہودی کہتے تھے کہ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً (ہم دوزخ میں نہ جائیں گے اور گئے بھی تو بس چند روز کے لئے)۔ سچ پوچھو تو آج ہر گروہ میں دین کی تحریف پھیلی ہوئی ہے۔ صوفیہ کو دیکھو تو ان میں ایسے اقوال زبان زد ہیں جو کتاب و سنت سے مطابقت نہیں رکھتے، خصوصاً مسئلہ توحید میں، اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شرع کی انہیں بالکل پروا نہیں ہے۔ فقہاء کی فقہ کو دیکھو تو اس میں اکثر وہ باتیں ملتی ہیں جن کے ماخذ کا پتہ ہی نہیں، مثلاً وہ دردہ کا مسئلہ[۱] اور کنوؤں کی طہارت کا مسئلہ[۲]۔ رہے اصحاب معقول اور شعراء اور اصحاب ثروت اور عوام تو ان کی تحریفات کا ذکر کہاں تک کیا جائے ''۔

ان اقتباسات سے ایک دھندلا سا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب نے مسلمانوں کے ماضی اور حال کا کس قدر تفصیلی جائزہ لیا ہے اور کس قدر جامعیت کے ساتھ اُن پر تنقید کی ہے۔ اس قسم کی تنقید کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی میں جتنے صالح عناصر موجود ہوتے ہیں، جن کے ضمیر و ایمان میں زندگی اور جن کے قلب میں برے اور بھلے کی تمیز ہوتی ہے، ان کو حالات کی خرابی کا احساس سخت مضطرب کر دیتا ہے ان کی اسلامی حس اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ اپنے گرد و پیش کی زندگی میں جاہلیت کا ہر

---

[۱] :- یعنی یہ مسئلہ کہ دس ہاتھ لمبا دس ہاتھ چوڑا حوض ہو تب اس کا پانی ماء کثیر ہوگا۔

[۲] :- یعنی یہ مسئلہ کہ کنویں میں کس جانور کے گرنے پر کتنے ڈول پانی کے نکالے جائیں۔

Marfat.com

اثر انہیں کھٹکنے لگتا ہے۔ ان کی قوتِ امتیاز اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر پہلو
اسلام اور جاہلیت کی آمیزشوں کو تحلیل کرنے لگتے ہیں۔ اور ان کی قوت ایمانی ا
بیدار ہو جاتی ہے کہ خار زار جاہلیت کی ہر کھٹک انہیں اصلاح کے لئے بے چین
ہے۔ اس کے بعد مجدّد کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ان کے سامنے تعمیر نو کا ایک نقشہ
واضح صورت میں پیش کرے تاکہ حالت موجودہ کو جس حالت سے بدلنا مطلوب
اُس پر وہ اپنی نظر جما سکیں اور اپنی تمام سعی وعمل کو اسی سمت میں مرکوز کر دیں۔
تعمیری کام بھی شاہ صاحب نے اُسی خوبی اور جامعیت کے ساتھ انجام دیا جو ان
تنقیدی کام میں آپ دیکھ چکے ہیں۔

تعمیر کے سلسلہ میں ان کا پہلا اہم کام یہ ہے کہ وہ فقہ میں ایک نہایت
معتدل مسلک پیش کرتے ہیں جس میں کسی ایک مذہب کی جانب داری اور دوسرے
مذاہب پر نکتہ چینی نہیں پائی جاتی۔ ایک محقق کی طرح انہوں نے تمام مذاہب فقہ
کے اصول اور طریق استنباط کا مطالعہ کیا ہے اور بالکل آزادانہ رائے قائم کی ہے۔ جس
مذہب کی کسی مسئلہ میں تائید کی، اس بنا پر کی کہ دلیل اس کے حق میں پائی، نہ اس
بنا پر کہ وہ اس مذہب کی وکالت کا عہد کر چکے ہیں۔ اور جس سے اختلاف کیا، اس
بنا پر کیا کہ دلیل اس کے خلاف پائی، نہ اس بنا پر کہ انہیں اُس سے عناد ہے۔ اسی
وجہ سے کہیں وہ حنفی نظر آتے ہیں، کہیں شافعی، کہیں مالکی اور کہیں حنبلی۔ انہوں نے
اُن لوگوں سے بھی اختلاف کیا ہے جو ایک مذہب کی پیروی کا قلادہ اپنی گردن
میں ڈال لیتے ہیں اور قسم کھا لیتے ہیں کہ تمام مسائل میں اسی کا اتباع کریں گے
اور اسی طرح وہ اُن سے بھی سخت اختلاف کرتے ہیں جنہوں نے ائمہ مذاہب میں

ی کی مخالفت کا عہد کر لیا ہے۔ اِن دونوں کے بین بین وہ ایک ایسے معتدل راستہ
چلتے ہیں جس میں ہر غیر متعصب طالب حق کو اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ ان کا
سالہ انصاف اس مسلک کا آئینہ ہے۔ یہی رنگ مصفیٰ اور ان کی دوسری کتابوں میں
ایا جاتا ہے۔ تفہیمات میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

"میرے دل میں ایک خیال ڈالا گیا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابو حنیفہ اور شافعی کے مذہب امت میں سب سے زیادہ مشہور ہیں سب سے زیادہ پیرو بھی انہی دونوں کے پائے جاتے ہیں اور تصنیفات بھی انہی مذاہب کی زیادہ ہیں۔ فقہاء، محدثین، مفسرین، متکلمین اور صوفیہ زیادہ تر مذہب شافعی کے پیرو ہیں اور حکومتیں اور عوام زیادہ تر مذہب حنفی کے متبع ہیں۔ اس وقت جو امر حق ملاءِ اعلیٰ کے علوم سے مطابقت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک مذہب کی طرح کر دیا جائے۔ دونوں کے مسائل کو حدیثِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعوں سے مقابلہ کرکے دیکھا جائے۔ جو کچھ ان کے موافق ہو وہ باقی رکھا جائے اور جس کی کوئی اصل نہ ملے اسے ساقط کر دیا جائے۔ پھر جو چیزیں تنقید کے بعد ثابت نکلیں، اگر وہ دونوں مذہبوں میں متفق علیہ ہوں تو وہ اس لائق ہیں کہ انہیں دانتوں سے پکڑ لیا جائے۔ اور اگر ان میں دونوں کے درمیان اختلاف ہو تو مسئلے میں دونوں قول تسلیم کئے جائیں اور دونوں پر عمل کرنے کو صحیح قرار دیا جائے۔ یا تو ان کی حیثیت ایسی ہوگی جیسی قرآن میں اختلافِ قرأت کی حیثیت ہے، یا رخصت اور عزیمت کا فرق ہوگا، یا کسی

Marfat.com

مخمصہ سے نکلنے کے دو راستوں کی سی نوعیت ہو گی جیسے تعدد کفارات
یا دو برابر کے مباح طریقوں کا سا حال ہو گا۔ اِن چار پہلوؤں کے
باہر کوئی پہلو انشاء اللہ تعالیٰ نہ پایا جائے گا۔"

الانصاف میں انہوں نے اپنی رائے اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ دی ہے چنانچہ باب سوم میں واعلم ان التخریج علے کلام الفقہاء سے لیکر آخر باب تک جو کچھ لکھا ہے وہ اس لائق ہے کہ اہلِ الحدیث اور اہلِ تخریج دونوں اس کو غور کی نگاہ سے دیکھیں۔ اس بحث میں انھوں نے جس طریقہ کو ترجیح دی ہے، وہ یہ ہے کہ طریق اہل حدیث اور طریق اہل تخریج، دونوں کو جمع کیا جائے! اسی طرح حجت کے مبحث ہفتم میں فصل ومما یناسب ھذا المقام التنبیہ علے مسائل ضلت فی بوادیہا الافہام کے تحت جو بحث کی ہے وہ بھی دیکھنے کے لائق ہے۔

یہ مسلکِ معتدل اختیار کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ تعصب اور تنگ نظری اور تقلید جامد اور لاطائل بحثوں میں تضیع اوقات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وسعتِ نظر کے ساتھ تحقیق و اجتہاد کا راستہ کھلتا ہے۔ چنانچہ اس کے ساتھ ہی شاہ صاحب اجتہاد کی ضرورت پر زور دیتے ہیں، اور قریب قریب ان کی تمام کتابوں میں ایسی عبارتیں موجود ہیں جن میں کسی نہ کسی طرح تحقیق و اجتہاد پر اُکسایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر مصفّٰی کے مقدمہ سے چند فقرے انہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔

"اجتہاد در ہر عصر فرض بالکفایہ است۔ ومراد از اجتہاد اینجا..... معرفت احکام شرعیہ از ادلۂ تفصیلیہ و تفریع و ترتیبِ مجتہدانہ اگرچہ بارشاد صاحب مذہبے بودہ باشد۔ وآنکہ گفتیم اجتہاد در ہر عصر فرض است، بجہت آنست

کہ مسائل کثیرۃ الوقوع غیر محصور اند، و معرفت احکام الٰہی درانہا واجب، وآنچہ مسطور و مدون شدہ است غیر کافی، و درانہا اختلاف بسیار کہ بدون رجوع بادلہ حلِ اختلافِ آں نتواں کرد، وطُرقِ آں تا مجتہدین غالباً منقطع، پس بغیر عرض بر قواعدِ اجتہاد راست نیاید۔"

یہی نہیں کہ شاہ صاحب نے اجتہاد پر محض زور ہی دیا ہو، بلکہ انہوں نے ی تفصیل کے ساتھ اجتہاد کے اصول و قواعد اور اس کی شرائط کو بیان بھی کیا ہے، ل، حجت، عقد الجید، انصاف، بدور بازغہ، مصفّٰی وغیرہ میں اس مسئلہ پر کہیں اشارات ہیں مفصل تقریریں موجود ہیں۔ نیز اپنی کتابوں میں جہاں بھی انہوں نے کسی مسئلہ نگو کی ہے ایک محقق اور مجتہد کی حیثیت سے کی ہے، گویا اُن کی کتابوں کے مطالعہ ا دمی کو نہ صرف اجتہاد کے اصول معلوم ہوسکتے ہیں بلکہ ساتھ ساتھ اس کی تربیت مل جاتی ہے۔

مذکورۂ بالا دو کام تو ایسے ہیں جو شاہ صاحب سے پہلے بھی لوگوں نے کئے ، مگر جو کام ان سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا وہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے پورے ی، اخلاقی، شرعی اور تمدنی نظام کو ایک مرتب صورت میں پیش کرنے کی کوشش ہے۔ یہ وہ کارنامہ ہے جس میں وہ اپنے تمام پیش روؤں سے بازی لے گئے ہیں رچہ ابتدائی تین چار صدیوں میں بکثرت ایسے ائمہ گذرے ہیں جن کے کام کو دیکھنے ے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذہن میں اسلام کے نظام حیات کا مکمل تصور رکھتے ں، اور اسی طرح بعد کی صدیوں میں بھی ایسے محققین ملتے ہیں جن کے متعلق یہ گمان ہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس تصور سے خالی تھے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی جامعیت

Marfat.com

اور منطقی ترتیب کے ساتھ اسلامی نظام کو بحیثیت ایک نظام کے مرتب کرنے کی طرف نہیں کی۔ یہ شرف شاہ ولی اللہ ہی کے لیئے مقدر ہو چکا تھا کہ اِس راہ میں پیش قدمی کریں۔ ان کی کتابوں میں سے حجۃ اللہ اور البدور البازغہ، دونوں کا موضوع یہی ہے۔ پہلی کتاب زیادہ مفصل ہے اور دوسری زیادہ فلسفیانہ۔

ان کتابوں میں انہوں نے مابعد الطبیعی مسائل سے ابتدار کی ہے اور تاریخ میں پہلی مرتبہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص فلسفۂ اسلام کو مدون کرنے کی بنا ڈال رہا ہے۔ اس سے پہلے مسلمان فلسفہ میں جو کچھ لکھتے اور کہتے رہے اس کو محض نادانی سے لوگوں نے "فلسفۂ اسلام" کے نام سے موسوم کر رکھا ہے، حالانکہ وہ فلسفۂ اسلام نہیں فلسفۂ مسلمین ہے جس کا شجرۂ نسب یونان و روم اور ایران و ہندوستان سے ملتا ہے۔ فی الواقع جو چیز اس نام سے موسوم کرنے کے لائق ہے اس کی داغ بیل سب سے پہلے اسی دھلوی شیخ نے ڈالی ہے۔ اگرچہ اصطلاحات وہی قدیم فلسفۂ و کلام یا فلسفۂ تصوف کی زبان سے لی ہیں، اور غیر شعوری طور پر بہت سے تخیلات بھی وہیں سے آگئے ہیں، جیساکہ اوّل اوّل ہر نئی راہ نکالنے والے کے لئے طبعاً ناگزیر ہے، پھر بھی تحقیق کا ایک نیا دروازہ کھولنے کی یہ ایک بڑی زبردست کوشش ہے، خصوصاً ایسے شدید انحطاط کے دور میں اتنی طاقتور عقلیت کے آدمی کا ظاہر ہونا حیرت انگیز ہے۔

اس فلسفہ میں شاہ صاحب کائنات کا اور کائنات میں انسان کا ایک تصور قائم کرنے کی سعی کرتے ہیں جو اسلام کے نظام اخلاق و تمدن کے ساتھ ہم آہنگ و متحد المزاج ہو سکتا ہو، یا دوسرے الفاظ میں جس کو اگر شجرۂ اسلام کی جڑ قرار

Marfat.com

...ے تو جڑ میں اور اُس درخت میں جو اُس سے پھوٹا، عقلاً کوئی فطری مباینت محسوس ...ں جا سکتی ہو ۔۔۔ میں حیران رہ جاتا ہوں جب سنتا ہوں کہ شاہ صاحب نے ...یدانتی فلسفہ اور اسلامی فلسفہ کا جوڑ لگا کر نئی ہندی قومیت کے لئے فکری اساس ...ہم کرنے کی کوئی کوشش کی تھی۔ مجھے ان کی کتابوں میں اس کوشش کا کہیں سراغ ...ملا۔ اور اگر مل جاتا تو باللہ العظیم کہ میں شاہ صاحب کو مجدّدین کی فہرست سے ...ج کر کے متجدّدین کی صف میں لے جا کر بٹھاتا۔

مابعد الطبیعی بنیاد کو استوار کرنے کے بعد وہ اس پر ایک نظام اخلاق مرتب ...تے ہیں اور اس مقام پر انتہائی جذبۂ اعتراف کے ساتھ میں دیکھتا ہوں کہ وہ یونانی ...یکس کی غلامی سے پہلو بچا رہے ہیں، اُس اتھکس کی غلامی سے جس میں دوّانی جیسے ...ے جا پھنسے اور جس کا اچھا خاصا اثر امام غزالی تک کے ذہن پر قائم رہا۔ مگر یہ کہنا ...ع نہ ہوگا کہ شاہ صاحب اس اتھکس کے اثر سے بالکل آزاد ہو چکے تھے۔

نظام اخلاق پر وہ ایک اجتماعی فلسفہ (Social Philosophy) کی عمارت ...ٹھاتے ہیں جس کے لئے انہوں نے ارتفاقات کا عنوان تجویز کیا ہے، اور اُس

---

۹ :۔ جو فلسفہ مسلمانوں میں رائج تھا وہ اسلام کے عملی، اخلاقی اور اعتقادی نظام سے کوئی ربط ...رکھتا تھا۔ اس وجہ سے اس کا رواج جتنا جتنا بڑھا اسی قدر مسلمانوں کی زندگی بگڑتی چلی گئی، عقیدہ بھی کمزور ہوا ...خلاق بھی ڈھیلے ہوئے اور قوائے عمل بھی سرد ہو گئے۔ ذہن میں متصادم خیالات کی کشمکش کا یہ طبیعی نتیجہ ...ہے۔ اور یہی اثرات موجودہ مغربی فلسفہ کے رواج سے بھی رونما ہو رہا ہے، کیونکہ وہ بھی کسی ...طرح نظام اسلامی کی فکری اساس نہیں بن سکتا۔

سلسلہ میں تدبیر منزل، آداب معاشرت، سیاست مدن، عدالت، ضرب محاصل (Taxation) انتظام ملکی اور تنظیم عسکری وغیرہ کی تفصیلات بیان کرتے ہیں، اور ساتھ ہی اُن اسباب پر روشنی ڈالتے ہیں جن سے تمدن میں فساد پیدا ہوتا ہے۔

پھر وہ نظام شریعت، عبادات، احکام اور قوانین کو پیش کرتے ہیں اور ہر ایک چیز کی حکمتیں سمجھاتے چلے جاتے ہیں۔ اس خاص مضمون پر جو کام انہوں نے کیا ہے وہ اسی نوعیت کا ہے جو ان سے پہلے امام غزالی نے کیا تھا، اور قدرتی بات یہ ہے کہ وہ اس راہ میں امام موصوف سے آگے بڑھ گئے ہیں۔

آخر میں انہوں نے تاریخ ملل و شرائع پر بھی نظر ڈالی ہے اور کم از کم میرے علم کی حد تک وہ پہلے شخص ہیں جس نے اسلام و جاہلیت کی تاریخی کشمکش کا ایک دھندلا سا تصور پیش کیا ہے۔

نظام اسلامی کے اس قدر معقول اور اتنے مرتب خاکے کا پیش ہو جانا بجائے خود اس امر کی پوری ضمانت ہے کہ وہ تمام صحیح الفطرت اور سلیم الطبع لوگوں کا نصب العین بن جائے، اور جو لوگ اُن میں سے زیادہ قوت عمل رکھتے ہوں وہ اس نصب العین کے لیے جان و تن کی بازی لگا دیں، خواہ اس نصب العین کو سامنے رکھنے والا خود عملاً ایسی کسی تحریک کی رہنمائی کرے یا نہ کرے۔ مگر جو چیز اس سے بھی زیادہ محرک ثابت ہوئی وہ یہ تھی کہ شاہ صاحب نے جاہلی حکومت اور اسلامی حکومت کے فرق کو بالکل نمایاں کر کے لوگوں کے سامنے رکھ دیا، اور نہ صرف اسلامی حکومت کی خصوصیات صاف صاف بیان کیں، بلکہ اس مبحث کو بتکرار ایسے طریقوں سے پیش کیا جن کی وجہ سے اصحاب ایمان

Marfat.com

لیے جاہلی حکومت کو اسلامی حکومت سے بدلنے کی جدوجہد کیے بغیر چین سے بیٹھنا محال
بیا۔ یہ مضمون حجت میں بھی کافی تفصیل کے ساتھ آیا ہے، مگر ازالہ تو گویا ہے ہی اسی موضوع
اس کتاب میں وہ احادیث سے ثابت کرتے ہیں کہ خلافت اسلامی اور بادشاھی
بالکل مختلف الاصل چیزیں ہیں۔ پھر ایک طرف بادشاہی کو اور ان تمام فتنوں کو
تے ہیں جو بادشاھی کے ساتھ مسلمانوں کی حیات اجتماعی میں از روئے تاریخ پیدا ہوئے
دوسری طرف خلافت اسلامی کی خصوصیات اور شرائط کو اور اُن رحمتوں کو پیش
یتے ہیں جو اسلامی خلافت میں فی الواقع مسلمانوں پر نازل ہو چکی ہیں۔ اس کے
کس طرح ممکن تھا کہ لوگ چین سے بیٹھ جاتے۔

سید احمدؒ بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہید

یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کی وفات پر پوری نصف صدی بھی نہ گزری
کہ ہندوستان میں ایک تحریک اٹھ کھڑی ہوئی جس کا نصب العین وہی تھا جو شاہ
احب نگاہوں کے سامنے روشن کر کے رکھ گئے تھے۔ سید صاحب کے خطوط اور ملفوظات
رشاہ شہیدؒ کی منصب امامت، عبقات تقویۃ الایمان اور دوسری تحریریں دیکھیے۔
نوں جگہ وہی شاہ صاحب کی زبان بولتی نظر آئے گی۔ شاہ صاحب نے عملاً جو کچھ

ا :- سید صاحب ۱۲۰۱ھ/۱۷۸۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء میں شہادت پائی شاہ اسماعیل صاحب
۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷ء میں پیدا ہوئے ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء میں شہادت پائی۔ انقلابی تحریک کی چنگاری سید صاحب
کے دل میں غالباً ۱۸۱۰ء کے لگ بھگ زمانے ہی میں بھڑک اٹھی۔

Marfat.com

کیا وہ یہ تھا کہ حدیث اور قرآن کی تعلیم اور اپنی شخصیت کی تاثیر سے صحیح الخیال اور صا
لوگوں کی ایک کثیر تعداد پیدا کر دی، اور پھر ان کے چاروں صاحبزادوں نے، خصو
شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اس حلقے کو بہت زیادہ وسیع کیا، یہاں تک کہ ہزارہا ایسے آ
ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئے جن کے اندر شاہ صاحب کے خیالات نفو
کئے ہوئے تھے، جن کے دماغوں میں اسلام کی صحیح تصویر اتر چکی تھی، اور جو اپنے علم و فض
اور اپنی عمدہ سیرت کی وجہ سے عام لوگوں میں شاہ صاحب اور ان کے حلقہ کا اثر قا
ہونے کا ذریعہ بن گئے تھے۔ اس چیز نے اُس تحریک کے لئے گویا زمین تیار کر دی جو
بالآخر شاہ صاحب ہی کے حلقہ سے، بلکہ یوں کہئے کہ ان کے گھر سے اٹھنے والی تھی۔

سید صاحب اور شاہ صاحب دونوں روحاً و معنیً ایک وجود رکھتے
اور اس وجودِ متحد کو میں مستقل بالذات مجدّد نہیں سمجھتا بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تج
کا تتمہ سمجھتا ہوں۔ ان حضرات کے کارنامے کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) انہوں نے عامّۂ خلائق کے دین، اخلاق اور معاملات کی اصلا
کا بیڑا اٹھایا، اور جہاں جہاں ان کے اثرات پہنچ سکے وہاں زندگیوں میں ایس
زبردست انقلاب رونما ہوا کہ صحابۂ کرام کے دور کی یاد تازہ ہوگئی۔

(۲) انہوں نے اتنے وسیع پیمانے پر، جو انیسویں صدی کے ابتدائی دو
میں ہندوستان جیسے بر سرِ تنزل ملک میں بمشکل ہی ممکن ہو سکتا تھا، جہاد کی تیا
کی، اور اس تیاری میں اپنی تنظیمی قابلیت کا کمال ظاہر کر دیا۔ پھر غایت تدبّر کے
ساتھ آغاز کار کے لئے شمالی مغربی ہندوستان کو منتخب کیا جو ظاہر ہے کہ جغرا
و سیاسی حیثیت سے اس کام کے لئے موزوں ترین خط ہو سکتا تھا پھر اس

ٹھیک وہی اصولِ اخلاق اور قوانینِ جنگ استعمال کیے جن سے ایک دنیا پرست
آزما کے مقابلہ میں ایک مجاہد فی سبیل اللہ ممتاز ہوتا ہے، اور اس طرح انہوں نے
معنوں میں روحِ اسلامی کا پھر ایک مرتبہ دنیا کے سامنے مظاہرہ کر دیا۔ ان کی
ملک و مال، یا قومی عصبیت، یا کسی دنیوی غرض کے لئے نہ تھی بلکہ خالص فی سبیل اللہ
، ان کے سامنے کوئی مقصد اس کے سوا نہ تھا کہ خلق اللہ کو جاہلیت کی حکومت سے
یں اور وہ نظامِ حکومت قائم کریں جو خالق اور مالک الملک کے منشا کے مطابق
۔ اس غرض کے لئے جب وہ لڑے تو حسبِ قاعدہ اسلام یا جزیہ کی طرف پہلے دعوت
اور پھر اتمامِ حجت کر کے تلوار اٹھائی! ور جب تلوار اٹھائی تو جنگ کے اُس مہذب
ن کی پوری پابندی کی جو اسلام نے سکھایا ہے۔ کوئی ظالمانہ اور وحشیانہ فعل
سے سرزد نہیں ہوا۔ جس بستی میں داخل ہوئے مصلح کی حیثیت سے داخل ہوئے
مفسد کی حیثیت سے۔ ان کی فوج کے ساتھ نہ شراب تھی، نہ بینڈ بجتا تھا، نہ بیسواؤں
پلٹن ہوتی تھی، نہ ان کی چھاؤنی بدکاریوں کا اڈا بنتی تھی، اور نہ ایسی کوئی مثال
ہے کہ ان کی فوج کسی علاقے سے گذری ہو اور اس علاقے کے لوگ اپنے مال اور
عورتوں کی عصمتیں لٹنے پر ماتم کناں ہوں۔ ان کے سپاہی دن کو گھوڑے
پیٹھ پر اور رات کو جانماز پر ہوتے تھے۔ خدا سے ڈرنے والے، آخرت کے حساب کو
رکھنے والے، اور ہر حال میں راستی پر قائم رہنے والے خواہ اُس پر قائم رہنے میں
کو فائدہ پہنچے یا نقصان۔ انہوں نے کہیں شکست کھائی تو بزدل ثابت نہ ہوئے
کہیں فتح پائی تو جبار اور متکبر نہ پائے گئے۔

(۳) اُن کو ایک چھوٹے سے علاقہ میں حکومت کرنے کا جو تھوڑا سا موقع ملا

Marfat.com

اُس میں انہوں نے ٹھیک اُس طرز کی حکومت قائم کی جس کو خلافت علیٰ منہاج ا
کہا گیا ہے۔ وہی فقیرانہ امارت، وہی مساوات، وہی شوریٰ، وہی عدل و انصا
وہی حدود شرعیہ، وہی مال کو حق کے ساتھ لینا اور حق کے مطابق صرف کرنا، وہی
کی حمایت اگرچہ ضعیف ہو اور ظالم کی مخالفت اگرچہ قوی ہو، وہی خدا سے ڈر کر حکو
کرنا اور اخلاق صالحہ کی بنیاد پر سیاست چلانا، غرض ہر پہلو میں انہوں نے اس
حکمرانی کا نمونہ ایک مرتبہ پھر تازہ کر دیا جو کبھی صدیقؓ و فاروقؓ نے کی تھی۔

یہ لوگ بعض طبعی اسباب کی وجہ سے، جن کا ذکر آگے آتا ہے، ناکام ہو
مگر خیالات میں جو حرکت وہ پیدا کر گئے تھے اس کے اثرات ایک صدی سے زیادہ م
گذر جانے کے باوجود اب تک ہندوستان میں موجود ہیں۔

اسباب ناکامی | اس آخری مجددانہ تحریک کی ناکامی کے اسباب پر بحث کرنا ا
اُن حضرات کے مذاق کے خلاف ہے جو بزرگوں کا ذکر عقیدت ہی کے ساتھ کرنا
کرتے ہیں۔ اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ جو کچھ میں اس عنوان کے تحت عرض کروں
وہ میرے بہت سے بھائیوں کے لئے تکلیف کا موجب ہوگا۔ لیکن اگر ہمارا مقصد
تمام ذکر اذکار سے محض سابقین بالایمان کو خراج تحسین ہی پیش کرنا نہیں ہے، ب
آئندہ تجدید دین کے لئے ان کے کاموں سے سبق حاصل کرنا بھی ہے، تو ہمارے
لئے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ تاریخ پر تنقیدی نگاہ ڈالیں اور ان بزرگوں
کارناموں کا سراغ لگانے کے ساتھ اُن اسباب کا کھوج بھی لگائیں جن کی وجہ
یہ اپنے مقصد کو پہنچنے میں ناکام ہوئے، شاہ صاحب اور ان کے صاحبزادوں
علماء حق اور صالحین کی جو عظیم القدر جماعت پیدا کی، اور پھر سید صاحب اور

Marfat.com

نے صلحاء واتقیاء کا جو لشکر فراہم کیا، اُس کے حالات پڑھ کر ہم دنگ رہ جاتے ہیں ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرنِ اوّل کے صحابہ وتابعین کی سیرتیں پڑھ رہے ہیں، اور ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ ہم سے اس قدر قریب زمانہ میں اس پایہ کے لوگ ہو گذرے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ہمارے دل میں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اتنی زبردست اصلاحی وانقلابی تحریک، جس کے لیڈر اور کارکن ایسے صالح ومتقی اور ایسے سرگرم مجاہد لوگ تھے، انتہائی ممکن سعی وعمل کے باوجود ہندوستان پر اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوئی، اور اس کے برعکس کئی ہزار میل سے آئے ہوئے انگریز یہاں خالص جاہلی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے؟ اس سوال کو عقیدت مندی کے جوش میں لاجواب چھوڑ دینے کے معنی یہ ہیں کہ لوگ صلاح وتقوٰی اور جہاد کو اس دنیا کی اصلاح کے معاملہ میں ضعیف الاثر سمجھنے لگیں اور یہ خیال کر کے مایوس ہو جائیں کہ جب ایسے زبردست متقیانہ جہاد سے بھی کچھ نہ بنا تو آئندہ کیا بن سکیگا۔ میں اس قسم کے شبہات فی الواقع لوگوں کی زبان سے سن چکا ہوں، بلکہ حال میں جب مجھے علی گڑھ جانے کا اتفاق ہوا تھا تو اسٹریچی ہال کے بھرے جلسہ میں میرے سامنے ہی یہ شبہ پیش کیا گیا تھا اور اسے رفع کرنے کے لئے مجھے ایک مختصر تقریر کرنی پڑی تھی۔ نیز مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس وقت علماء صالحین کی جو جماعت ہمارے درمیان موجود ہے وہ بالعموم اس مسئلہ میں بالکل خالی الذہن ہے، حالانکہ اگر اس کی تحقیق کی جائے تو بہت سے ایسے سبق ہمیں مل سکتے ہیں جن سے استفادہ کر کے آئندہ زیادہ بہتر اور زیادہ صحیح کام ہو سکتا ہے۔

پہلا سبب | پہلی چیز جو مجھ کو حضرت مجدد الف ثانی کے وقت سے شاہ صاحب اور

Marfat.com

ان کے خلفاء تک کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا اور ان کو پھر وہی غذا دے دی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی۔ حاشا کہ مجھے فی نفسہٖ اُس تصوف پر اعتراض نہیں ہے جو اِن حضرات نے پیش کیا۔ وہ بجائے خود اپنی روح کے اعتبار سے اسلام کا اصلی تصوف ہے، اور اس کی نوعیت "احسان" سے کچھ مختلف نہیں ہے، لیکن جس چیز کو میں لائق پرہیز کہہ رہا ہوں وہ متصوفانہ رموز و اشارات اور متصوفانہ زبان کا استعمال، اور متصوفانہ طریقہ سے مشابہت رکھنے والے طریقوں کو جاری رکھنا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ حقیقی اسلامی تصوف اِس خاص قالب کا محتاج نہیں ہے۔ اِس کے سوا اُس کے لئے دوسرا قالب بھی ممکن ہے۔ اُس کے لئے زبان بھی دوسری اختیار کی جا سکتی ہے، رموز و اشارات سے بھی اجتناب کیا جا سکتا ہے، اور پیری مریدی اور اِس سلسلہ کی تمام عملی شکلوں کو بھی چھوڑ کر دوسری شکلیں اختیار کی جا سکتی ہیں۔ پھر کیا ضرور ہے کہ اسی قالب کو اختیار کرنے پر اصرار کیا جائے، حالانکہ یہ پرانا قالب اس بنا پر قابلِ ترک تھا اور ہے کہ مدتہائے دراز سے اسی قالب میں جاہلی تصوف کی گرم بازاری ہو رہی ہے اور اس کی کثرتِ اشاعت نے مسلمانوں کو سخت اعتقادی و اخلاقی بیماریوں میں مبتلا کیا ہے۔ اور اب حال یہ ہو گیا ہے کہ ایک شخص خواہ کتنی ہی صحیح تعلیم دے، مگر یہ قالب جہاں استعمال کیا گیا اور پھر وہی تمام بیماریاں عود کر آتی ہیں جو صدیوں کے رواجِ عام سے اس کے ساتھ وابستہ ہو گئی ہیں۔ پس جس طرح پانی جیسی حلال چیز بھی اُس وقت ممنوع ہو جاتی ہے جبکہ مریض کے لئے نقصان دہ ہو، اُسی طرح یہ قالب بھی مباح ہونے کے باوجود اس بنا پر قطعی چھوڑ دینے کے قابل ہو گیا ہے کہ اسی کے لباس میں مسلمانوں کو افیون کا چسکا لگایا گیا

...راس کے قریب جاتے ہی اِن مزمن مریضوں کو پھر وہی چُنیا بیگم یاد آجاتی ہیں، جو ...دیوں اِن کو تھپک تھپک کر سلاتی رہی ہیں۔ بیعت کا معاملہ پیش آنے کے بعد کچھ دیر ...ں لگتی کہ مریدوں میں وہ ذہنیت پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے جو مریدی کے ...اتھ مختص ہو چکی ہے یعنی وہی "بے سجادہ رنگین کن گرت پیرِ مغاں گوید" والی ذہنیت ...ں کے بعد پیر صاحب اور اربابٌ من دون اللہ میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔ ...لر و نظر مفلوج، قوتِ تنقید ماؤف، علم و عقل کا استعمال موقوف، اور دل و دماغ ...ر بندگیٔ شیخ کا ایسا مکمل تسلط کہ گویا شیخ ان کا رب ہے اور یہ اس کے مربوب۔ پھر ...یہاں کشف و الہام کی بات چیت شروع ہوئی اور معتقدین کی ذہنی غلامی کے بند ...ور زیادہ مضبوط ہونے شروع ہو گئے۔ اس کے بعد صوفیانہ رموز و اشارات کی باری ...اتی ہے جس سے مریدوں کی قوت واہمہ کو گویا تازیانہ لگ جاتا ہے اور وہ انہیں ...لے کر ایسی اڑتی ہے کہ بیچارے ہر وقت عجائبات و طلسمات ہی کے عالم میں سیر کرتے رہتے ہیں، واقعات کی دنیا میں ٹھیرنے کا موقع غریبوں کو کم ملتا ہے۔ مسلمانوں کے اس مرض سے نہ حضرت مجدد صاحب ناواقف تھے، نہ شاہ صاحب۔ دونوں کے کلام میں اس پر تنقید موجود ہے۔ مگر غالباً اس مرض کی شدت کا انہیں پورا اندازہ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے ان بیماروں کو پھر وہی غذا دے دی جو اس مرض میں مہلک ثابت ہو چکی تھی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ دونوں کا حلقہ پھر اسی پرانے مرض سے متاثر ہوتا چلا گیا۔ اگرچہ مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر ٹھیک وہی روش اختیار کی تھی جو ابنِ تیمیہ کی تھی، لیکن شاہ صاحب کے لٹریچر میں تو یہ سامان موجود ہی تھا اور پیری مریدی کا سلسلہ بھی

Marfat.com

سید صاحب کی تحریک میں چل رہا تھا، اس لئے مرضِ صوفیت کے جراثیم سے یہ تحریک پاک نہ رہ سکی، حتیٰ کہ سید صاحب کی شہادت کے بعد ہی ایک گروہ ان کے حلقہ میں ایسا پیدا ہوگیا جو شیعوں کی طرح ان کی غیبوبت کا قائل ہوا اور اب تک اُن کے ظہورِ ثانی کا منتظر ہے! اب جس کسی کو تجدید دین کے لئے کوئی کام کرنا ہو اُس کے لئے لازم ہے کہ متصوفین کی زبان واصطلاحات، رموز واشارات، لباس، اطوار، پیری مریدی اور ہر اُس چیز سے جو اس طریقہ کی یاد تازہ کرنے والی ہو، مسلمانوں کو اس طرح پرہیز کرائے جیسے ذیابیطس کے مریض کو شکر سے پرہیز کرایا جاتا ہے۔

دوسرا سبب دوسری چیز جو مجھے تنقیدی مطالعہ کے دوران میں محسوس ہوئی وہ یہ ہے کہ سید صاحب اور شاہِ شہید نے جس علاقہ میں جاکر جہاد کیا اور جہاں اسلامی حکومت قائم کی، اُس علاقہ کو اس انقلاب کے لئے پہلے اچھی طرح تیار نہیں کیا تھا۔ اُن کا لشکر تو یقیناً بہترین اخلاقی وروحانی تربیت پائے ہوئے لوگوں پر مشتمل تھا۔ مگر یہ لوگ ہندوستان کے مختلف گوشوں سے جمع ہوئے تھے اور شمالی مغربی ہندوستان میں ان کی حیثیت مہاجرین کی سی تھی۔ اس علاقہ میں سیاسی انقلاب برپا کرنے کے لئے ضروری تھا کہ خود اس علاقہ ہی کی آبادی میں پہلے اخلاقی وذہنی انقلاب برپا کردیا جاتا، تاکہ مقامی لوگ اسلامی نظام حکومت کو سمجھنے اور اُس کے انصار بننے کے قابل ہو جاتے۔ دونوں لیڈر غالباً اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ سرحد کے لوگ چونکہ مسلمان ہیں، اور غیر مسلم اقتدار کے ستائے ہوئے بھی ہیں، اس لئے وہ اسلامی حکومت کا خیر مقدم کرینگے۔ اسی وجہ سے انہوں نے جاتے ہی وہاں جہاد شروع کردیا اور جتنا ملک قابو میں آیا اُس پر اسلامی خلافت قائم کردی۔ لیکن بالآخر تجربہ سے ثابت ہوگیا

کے نام کے مسلمانوں کو اصلی مسلمان سمجھنا اور ان سے وہ توقعات وابستہ کرنا جو اصلی مسلمان ہی پوری کرسکتے ہیں، محض ایک دھوکا تھا۔ وہ لوگ خلافت کا بوجھ سہار نے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ جب ان پر یہ بوجھ رکھا گیا تو خود بھی گرے اور اس پاکیزہ عمارت کو بھی لے گرے۔ تاریخ کا یہ سبق بھی ایسا ہے جسے آئندہ ہر تجدیدی تحریک میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ جس سیاسی انقلاب کی جڑیں اجتماعی ذہنیت، اخلاق اور تمدن میں گہری جمی ہوئی نہ ہوں وہ نقش برآب کی طرح ہوتا ہے۔ کسی عارضی طاقت سے ایسا انقلاب واقع ہو بھی جائے تو قائم نہیں رہ سکتا، اور جب مٹتا ہے تو اس طرح مٹتا ہے کہ اپنا کوئی اثر چھوڑ کر نہیں جاتا۔

تیسرا سبب | اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اس تجدیدی تحریک کے مقابلہ میں کئی ہزار میل دور سے آئے ہوئے انگریزوں کو کس قسم کی فوقیت حاصل تھی جس کی وجہ سے وہ تو یہاں جاہلی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے اور یہ خود اپنے گھر میں اسلامی حکومت قائم نہ کرسکی؟ اس کا صحیح جواب آپ نہیں پاسکتے جب تک کہ اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کے یورپ کی تاریخ آپ کے سامنے نہ ہو۔ شاہ صاحب اور ان کے خلفاء نے اسلام کی تجدید کے لئے جو کام کیا، اُس کی طاقت کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھئے اور دوسرے پلڑے میں اُس طاقت کو رکھیے جس کے ساتھ اُن کی ہم عصر جاہلیت اٹھی تھی، تب آپ کو پورا اندازہ ہوگا کہ اِس عالم اسباب میں جو قوانین کار فرما ہیں اُن کے لحاظ سے دونوں طاقتوں میں کیا تناسب تھا۔ میں مبالغہ نہ کروں گا اگر یہ کہوں کہ اِن دونوں قوتوں میں ایک تولے اور پچاس من کی نسبت تھی اس لئے نتیجہ جو

فی الواقع رونما ہوا اُس کے سوا اور کچھ ہو نہ سکتا تھا۔ جس دور میں ہمارے ہاں شاہ
ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ اسماعیل شہید پیدا ہوئے، اسی
دور میں یورپ قرون وسطیٰ کی نیند سے بیدار ہو کر نئی طاقت کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا
اور وہاں ہر علم و فن کے محققین، مکتشفین اور موجدین اس کثرت سے پیدا ہوئے
جنہوں نے ایک دنیا کی دنیا بدل ڈالی۔ وہی دور تھا جس میں ہیوم، کانٹ، فشتے،
ہیگل، کونت، شلائرماشر، اور مِل جیسے فلاسفر پیدا ہوئے جنہوں نے منطق و فلسفہ،
اخلاقیات و نفسیات اور تمام علوم عقلیہ میں انقلاب برپا کیا۔ وہی دور تھا جب
طبیعات میں گیلوینی، اور وولٹا، علم الکیمیا میں لاوزیر، پریسٹلے، ڈیوی، ہال
اور برزیلیس، حیاتیات میں لینے، ہالر، بیشات، اور وولف، جیسے محققین اٹھے
جن کی تحقیقات نے صرف سائنس ہی کو ترقی نہیں دی بلکہ کائنات اور انسان سے
متعلق بھی ایک نیا نظریہ پیدا کر دیا۔ اسی دور میں کوینے، ٹرگوٹ، آدم اسمتھ اور
مالتھس کی دماغی کاوشوں سے معاشیات کا نیا علم مرتب ہوا۔ وہی دور تھا جب
فرانس میں روسو، والٹیر، مونٹسکیو، ڈینس ڈائڈیرو، لامیٹری، کیبانیس، بفون،
روبنیہ، انگلستان میں ٹامس پین، ولیم گوڈون، ڈیوڈ ہارٹلے، جوزف پریسٹلے،
اراسمس ڈارون، اور جرمنی میں گوئٹے، ہرڈر، شیلر، ونکلمان، لسنگ، اور بیرن
دی ہولباش، جیسے لوگ پیدا ہوئے، جنہوں نے اخلاقیات، ادب، قانون،
مذہب، سیاسیات اور تمام علوم عمران پر زبردست اثر ڈالا اور انتہائی جرأت
و بے باکی کے ساتھ دنیائے قدیم پر تنقید کر کے نظریات و افکار کی ایک نئی دنیا
ڈالی، پریس کے استعمال، اشاعت کی کثرت، اسالیب بیان کی ندرت، اور دلنشینی

Marfat.com

اصطلاحی زبان کے بجائے عام فہم زبان کو ذریعہ اظہار خیال بنانے کی وجہ سے ان لوگوں کے خیالات نہایت وسیع پیمانے پر پھیلے۔ انہوں نے محدود افراد کو نہیں بلکہ قوموں کو بحیثیت مجموعی متاثر کیا۔ ذہنیتیں بدل دیں، اخلاق بدل دیئے، نظام تعلیم بدل دیا، نظریۂ حیات اور مقصد زندگی بدل دیا، اور تمدن و سیاست کا پورا نظام بدل دیا۔

اسی زمانہ میں انقلاب فرانس رونما ہوا جس سے ایک نئی تہذیب پیدا ہوئی۔ اسی زمانہ میں مشین کی ایجاد نے صنعتی انقلاب برپا کیا جس نے ایک نیا تمدن، نئی طاقت اور نئے مسائل زندگی کے ساتھ پیدا کیا۔ اسی زمانہ میں انجنیرنگ کو غیر معمولی ترقی ہوئی جس سے یورپ کو وہ قوتیں حاصل ہوئیں کہ پہلے دنیا کی کسی قوم کو حاصل نہ ہوئی تھیں۔ اسی زمانہ میں قدیم فن جنگ کی جگہ نیا فن جنگ، نئے آلات اور نئی تدابیر کے ساتھ پیدا ہوا۔ باقاعدہ ڈرل کے ذریعہ سے فوجوں کو منظم کرنے کا سلسلہ شروع ہوا جس کی وجہ سے میدان جنگ میں پلٹنیں مشین کی طرح حرکت کرنے لگیں اور پرانے طرز کی فوجوں کا ان کے مقابلہ میں ٹھیرنا مشکل ہوگیا۔ فوجوں کی ترتیب، عساکر کی تقسیم اور جنگی چالوں میں بھی پیہم تغیرات ہوئے، اور ہر جنگ کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر اس فن کو برابر ترقی دی جاتی رہی۔ آلات حرب میں بھی مسلسل نئی ایجادیں ہوتی چلی گئیں۔ رائفل ایجاد ہوئی، ہلکی اور سریع الحرکت میدانی توپیں بنائی گئیں، قلعہ شکن توپیں پہلے سے بہت زیادہ طاقتور تیار کی گئیں، اور کارتوس کی ایجاد نے نئی بندوقوں کے مقابلہ میں پرانی توڑے دار بندوقوں کو بیکار کرکے رکھ دیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ یورپ میں ترکوں کو اور ہندوستان میں دیسی ریاستوں کو جدید طرز کی فوجوں کے مقابلہ میں مسلسل شکستیں اٹھانی پڑیں، اور نپولین نے مٹھی بھر فوج سے مصر پر قبضہ کرلیا۔

Marfat.com

معاصر تاریخ کے اس سرسری خاکے پر نظر ڈالنے سے بآسانی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے ہاں تو چند خاص اشخاص ہی بیدار ہوئے تھے مگر وہاں تو موں کی قومیں جاگ پڑیں۔ یہاں صرف ایک جہت میں تھوڑا سا کام ہوا تھا، اور وہاں ہر جہت میں ہزاروں گنا زیادہ کام کر ڈالا گیا بلکہ کوئی شعبۂ زندگی ایسا نہ تھا جس میں تیز رفتار پیش قدمی نہ کی گئی ہو۔ یہاں شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کی اولاد نے چند کتابیں خاص خاص علوم پر لکھیں جو ایک نہایت محدود حلقے تک پہنچ کر رہ گئیں اور وہاں لائبریریوں کی لائبریریاں ہر علم و فن پر تیار ہوئیں جو تمام دنیا پر چھا گئیں اور آخر کار دماغوں اور ذہنیتوں پر قابض ہو گئیں۔ یہاں فلسفہ، اخلاقیات اجتماعیات، سیاسیات اور معاشیات وغیرہ علوم پر طرح نو کی بات چیت محض ابتدائی اور سرسری حد تک رہی جس پر آگے کچھ کام نہ ہوا، اور وہاں اس دوران میں ان مسائل پر پورے پورے نظام فکر مرتب ہو گئے جنہوں نے دنیا کا نقشہ بدل ڈالا۔ یہاں علوم طبیعیہ اور قوائے مادیہ کا علم وہی رہا جو پانچ سو سال پہلے تھا، اور وہاں اس میدان میں اتنی ترقی ہوئی اور اس ترقی کی بدولت اہلِ مغرب کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ اُن کے مقابلہ میں پرانے آلات و وسائل کے زور سے کامیاب ہونا قطعی محال تھا۔

حیرت تو یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانہ میں انگریز بنگال پر چھا گئے تھے اور الہ آباد تک انکا اقتدار پہنچ چکا تھا، مگر انہوں نے اس نئی ابھرنے والی طاقت کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ میں تو دہلی کا بادشاہ انگریزوں کا پنشن خوار ہو چکا تھا اور قریب قریب سارے ہی ہندوستان پر انگریز

Marfat.com

ے نیچے جم چکے تھے مگر اُن کے ذہن میں بھی یہ سوال پیدا نہ ہوا کہ آخر کیا چیز اِس قوم کو
س طرح بڑھا رہی ہے، اور اس نئی طاقت کے پیچھے اسباب طاقت کیا ہیں۔ سید
حب اور شاہ اسماعیل شہید عملاً اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے اٹھے تھے انہوں
نے سارے انتظامات تو کئے مگر اتنا نہ کیا کہ اہلِ نظر علماء کا ایک وفد یورپ بھیجتے اور یہ
یق کراتے کہ یہ قوم جو طوفان کی طرح چھاتی چلی جا رہی ہے، اور نئے آلات، نئے وسائل
ئے طریقوں اور نئے علوم و فنون سے کام لے رہی ہے، اس کی اتنی قوت اور اتنی
قی کا راز کیا ہے، اس کے گھر میں کس نوعیت کے ادارات قائم ہیں، اس کے علوم کس
م کے ہیں، اس کے تمدن کی اساس کن چیزوں پر ہے، اور اس کے مقابلہ میں ہمارے
س کس چیز کی کمی ہے۔ جس وقت یہ حضرات جہاد کے لیے اٹھے ہیں، اُس وقت یہ بات
ی سے چھپی ہوئی نہ تھی کہ ہندوستان میں اصلی طاقت سکھوں کی نہیں، انگریز کی
ہے، اور اسلامی انقلاب کی راہ میں سب سے بڑی مخالف طاقت اگر کوئی ہو سکتی
ہے تو انگریز ہی کی ہو سکتی ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح ان بزرگوں کی نگاہ دور
س سے معاملہ کا یہ پہلو بالکل ہی اوجھل رہ گیا کہ اسلام و جاہلیت کی کشمکش کا آخری
یصلہ کرنے کے لیے جس حریف سے نمٹنا ہوگا اُس کے مقابلہ میں اپنی قوت کا اندازہ کریں
اور اپنی کمزوری کو سمجھ کر اسے دور کرنے کی فکر کریں۔ بہر حال جب ان سے یہ چوک
ہوئی تو اس عالمِ اسباب میں ایسی چوک کے نتائج سے وہ نہ بچ سکتے تھے۔

مغربی جاہلیت کے مقابلہ میں اسلامی تجدید کی اس تحریک کو جو ناکامی ہوئی
اُس سے پہلا سبق تو ہمیں یہ ملتا ہے کہ تجدید دین کے لیے صرف علوم دینیہ کا احیاء
اور اتباع شریعت کی روح کو تازہ کر دینا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ ایک جامع اور ہمہ گیر

Marfat.com

اسلامی تحریک کی ضرورت ہے جو تمام علوم و افکار، تمام فنون و صناعات اور تم[illegible] شعبہائے زندگی پر اپنا اثر پھیلا دے اور تمام اِمکانی قوتوں سے اسلام کی [illegible] لے۔ اور دوسرا سبق جو اسی سے قریب الماخذ ہے، یہ ہے کہ اب تجدید کا کام نئی قوت کا طالب ہے۔ محض وہ اجتہادی بصیرت جو شاہ ولی اللہ صاحب یا اُن سے [illegible] کے مجتہدین و مجدّدین کے کارناموں میں پائی جاتی ہے، اس وقت کے کام سے [illegible] ہو سنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ جاہلیتِ جدیدہ بے شمار نئے وسائل کے ساتھ [illegible] ہے اور اس نے بے حساب نئے مسائلِ زندگی پیدا کر دیئے ہیں جن کا وہم تک [illegible] صاحب اور دوسرے قدماء کے ذہن میں نہ گذرا تھا۔ صرف اللہ جل جلالہٗ کے [illegible] اور اس کی بخشش سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت ہی پر یہ حالات رو[illegible] لہٰذا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہی وہ تنہا ماخذ ہے جس سے اس دور میں [illegible] ملّت کا کام کرنے کے لئے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے اور اس رہنمائی کو [illegible] اس وقت کے حالات میں شاہراہِ عمل تعمیر کرنے کے لیئے ایسی مستقل قوتِ اج[illegible] درکار ہے جو مجتہدین سلف میں سے کسی ایک کے علوم اور منہاج کی پابند نہ [illegible] استفادہ ہر ایک سے کرے اور پرہیز کسی سے بھی نہ کرے۔

Marfat.com

اسلامی تہذیب پر دوسری تہذیبوں کے اثرات

از جناب عبداللطیف صاحب اعظمی بی اے (جامعی)

اسلام اپنے پیروؤں کے لئے صرف دوسری دنیا ہی کی بھلائی نہیں چاہتا، بلکہ دنیا میں بھی انہیں پھولتا پھلتا دیکھنا چاہتا ہے۔ اس نے محض چند عبادتوں کے قے ہی نہیں بتلائے، بلکہ زندگی کا ایک تصور بھی پیش کیا۔ اس نے زندگی کے کسی خاص ہی تک اپنی تعلیمات کو محدود نہیں رکھا، بلکہ تمام شعبہ ہائے حیات میں ان کی رہنمائی غرض یہ ایک ایسا مذہب ہے، جو ہماری تمام زندگی پر حاوی ہے، لیکن چونکہ وہ مخصوص قوم و ملک اور کسی محدود زمانہ کے لئے نہیں، بلکہ تمام قوموں، تمام ملکوں اور یقۂ عیش کے لئے آیا ہے، اس لئے اس کی تعلیمات اور نظام میں بہت زیادہ لچک اور کافی عت رکھی گئی ہے۔ وہ بنیادی اصول میں تو یقیناً کسی حال میں بھی سمجھوتہ کرنے کے لئے ر نہیں ہے، لیکن فروعات اور تفصیلات میں اس نے اپنے پیروؤں کو بہت حد تک آزادی ی ہے۔

اگرچہ آج مسلمان اکثر و بیشتر زوال کے شکار ہیں، لیکن وہ ایک شاندار ماضی ے مالک ہیں، انھوں نے ایک عرصہ تک معمورۂ ارضی کے ایک بڑے حصہ پر نہایت کامیاب کومت کی ہے اور دنیا کو تہذیب و تمدن کا سبق سکھایا ہے، ان کی تہذیب حالات ور ماحول کے لحاظ سے بدلتی رہی ہے۔ انھوں نے نئے نئے ماحول میں نہ تو اپنے کو اجنبی رکھنے ی کوشش کی اور نہ کسی دوسری قوم کی اچھائیوں اور محاسن کو لینے میں تنگ نظری

Marfat.com

یا تامل سے کام لیا، اچھائیوں کے متعلق ان کا اصول تھا "الحکمۃ ضالتہ المؤمن
وجدھا فھواحق بھا" کہ حکمت کو اک گمشدہ مال سمجھو

جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

لیکن اسی کے ساتھ وہ کسی ایسے تصور کو بھی قبول نہیں کر سکتے تھے، جو اس
کی بنیادی تعلیمات کے منافی ہو۔

جس طرح اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اسی طرح اسلامی تہذیب بھی
ہے۔ بقول پروفیسر محمد مجیب صاحب "یہ کسی ایک قوم اور کسی ایک زمانے کی تہذیب
نہیں، اس کا پھیلاؤ ایسا رہا ہے اور اسے اتنی مختلف مزاج اور معاشرت رکھنے
جماعتوں نے قبول کیا ہے کہ اس کی خصوصیات بیان کرنا۔ اتنا ہی دشوار ہے، جتنا
کہ دنیا کی سطح کیسی ہے، اس کی ایک مجموعی شکل ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔ اس کی
ہمیشہ حقیقت کی زمین کو مضبوط پکڑے رہی ہیں، تو اس کی چوٹی ہمیشہ عالم خیال میں
ہے، اس نے پلٹے کھائے ہیں، زور باندھا ہے۔ وہ ابھری بھی ہے اور گری بھی
اس نے کبھی مذہب کا دامن پکڑا، تو کبھی سیاست کا، کبھی دوسروں کے اثر کو
جان کر مٹایا، کبھی اسے شراب کی طرح پی گئی، انا ولا غیری کا دم مارا، کبھی شکل
گھل مل گئی۔ فضا کی ایک کیفیت بنکر نظر سے اوجھل ہو گئی، دن کا اجالا اور رات
سکون بنکر زندگی میں گم ہو گئی"[1] لیکن اس تنوع، اس بوقلمی، اس رنگارنگی ا
وسعت و عالمگیریت کے باوجود اسے ایک طرح اس قدر محدود اور ممتاز کیا جا
دوسری قوموں اور ملکوں کی تہذیبوں سے الگ اور نمایاں کیا جا سکے۔ کلچر کے متعلق کسی نے کہا ہے
"The true seat of culture is the mind of Man." یعنی تہذیب
محل انسان کا ذہن ہی ہے۔ مسٹر H. Saito نے نسبتہً واضح تعریف کی ہے، وہ لکھتے

[1] :- رسالہ جامعہ جون ۱۹۴۰ء صفحہ ۴۳۸

Marfat.com

"Culture relates to the inner life of man, mental, and spiritual qualities, his attitude towa[rds] life and nature."

اس لئے اسلامی تہذیب پر مذہب اسلام کی بنیادی تعلیمات کا اثر غالب
[نم]اں ہے۔ ذرا واضح الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی تہذیب توحید، خدا پرستی،
[انس]انیت کے خلاف ہو، تو وہ اسلامی تہذیب نہیں کہی جا سکتی۔ یہی ایک کسوٹی ہے
[جس پر] اسلامی تہذیب کو پرکھا جا سکتا ہے اور یہی ایک پیمانہ ہے۔ جس کے ذریعہ اس کی تجدید
[بھ]ی کی جا سکتی ہے، چنانچہ مسلمان جہاں بھی گئے، اپنی ان خصوصیات اور روایات کو
[او]ر باقی رکھنے کی کوشش کی، لیکن پھر بھی یہ واقعہ ہے کہ دوسری قوموں کے اختلاط
[کی و]جہ سے اسلامی تہذیب میں، بعض ایسی چیزیں داخل ہو گئی ہیں، جو اسلامی روح کے
[خ]لاف ہیں، ممکن ہے، انھیں ہم صحیح نہ سمجھتے ہوں، مگر وہ ہماری تہذیب میں اس طرح
[گھ]ل گئی ہیں کہ ہم انھیں کسی طرح علیحدہ بھی نہیں کر سکتے۔

[دوسری قو]موں میں اسلامی تہذیب پر [دوسر]ی تہذیبوں کے اثرات

تاریخ اسلام کے اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ اس زمانہ میں بھی، جسے خیر والقرون کہا جاتا ہے اور اس سر[زمین] پر، جہاں سے اسلامی تہذیب و تمدن کی شعاعوں نے دنیا کو منور کیا، ہم نے دوسری [قومو]ں کی تہذیب و تمدن کے اثرات قبول کئے، مسلمان جہاں بھی گئے، گو انہیں حکمراں [اور ف]اتح کی حیثیت حاصل تھی، مگر وہ وہاں کی تہذیب و تمدن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، [کچھ د]یا، کچھ خود لیا اور ایک مبصر کے الفاظ میں " اس میلان کو ہم نے اس قدر صحیح اچھا [اور] اپنے وجود کے لئے ایسا لازمی سمجھا کہ ہم نے کبھی اس کا حساب لگانے کی ضرورت محسوس

Marfat.com

نہیں کی کہ ہم نے کتنا لیا اور کتنا دیا، ہم اس کا حساب لگانے کی کوشش بھی کر
شاید کامیاب نہ ہوتے، اس لئے کہ ہم نے اپنی تہذیب کی کہیں قلم بھی نہیں لگا
اس طرح ملے جس طرح تنکا دریا میں[1] اسلامی تہذیب پر خارجی اثرات کے پڑ
حسب ذیل اسباب کو خصوصیت کے ساتھ بڑا دخل رہا ہے۔

۱۔ اسلامی فتوحات اور مذہبی تبلیغ و اشاعت۔

۲۔ تراجم۔

۳۔ مفتوحین کا قبولِ اسلام۔

(۱) اگرچہ آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں عرب کے قرب و جوار کی قوموں
ملکوں میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت شروع ہو گئی تھی، مگر اس کا دائرہ اثر صر
ملحقات ہی تک محدود تھا، آپ کی وفات کے بعد پے بہ پے فتوحات ہوئیں او
کے تعلقات دوسری قوموں سے بڑھنے شروع ہوئے، عراق فتح ہوا، تو اس میں
باشندوں کے علاوہ بعض عرب قبائل مثلاً ربیعہ، مضر اور انصار تھے اور کچھ
کے لوگ آباد تھے، جن میں کچھ مزدکی تھے اور تھوڑے بہت زرتشی۔ فارس فتح
تو وہاں اہل فارس کے علاوہ تھوڑے یہود آباد تھے اور کچھ رومی، جو روم اور
کی جنگ میں قید ہو کر آئے تھے، شام پر قدیم زمانہ میں مختلف قوموں نے حکومت
تھی، اس لئے وہ بھی بے شمار تہذیبوں کا گہوارہ تھا، وہاں فینقیوں، اموریوں
کنعانیوں کی مختلف تہذیبیں پوری طرح نمایاں تھیں، فراعنۂ مصر، یونان، روم

---

[1] لے :۔ پروفیسر محمد مجیب صاحب کا مضمون "ہندوستانی مسلمانوں کا تمدن تہذیب کیا ہے؟" جامعہ جون

...ں کے آثار بھی ہویدا تھے، سب سے آخر میں رومیوں نے اس پر حکومت کی تھی،
...لئے نصرانی تہذیب و تمدن کے آثار نسبتہً زیادہ نمایاں تھے اسلام نے جب
...فتح کیا، تو یہ تمام تہذیبیں اس کو وراثت میں ملیں۔

سوریہ کی فتح کے وقت اس میں ارمن، یہود اور قلیل تعداد میں رومی آباد تھے
...ن کے ساتھ عرب کے بعض مشہور قبیلے مثلاً غسان، لخم، جذام، کلب، قضاعہ
...تغلب کے لوگ بھی تھے، ان عرب قبیلوں کی زبان عربی اور آرامی سے مرکب تھی
...اپنے کو شامی سمجھتے تھے، حجاز سے ان کا تعلق محض تجارتی تھا، چنانچہ جب عربوں
...ن پر لشکرکشی کی تو انھوں نے جنگ میں رومیوں کا ساتھ دیا۔

عربوں نے مصر پر بھی قبضہ کیا، جو قدیم مصری، یونانی اور رومی حضارت کا حامل
یہاں مصریوں، رومیوں اور یہودیوں سے مخلوط و مرکب بہت سی قومیں آباد تھیں،
... ممالک مثلاً برقہ، طرابلس، الجزائر، مراکش اور جبل طارق سب عربوں کے زیر
...ت آگئے، اس سے پہلے ان پر رومیوں کی حکومت تھی۔

ان فتوحات نے فاتح اور مفتوح کے درمیان ایک قوی تعلق پیدا کر دیا
...قدرتی طور پر عرب ان قوموں کے اختلاط سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

(۲) عربوں نے فتوحات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد علوم و فنون کی
...م الشان خدمت انجام دیں۔ بغیر کسی تعصب کے تمام ترقی یافتہ زبانوں کے علوم و فنون
...ربی میں منتقل کیا اس کے لئے ادارے قائم کئے علماء کو تلاش کر کر کے جمع کیا اور اس
... لئے پوری فیاضی کے ساتھ روپے صرف کئے۔ دولت عباسیہ نے خصوصیت کے ساتھ
...س طرف بہت زیادہ توجہ مبذول کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کی شاید ہی کوئی اچھی کتاب

Marfat.com

کسی فن کی ہو گی، جو عربی میں منتقل نہ ہوئی ہو۔

یونان قدیم زمانہ سے نہایت مہذب اور متمدن ملک تھا اور علم و دانش اور عقل و فکر کے لحاظ سے، اسے تمام دوسرے ملکوں پر فوقیت حاصل تھی اور طب، فلسفہ، حکمت، ادب، تاریخ، ریاضیات، سیاسیات اور فنون لطیفہ کا وہ مسلم امام اس لئے اس نے خصوصیت کے ساتھ عربی دل و دماغ کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ یونانی ثقافت کے تین بڑے مرکز تھے، جنھوں نے عربی تہذیب و تمدن پر اثر ڈالنے میں سب سے زیادہ نمایاں حصّہ لیا۔

(۱) جُندیسابور۔ یہ طب یونانی کا سب سے ممتاز مرکز تھا، اس نے بڑے بڑے طبیب پیدا ہوئے، عرب جاہلی کا مشہور طبیب حارث ابن کلاہ نے یہیں سے سند فراغ حاصل کی تھی، عباسی دربار کے بیشتر اطبا بھی اسی ادارہ کے تعلیم یافتہ تھے۔

(۲) حَرّان۔ یہ ریاضیات اور خصوصیت کے ساتھ علم ہئیت کا مرکز تھا۔

(۳) اسکندریہ۔ یہ ادب اور فلسفہ کا مرکز تھا، یونانی فلسفہ کی اشاعت میں اس کو سب سے زیادہ ممتاز حیثیت حاصل ہے۔

یہ تمام علوم و فنون جب عربی میں منتقل ہوئے اور سادہ لوح عرب ذریعہ دوسرے مذاہب کی تعلیمات، دوسرے ممالک کی رسم و رواج اور دوسری ملتوں کے عقائد اور فلسفۂ زندگی سے غیر شعوری طور پر بہت زیادہ متاثر ہوئے ان کی زبان و قلم سے غیر ارادی طور پر غیر اسلامی خیالات و تصورات کی اشاعت ہونے لگی، دوسری تہذیبوں کے اثرات ہی کی بنا پر، ابتدائے اسلام میں مسلمانوں

Marfat.com

ں بے شمار فرقے اور جماعتیں پیدا ہوئیں جس کی وجہ سے مسلمان بہت جلد زوال کے شکار ہو گئے اور ان کے تصورات کی وحدت فنا ہو گئی۔

(۳) مفتوحین کا قبول اسلام، اختلاط و امتزاج کا دوسرا اہم سبب ہے، اگر ایک طرف نہایت کثرت سے فتوحات ہوئیں، تو دوسری طرف بہت بڑی تعداد میں مفتوح قومیں اسلام میں داخل ہوئیں اور وہ عربوں میں اس طرح گھل مل گئیں، گویا انہیں میں سے تھیں۔ علاوہ ازیں فاتح اور مفتوح دونوں ساتھ ساتھ رہتے تھے، اور اجتماعی و اقتصادی امور میں برابر کے شریک تھے۔ ولہوسن نے لکھا ہے کہ کوفہ میں نصف سے زائد موالی آباد تھے، صنعت و حرفت اور تجارت انھیں کے ہاتھ میں تھی، ان میں سے اکثر زبان اور جنس (قومیت) کے لحاظ سے ایرانی تھے۔ یہ شروع شروع میں غلام تھے، اسلام لانے کے بعد انھیں آزاد کر دیا گیا۔ صرف ولاء کا رشتہ باقی رہ گیا تھا، اس جماعت نے عربوں کے اخلاق اور ان کی تہذیب و تمدن پر جو کچھ اثر ڈالا، اس سے آج کون انکار کر سکتا ہے۔

اسی طرح دوسرے تمام مفتوحہ ممالک، فارس، شام، مصر، مغرب وغیرہ میں عربی اور اجنبی عناصر اچھی طرح ایک دوسرے میں گھل مل گئے حتیٰ کہ خود جزیرہ عرب محض جزیرۂ عرب نہیں رہا بلکہ جزیرۂ مسلمین بن گیا۔ دارالخلافت مدینہ، فتوحات کے زمانہ (عہد فاروقیؓ) میں تمام مسلمانوں کا مرجع بنا ہوا تھا، قیدی وہیں لائے جاتے تھے، حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ مفتوح ممالک میں غنیمت اور قیدیوں کی تقسیم نہ ہو، بلکہ ان کی تقسیم دارالخلافت میں ہو گی، اس طرح مدینہ اور اس کے قرب و جوار عجمیوں سے بھر گئے، اس کے علاوہ مکہ و مدینہ حجاج و زائرین کا مرجع تھے اور ہیں، اس کی وجہ سے

Marfat.com

یہاں کے عرب بے شمار عناصر سے متاثر ہوئے اور ان کی حالت دوسرے صو
مختلف نہ رہ سکی، فرق صرف اس قدر تھا کہ ان میں عربی عنصر غالب تھا اور مف
ممالک میں عجمی عنصر زیادہ تھا۔

مذکورہ اسباب و وجوہ، اختلاط و امتزاج میں خاص طور پر معین
اس طرح آہستہ آہستہ ایرانی و رومی معاشرت نے عربی معاشرت کو ایک نئے
رنگ دیا اور ایران و روم کے قوانین، قرآن و رسول صلعم کے احکامات کے س
مخلوط ہو گئے: فارس کی حکمت اور روم کے فلسفہ نے، حکمت عرب کے ساتھ
جوڑا، فارسی و رومی طرز حکومت نے عربی طرز حکومت سے متاثر ہو کر ایک
اختیار کی، غرضیکہ زندگی کے تمام سیاسی و اجتماعی شعبے اس اختلاط سے متاثر ہ
ہر وہ شخص جس نے اس اختلاط کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے، اعتراف کر
یہ باہمی کسر و انکسار اور فعل و انفعال ایک اصول کے ماتحت ہوا، مفتوح
امور میں فاتح قوم سے بڑھ چڑھ کر ہوتی، فاتح قوم پوری رواداری کے س
باقی رکھتی، مثلاً عربوں کی فتح کے بعد دفاتر کا نظم و نسق بالکل حسب سابق با
عبد الملک بن مروان کے زمانہ تک اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی
جو قومیں اسلام میں داخل ہوئیں، ان کے پاس حکمت، امثا
شعر و ادب کے ذخیرے تھے اور ان میں سے بعض قوموں کے علوم و فنون
تمام علمی و مذہبی تحقیقات ضخیم مجلدات میں مدون تھیں، ان کے اسلام لا
یہ سب چیزیں اسلام میں منتقل ہوئیں اور فاتح عرب ان تمام چیزوں سے
اس عام تاثیر و تاثر کے علاوہ یہ امر بھی خاص طور پر پیش نظ

...رح قومیں اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی اپنے بہت سے قدیم خیالات و معتقدات
...ست بردار نہیں ہوئیں اور ایسا ہونا ناگزیر تھا، یہ کیسے ممکن تھا جو ایرانی، شامی
...اور قبطی اسلام میں داخل ہوئے، یک بیک ان کے دماغوں کی سطح اس قدر
...ہو جاتی کہ وہ اپنے قدیم مالوفات و معتقدات سے یکقلم دستکش ہو کر اسلامی عقائد
...کار کو ان کی بالکل اصلی حالت میں قبول کر لیتے۔ ان میں سے ہر ایک کا معبود
...، ان کا خدائی تصور الگ، جنت و دوزخ، شیطان و ملائکہ اور آخرت
...یار کے متعلق ان کے نظریات و معتقدات بالکل مختلف اور پھر ان میں سے ہر
...کے ساتھ قدیم روایات کا ایک انبوہ، ایسی صورت میں اسلام کے پیش کردہ
...رات کو بغیر کسی آمیزش کے قبول کر لینا، ان عجمیوں کے لئے نہایت دشوار تھا،
...یہ تاریخ کی کتابوں میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ بہت سے نو
...موں نے بعض باتوں کو اپنے قدیم تصورات کے مطابق سمجھ لیا تھا، علامہ ازدی
...فی ۱۷۰ھ (تقریباً) نے فتوح الشام میں لکھا ہے کہ "شام کے ایک مسلمان
...ایک شخص سے اس شرط پر بکریوں کے چرانے کا وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنی بیوی اسے
...ردے اور وہ رات وہیں گذارے۔ جب حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو فریقین
...ملہ کو بلا بھیجا، ان دونوں نے معذرت کی کہ ہم کو اس کی حرمت کا علم نہ تھا۔
...عبدربہ متوفی ۳۲۸ھ نے لکھا ہے کہ دیہاتی موالی (نو مسلم) لاعلمی کی بنا پر
...ب میں بہت تشدد سے کام لیتے تھے[۱]

---

[۱] العقد الفرید جز ۲ صفحہ ۹۰-۹۱ -

Marfat.com

اس کا اثر پہلی صدی ہجری کے اواخر میں۔ متعدد مذاہب کی شکل میں ظ
غالباً اسی وجہ سے حضرت فاروق اعظمؓ نے فتوحات کے وقت اس سے خطرہ مح
تھا۔ ابو حنیفہ الدینوری متوفی ۲۹۰ھ نے اپنی کتاب الاخبار الطوال میں لکھا
"مسلمانوں کو جنگ جلولاء میں اس قدر مال غنیمت ہاتھ آیا کہ اس
کبھی نہیں ملا تھا، فارس کی بہت سی لڑکیاں بھی گرفتار ہوئی تھیں، کہا جاتا ہے
فاروقؓ فرماتے تھے، خداوندا! جلولا، کی ان کنیزوں کی اولاد سے پناہ دے
ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان موالیوں اور ان کی نسل سے اس
مانگی ہو کہ ان کی قومی عصبیت، عربی عصبیت کے بالکل مخالف تھی وہ اپنے
مذہبی اثرات کو یکقلم محو نہیں کر سکتے تھے اور اس سے اسلام کو شدید نقصان
اندیشہ تھا، جیسا کہ بعد میں واقعی ہوا۔

فاتح اور مفتوح میں یہ مخفی بیگانگی برابر قائم رہی، یہاں تک کہ مذہبی
معاملات میں عربوں اور موالیوں (نومسلموں) کے اختلافات ابھرنا شروع
فوج میں تجسیم کے مسئلہ پر مباحثے ہوتے تھے، زبان کا مسئلہ الگ وجہ نزاع
کے جذبات و میلانات دو بالکل الگ الگ سمتوں میں بہ رہے تھے۔ عربوں کی
احوال و معاملات کی شاہراہ الگ اور رومیوں اور ایرانیوں کے اجتماعی مع
مسائل کی بنیاد بالکل علیحدہ، جسمانی بُعد حضرت صدیق، حضرت فاروق ا
عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی فتوحات نے مٹا دیا، لیکن روحانی یا ذہنی بُعد کسی
حد تک باقی تھا، اور باقی رہا۔

عربی، فارسی، قبطی، یونانی اور عبرانی زبانوں کی رنگا رنگیاں برا

Marfat.com

ت اسلامیہ وہ عربی امت نہ تھی جس کی زبان ایک، جس کا دین ایک اور جس کا
وجیلام ایک ہو۔ عہد رسالت کی یہ خصوصیت بہت جلد مٹ گئی اور اس کی جگہ ایک
ر پائدار کشمکش نے لے لی، جس میں کبھی ایرانی غالب رہے، کبھی عرب اور کبھی رومی،
عربوں کی سیاست و اجتماع اور فلسفہ اور دیگر علوم میں علانیہ شکست ہوئی
یزوں میں وہ برابر غالب رہے ایک زبان، دوسرے مذہب۔ تمام مفتوحہ ممالک
ا بولی اور سمجھی جاتی تھی اور یہی حکومت اور علوم کی زبان قرار پائی اسی طرح
ہب (اسلام) بھی ان تمام ممالک کا مذہب قرار پایا لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا
یہ دونوں یعنی زبان و مذہب بالکل اپنی اصلی حالت میں باقی رہے اور ان پر
تہذیبوں کے اثرات نہیں پڑے۔ زبان میں بہت سے عجمی الفاظ اور عجمی ترکیبیں
ہوگئیں اور لحن اس قدر عام ہوگیا کہ زبان کی حفاظت کے لئے قوانین وضع کرنے
لبتہ مذہب نسبتہً کم متاثر ہوا تاہم مسلمانوں میں بہت سے فرقے پیدا ہوگئے، بہت
ب وضع ہوگئے اور اس میں ایسی چیزیں داخل ہوگئیں، جو مختلف فرقوں کے
ن ایک مستقل جنگ و نزاع کا باعث ہیں لیکن ضحی الاسلام کے مصنف کے الفاظ میں
وجود ان قسم قسم کے اختلافات کے یہاں ایک روح تھی، جو تمام عالم اسلامی پر حاوی تھی اور یہ روح
کی روح تھی، جو افراد میں اتحاد پیدا کر رہی تھی، اگرچہ نسل، نوع اور جنس کے اعتبار سے انمیں کتنا ہی
لیوں نہ ہو، اسی روح نے یونانی فلسفہ کو جب وہ اسکی قلمرو میں داخل ہوا تو اسے اپنا مطیع و منقاد بنایا
اپنی روحانیت اور اپنے الہامات کا لباس پہنا دیا، اسی باعث تاریخ و علم الاجتماع کے علماء اہل مشرق
میات میں اشتراک محسوس کرتے ہیں وہ خصوصیات جو اہل مغرب کی خصوصیات کے بالکل مخالف ہیں وہ
اہل مشرق میں نسل در نسل وراثۃً چلی آرہی ہے اور جس کی تکوین میں ان کے

Marfat.com

طبعی اور اجتماعی ماحول نے مدد کی ہے اور ان میں وہ ذوق اور وہ احساس پیدا
ہے' جو مغربی احساس کے خلاف ہے اور وہ تمدن پیدا کر دیا ہے، جو بہت سی باتوں
مغربی تمدن کا مخالف ہے' بدھ مت 'یہودیت' نصرانیت وغیرہ بہت سے مذاہب
وجود میں آئے، لیکن اس روح نے انہیں ایسے رنگ میں رنگ دیا جس میں مادیت
شائبہ تک نہیں۔ یہ روح دلوں میں ایک ایسے عالم کا یقین پیدا کرتی ہے' جو ا
کے ماوراء ہے، جو جنت کی خواہش رکھتی ہے اور دوزخ سے ڈرتی ہے اور
سعادت اور جسمانی خواہشات کے علاوہ ایک دوسری روحانی سعادت پر
رکھتی ہے، جس وقت اسلام آیا اور اس نے مشرقی ممالک پر اقتدار حاصل کر
روح کو اور بھی تقویت پہونچی اور یہ اتحاد عمل کا ایک بڑا سبب بن گئی' چنانچہ
تمام مختلف قوموں نے ایک ہی قانون اور ایک ہی نظام حکومت کے سا
خم کر دیا، ایک ہی زبان بولنے لگیں اور اکثر نے ایک ہی مذہب اختیار کر لیا۔

علماء کی سیاحتیں، خیالات و افکار کی آمیزش و اتحاد میں بہت مد
ثابت ہوئیں، یہ سیاح دوسرے مذاہب کے لوگوں سے مبادلۂ خیال کرتے
اپنے مذہب اور سیاست کی طرف دعوت دیتے' علاوہ ازیں مرکز خلافت
جو احکامات بھیجے جاتے وہ اصولاً ایک ہی تعلیم کے حامل ہوتے تھے۔

ان سب چیزوں نے مختلف قوموں کے درمیان ایک ایسا اتحا
کہ انہیں ایک قوم کہنا بے جا نہ ہوگا۔ ان کا ادب ایک تھا' تہذیب ایک
علوم مشترک تھے[1]"

---

[1] ضحی الاسلام صفحہ ۱۷۔

اسلامی تہذیب پر ہندوستانی تہذیب کا اثر	ٹھیک جس طرح ایرانی، یونانی، رومانی، مصری، یہودی اور نصرانی وغیرہ تہذیبوں سے اسلامی تہذیب

متاثر ہوئی، اسی طرح ہندوستانی تہذیب کا بھی اس نے اثر قبول کیا۔ موہنجوداڑو اور ہڑپا کی اکتشافات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان پانچ ہزار قبل مسیح بھی نہایت اعلیٰ اور ترقی یافتہ تہذیب و تمدن کا مالک تھا، پھر کیونکر ممکن تھا کہ مسلمان اس قدیم ترین تہذیب سے استفادہ نہ کرتے۔ اگر ہندوستانی تہذیب کے اثرات پر تاریخی نظر ڈالی جائے، تو اس کے تین اسباب ملیں گے۔

۱۔ ہندوستان سے عربوں کے قدیم تجارتی تعلقات۔

۲۔ دوسری صدی ہجری میں ہندوستانی علوم و فنون کا عربی میں ترجمہ ہونا۔

۳۔ مسلمانوں کی ہندوستان میں حکومت کا قایم ہونا اور ہندوؤں سے براہ راست مختلف قسم کے گہرے تعلقات کا پیدا ہونا۔

(۱) ہندوستان سے عربوں کے تجارتی تعلقات بہت قدیم زمانہ سے پائے جاتے ہیں، عرب زمانۂ جاہلیت سے ہندوستان آئے تھے اور یہاں کی مشہور پیداوار اور عمدہ مصنوعات لے جاتے تھے، مگر اسی کے ساتھ ساتھ وہ غیر شعوری طور پر یہاں کی تہذیب و تمدن بھی اپنے ساتھ لے جاتے اور اپنی قوم میں پھیلاتے۔ عربی زبان میں سنسکرت کے بہت سے الفاظ مثلاً چندل (صندل) موشکا (مسک) کپور (کافور) جائے پھل (جا نفل) اتری پھل (اطریفل) چھینٹ (شیت) وغیرہ جو عربی میں ذرا سی تبدیلی سے نظر آتے ہیں، درحقیقت اُسی دور کی یادگار ہیں، اسی طرح طلوع اسلام سے قبل ہی عرب ہندوستان کی تہذیب و تمدن سے ایک حد تک متاثر ہو چکے تھے۔

Marfat.com

(۲) دوسرا دروازہ جس کے ذریعہ ہندوستان کی تہذیب و تمدن عرب مسلمانوں تک پہونچی، دوسری صدی ہجری کے تراجم ہیں یہ سبھی جانتے ہیں کہ عباسی عہد، علوم و فنون کی ترقی و عروج کا زمانہ تھا، منصور (۷۵۴-۷۷۵) اور ہارون (۷۸۶-۸۰۹) کے زمانے میں خصوصیت کے ساتھ مختلف زبانوں سے نہایت کثرت ترجمے کئے گئے، اسی زمانہ میں فارسی اور پہلوی کے علاوہ سنسکرت سے براہ راست ہندوستانی علوم و فنون عربی میں منتقل کئے گئے، کتاب البد بیلا ہورو بذآسف سند شناق، بیدیا، کلیلہ و دمنہ، اور کتاب سند باد وغیرہ اسی زمانہ میں عربی میں تر کی گئیں۔ یہ ترجمے عربی لٹریچر میں اس طرح گھل مل گئے کہ جید علماء کی تحریریں بھی اس متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ عربوں کے اثر وانفعال اور ان کی مرعوبیت کا انداز ایک حد تک ان کی اُن تحریروں سے کیا جا سکتا ہے، جو انھوں نے ہندوستا کی تعریف و توصیف اور اس کے علوم و فنون کی فوقیت اور افضلیت پر لکھی ہیں جا جیسا مشہور انشا پرداز، فلاسفر اور متکلم لکھتا ہے:۔

"لیکن ہندوستان کے باشندے، تو ہم نے ان کو پایا ہے کہ وہ جوت (نجوم) اور حساب میں بڑھے ہوئے ہیں اور ان کا ایک خاص ہندی خط ہے اور طب میں بھی وہ آگے ہیں اور طب کے بعض عجیب بھید ان کو معلوم ہیں اور سخت بیماریوں دوائیں خاص طور سے ان کے پاس ہیں، پھر مجسموں اور اسٹیچر بنانا، رنگوں سے تصو پیدا کرنا اور تعمیر وغیرہ میں ان کو کمال ہے، پھر شطرنج کے وہ موجد ہیں، جو ذہانت اور کا بہترین کھیل ہے، تلواریں عمدہ بناتے ہیں اور ان کے چلانے کا سب کرتب جانتے زہر اتارنے اور درد دور کرنے کے منتر جانتے ہیں، ان کی موسیقی بھی دلپسند ہے ا

ساز کا نام کنکنہ (؟) ہے، جو کدو پر ایک تار کو تان کر بجاتے ہیں، جو ستار کے
روں اور جھانجھ کا کام دیتا ہے، ان کے ہاں ہر قسم کا ناچ بھی ہے .... ان کے
ہاں مختلف قسم کے خط ہیں شاعری کا ذخیرہ بھی ہے اور تقریروں کا حصہ بھی ہے، طب، فلسفہ
ر ادب و اخلاق کے علوم بھی ان کے پاس ہیں انھیں کے یہاں سے کلیلۃ و دمنہ کتاب ہمارے
س آئی۔ ان میں رائے اور بہادری ہے، اور جو بعض خوبیاں ان میں ہیں چینیوں
ں بھی نہیں۔ ان میں صفائی اور پاکیزگی کے بھی اوصاف ہیں، خوبصورتی، نمکینی اور
وش قامتی اور خوش روئی بھی ہے، اور انہیں کے ملک سے بادشاہوں کے پاس
ہ عود آتی ہے، جس کی نظیر نہیں اور فکر کا علم انہیں کے پاس سے آیا ہے اور ان کو ایسے
منتر معلوم ہیں، جن کو یہ زہر پر پڑھ دیں تو زہر بیکار ہو جائے، پھر نجوم کے حساب کے وہی
موجد ہیں، ان کی عورتوں کو گانا اور مردوں کو پکانا خوب آتا ہے، صراف اور روپے کا
کاروبار کرنے والے اپنے کیسے اور خزانے ان کے سوا اور کسی کے حوالہ نہیں کرتے، جتنے
(عراق میں) صراف ہیں، سب کے ہاں خزانچی خاص سندھی ہوگا یا کسی سندھی کا لڑکا
ہوگا، کیونکہ ان کو حساب و کتاب اور صرافی کے کاموں سے فطری مناسبت ہے، پھر یہ
ایماندار اور وفادار ملازم بھی ہوتے ہیں "[۱]

ابو ضلع سندھی نامی ایک شاعر نے ہندوستان اور اس کی پیداوار کی ایک طویل
نظم میں بڑی تعریف کی ہے، آخیر میں وہ لکھتا ہے، -

---

[۱] عرب و ہند کے تعلقات صفحہ ۱۲۷، ۱۲۸ بحوالہ رسالہ فخر السودان علی البضیان، حافظ
مجموعہ رسائل حافظ، صفحہ ۸۱ مطبوعہ ۱۳۲۴ھ (مصر) -

Marfat.com

فہل نیکر ھذا الفضل الا الرجل الاخطل

یعنی تو کیا، بیوقوف کے سوائے کوئی اور بھی ہندوستان کی ان خوبیوں کا انکار کرسکتا ہے۔

(۳) لیکن جب مسلمان ہندوستان آئے اور یہاں انھوں نے مستقل سکونت اختیار کرلی تو اگرچہ فاتح اور حکمراں کی حیثیت رکھتے تھے، مگر یہاں کی تہذیب و تمدن سے ان کی تہذیب اس قدر متاثر ہوئی کہ اسے ایک نئی تہذیب کہا جائے، تو بیجا نہ ہوگا۔ بلا شبہ مسلمانوں نے یہاں کی معاشرت، رسم و رواج، فلسفۂ زندگی اور عقائد و خیالات میں انقلاب پیدا کیا، مگر خود مسلمانوں کی جو تہذیب بنی، اسمیں یہاں کے خمیر اور یہاں کی خصوصیات کو نمایاں جگہ حاصل ہوئی۔

مسلمان بادشاہوں نے کچھ رواداری کی خاطر اور کچھ اپنے مصالح کی بنا پر ہندوؤں کو حکومت کے انتظام و انصرام میں مساوی شریک و سہیم بنایا، ہندو شہزادے جو حکومت کے حامی ہوتے، مسلمان بادشاہوں کی ہر طرح مدد کرتے اور ان کی حفاظت و خدمت کے لئے ہندوؤں کی فوجیں پیش کرتے، جو مسلم فوجوں کے دوش بدوش پورے اشتراک کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتیں۔ علاوہ ازیں دونوں قوموں کے افراد بلا تکلف اور بہ رضا و رغبت ایک دوسرے کی خدمت اور مدد کرتے، چنانچہ الفنسٹن (Elphinstone) کی روایت کے مطابق، جب مالوہ کے مسلمان حکمران نے بہمنی سلطنت پر حملہ کیا، تو اس کی بارہ ہزار کی فوج میں افغان اور راجپوت دونوں شریک تھے اور جب بیجانگر کے راجہ دیوراج نے مسلمانوں کو فوج میں بھرتی کی، تو ان کے سرداروں کو زمینیں عطا کیں اور ان کی حوصلہ افزائی کے لئے دارالسلطنت میں ایک مسجد تعمیر کروائی اسیطرح

Marfat.com

مسلمان بھی ہندوؤں کی امداد و اعانت میں پیش پیش ہوتے۔ دونوں قوموں میں نہایت گہرے تعلقات تھے، گو مذہب کے لحاظ سے دو تھے، لیکن معاملات اور تعلقات میں ایک تھے۔

حکومت کے چھوٹے چھوٹے عہدوں پر تو شروع ہی سے ہندو مقرر تھے، مگر اکبر کے عہد میں نہایت اہم اور بڑی بڑی جگہیں بھی ہندوؤں کو دی گئیں۔ چنانچہ راجہ ٹوڈر مل حکومت کے نہایت اہم عہدہ داروں میں سے تھا، یہ پنجاب کے کائستھ خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اس نے محاصل کے کام میں اس قدر مہارت کا ثبوت دیا کہ اکبر نے اسے وزیر مالیات مقرر کیا، شہنشاہ کے فوجی کمانڈروں میں بھی اسے بڑی حیثیت حاصل تھی، اسی طرح بیربل بھی اگرچہ ہندو تھا، مگر شہنشاہ کے مشیروں میں سے تھا، ان دونوں ہندوؤں کا حکومت کے امور اور عہدہ داروں کے تقرر میں بڑا دخل تھا۔ چنانچہ اس زمانہ میں اس کثرت سے ہندوؤں کو عہدے دئے گئے کہ اورنگ زیب کے لئے یہ ایک مستقل اور مشکل ترین مسئلہ بن گیا۔ ظاہر ہے یہ اتحاد و اتفاق اور یہ رفاقت و معیت ایک دوسرے پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتی تھی، لیکن اس سے کہیں زیادہ اثر سماجی اور معاشرتی اختلاط و امتزاج کا پڑا، جسے کسی مصنوعی عمل* کے ذریعہ کچھ زیادہ عرصہ تک روکا نہیں جا سکتا تھا۔ خصوصاً آپس کی شادیوں کے ذریعہ جو اثرات مرتب ہوئے، وہ بہت زیادہ ہمہ گیر تھے، مسلمان مذہبی پابندیوں کی وجہ سے کسی غیر مسلمان خاندان میں اپنی لڑکیوں کی شادی نہیں کر سکتے، لیکن غیر مسلم لڑکیوں کے ساتھ بعض شرائط کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے۔ اس لئے شروع شروع میں مسلمانوں نے ہندو خاندانوں میں اپنی لڑکیوں کی شادی کرنے سے احتراز کیا، مگر ہندوؤں کی لڑکیوں سے نہایت کثرت سے شادیاں کیں! سکا

*(Artificial Process)

Marfat.com

نتیجہ وہی نکلا، جو پہلی صدی ہجری میں اور اس کے بعد غلاموں اور لونڈیوں کے اختلاط سے پیدا ہوا تھا، یعنی غیر شعوری طور پر مسلمان خاندانوں میں ہندوؤں کی رسمیں حتیٰ کہ ان کے عقائد داخل ہو گئے، اور وہ اس طرح ان کی زندگی میں گھل مل گئے کہ اب انہیں علیٰحدہ کرنا ناممکن ہے۔ لیکن اس اجتماعی اختلاط و امتزاج کا اثر محض ان کی خارجی زندگی پر پڑا، ان کے داخلی زندگی یا ان کے دل و دماغ جنہیں (True Seat of Culture) کہا گیا ہے، جس چیز سے متاثر ہوئے، وہ ہندوؤں کا فلسفہ اور ان کے عقائد ہیں۔

یونان کی طرح ہندوستان کا بھی ایک مخصوص فلسفہ ہے، مؤرخین فلسفہ نے اس پر نہایت تفصیل سے بحثیں کی ہیں کہ یہ دونوں فلسفے ایک دوسرے سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ یونان نے بہت کچھ ہندوستان کے فلسفہ سے لیا ہے اور ہندوستان نے بہت کچھ یونان سے۔ اس کی صحت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے، لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ ہندوستانی فلسفہ میں بعض ایسی خصوصیات ہیں، جو اسے یونانی فلسفہ سے ممتاز اور جدا کرتی ہیں۔ مثلاً ہندوستان کے فلسفہ میں مذہب کا اثر بہت نمایاں ہے اور اس کا طرز استدلال عالمانہ نہیں، شاعرانہ ہے، تعبیر کی اساس حقائق پر نہیں بلکہ مجاز استعادہ اور تخیل پر ہے، اسی طرح ہندوؤں کے فلسفہ کی بنیاد اس جذبہ پر ہے کہ انسان اس کے ذریعہ اس دنیا کے آلام و مصائب سے مکتی (نجات) حاصل کرے اور یونانیوں کے فلسفہ کا اولین سبب تجسس* ہے، یعنی مظاہر عالم کو دیکھ کر، اس کی کنہ و حقیقت معلوم کرنے کا انسان میں شوق پیدا ہوا، اس لئے اس نے فلسفہ سیکھا۔

*Curiosity

شاید میرا مفہوم واضح نہ ہو سکا، اس لئے رسالہ معارف کے ایک مضمون سے ذیل میں اقتباس نقل کرتا ہوں، جس میں ہندی فلسفہ کی خصوصیات واضح کرنے کی

Marfat.com

کوشش کی گئی ہے:۔

"ہندوستان کے فلسفہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عملی ہے، محض نظری نہیں۔ مغرب میں فلسفہ کا مفہوم محض نظری* (Theoretical*) ہے۔ انسان کی فطرت چونکہ ہر وقت نظام قدرت کی پیچیدگیوں کے متعلق سوال کرتی ہے اس لئے فلسفہ ان سوالوں کے جواب دینے کا نام ہے۔ یونان میں فلسفہ کا آغاز محض مستفسرانہ فطرت انسانی کا ظہور تھا، تھلیس، پارمینیڈز، اور زینو، وغیرہ فلاسفہ (Zeno) (Parmenides. Thales) یونان کی تمام تر کوشش صرف اسی نظام کائنات کے مسائل سلجھانے میں صرف ہوئیں، اگرچہ بعض جگہ مثلاً سقراط اور افلاطون کے فلسفہ میں عملی رنگ کافی طور پر نمایاں ہے، لیکن ان کے بعد ارسطو نے دوبارہ فلسفہ کو محض نظری کر دیا اور اس کے بعد آج تک کسی مغربی فلسفہ کو مغربی رنگ میں دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا۔۔۔۔۔۔ لیکن ہندوستان کے فلسفہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ سرتاپا عملی ہے، فلسفہ کی جو کتاب بھی ہندوستان میں لکھی گئی۔ اس کا پہلا سوال دنیا کے مصائب اور تکالیف کے متعلق ہے، کوئی انسان خواہ امیر ہو یا غریب، عورت ہو یا مرد، بچہ ہو یا بوڑھا اس عالمگیر رنج و غم سے فارغ نہیں، اگرچہ تمام فلسفہ ہند میں یہ بات مشترک ہے، لیکن مہاتما بدھ کی تعلیم بہت زیادہ اسی مضمون کو دہراتی ہے، بدھ فلسفہ کے تین عنوان ہیں۔

(۱) دنیا رنج و غم سے پُر ہے۔

(۲) اسکا چھٹکارا حاصل کرنا ممکن ہے۔

(۳) وہ کیا طریق ہے؟ "[۱]

۱؎ معارف نمبر ۶ جلد ۱۳ صفحہ ۴۳۱۔

Marfat.com

ہندوؤں کے جن عقائد وخیالات کا مسلمانوں کے افکار وآراء پر اثر پڑا ان میں سے تناسخ قابل ذکر ہے، یہ عقیدہ مسلمانوں کے متعدد مذہبی فرقوں کے خیالات وافکار میں نظر آتا ہے، مثلاً احمد بن حائط (یہ پہلے معتزلی تھے مگر بعد میں تائب ہو گئے) ابو مسلم خراسانی، فراسطا اور محمد بن زکریا الرازی نے لکھا ہے کہ روح ایک جسم سے جدا ہونے کے بعد کسی اور جسم میں منتقل ہو جاتی ہے۔ احمد بن حائط نے اپنے دعوی پر ذیل کی دو آیتیں بطور دلیل کے پیش کی ہیں۔ ؎

یٰاَیُّهَا الْاِنسانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِىْ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ٥ - (الانفطار)	اے انسان تجھکو کس چیز نے، تیرے ایسے رب کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے جس نے تجھکو بنایا، پھر تیرے اعضا کو درست کیا، پھر تجھکو (مناسب) اعتدال پر بنایا اور جس صورت میں چاہا، تجھکو ترکیب دیدیا۔

دوسری آیت ہے۔

جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ٥ (سورۃ الشوریٰ)	اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے اور (اسی طرح) چارپایوں کے جوڑے بنائے اور اسکے ذریعہ سے تمہاری نسل چلاتا رہتا ہے۔

بعض اہل تشیع بھی تناسخ سے ملتے جلتے خیالات رکھتے ہیں، مثلاً ان کا عقیدہ ہے کہ

؎ الملل والنحل لابن حزم جلد ۱ صفحہ ۹۰، ۹۱۔

Marfat.com

حضرت علیؓ میں اللہ نے اپنی روح کا ایک جزو منتقل کر دیا ہے، جو ان کے بعد ائمہ میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا۔ نصیریہ کا اعتقاد ہے کہ گناہ گار، یہودی، انصاریٰ یا سنی مسلمان کی شکل میں دنیا میں واپس کر دئے جاتے ہیں، اور جو حضرت علیؓ پر ایمان نہیں لاتے انہیں اونٹ، خچر، گدھے، کتے یا کسی اور جانور کی شکل دیدی جاتی ہے، صوفیوں اور ولیوں کے افکار بھی اس عقیدہ سے تھوڑے بہت متاثر ہوئے ہیں۔

تصوف اسلام پر دوسری تہذیبوں کے اثرات

تصوف کے متعلق بعض لوگوں کا، خصوصاً مستشرقین یورپ کا خیال ہے کہ یہ بالکل غیر اسلامی چیز ہے، لیکن جمہور مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں میں ابتداء ایک گروہ ایسا موجود ہے، جس نے تمام مقاصد دنیوی سے قطع نظر کرکے، اپنا نصب العین محض یادِ خدا و ذکرِ الٰہی کو رکھا ہے اور سلوک مقیدیہ کے مختلف طریقوں پر عامل رہا۔[1] یہ گروہ بعد میں صوفیا کے نام سے مشہور ہوا۔ بعض یورپین مبصرین نے بھی اس کی تردید کی ہے کہ تصوف، اسلامی تخیل نہیں ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر نکلسن نے ۱۹۲۳ء میں کیمبرج کی "مسلم ایسوسی ایشن" میں تصوف پر ایک فاضلانہ خطبہ پڑھا تھا، تو موصوف نے اس میں یہ تسلیم کیا تھا کہ

> یہ سمجھا گیا ہے کہ تصوف کے اہم تخیلات غیر اسلامی سرچشموں مثلاً عیسائی رہبانیت، یونانی مذہب و حکمت یا ہندوستانی معتقدات وغیرہ سے ماخوذ ہیں۔ اس میں کچھ حقیقت ہے، لیکن یہ کسی طرح حقیقت تامہ نہیں۔ میری رائے میں تصوف نے اگر اثنائے ارتقا میں متفرق تحریکات سے بھی جس سے

---

[1] تصوف اسلام صفحہ ۱

Marfat.com

اس کو سابقہ پڑا، بہت کچھ حاصل کیا، لیکن اصلی اور بنیادی طور پر وہ اسلام ہی
تعلق رکھتا ہے۔"[1]

چونکہ اس پر دوسری تہذیبوں کے اثرات بہت زیادہ پڑے ہیں، اس لئے
مستقل عنوان کے ماتحت ذرا تفصیل سے بحث کی ضرورت ہے۔

تصوف مسلمانوں میں قدیم زمانہ سے پایا جاتا ہے، کوفہ اور بصرہ صوفیوں
اہم ترین مرکز تھے، کوفہ کے ابو ہاشم متوفی ۱۵۰ھ پہلے شخص ہیں جنھیں صوفی کہا گیا
شروع شروع میں تصوف کی غرض و غایت یہ تھی کہ "نفس کو مجاہدہ وریاضت
کے ذریعہ اخلاق رذیلہ سے ہٹا کر، اخلاق حسنہ پر لگانا، اور زہد، حلم، صبر، اخلاص، صدق
وغیرہ صفات حمیدہ سے آراستہ کرنا، تاکہ دنیا میں بھی عزت و مسرت حاصل ہو اور
آخرت میں بھی ثواب و رضائے الٰہی حاصل ہو۔ جنید بغدادی سے پوچھا گیا "تصوف کیا
ہے؟ جواب دیا "برے اخلاق چھوڑ دینا اور اچھے اخلاق اختیار کر لینا"[2] حضرت ذوالنون
مصری کہتے ہیں۔

الصوفی اذا نطق بان نطقہ	صوفی وہ ہے کہ جب گفتار میں آتا ہے، تو اس کی زبان
عن الحقائق و ان سکت نطقت	اس کے حقیقت حال کی ترجمان ہوتی ہے اور جب
عنہ الجوارح بقطع العلائق	خاموش ہوتا ہے تو اسکے اعضا شہادت دیتے ہیں کہ
	وہ علائق کو قطع کر چکا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو خطبہ کا ترجمہ، جامعہ جولائی ۲۶ء صفحہ ۴۶۶
[2] گمراہ صوفی صفحہ ۱۴۔

حضرت ابوالحسن نوری کا قول ہے کہ۔

تصوف ترك على حظ للنفس	تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کا نام ہے۔

امام ابوالقاسم قشیری لکھتے ہیں۔

ناء هذا الامر وملاكه على	تصوف کی ساری بنیاد اسی پر ہے کہ آداب شریعت
فظ آداب الشريعة وصون	کی پابندی رہے، حرام ومشتبہ چیزوں سے دستکش
يده عن المدالى الحرام والشبه	کی جائے، ناجائز اوہام وخیالات سے حواس
حفظ الحواس عن المحظورات	کو آلودہ نہ ہونے دیا جائے اور غفلتوں سے
عد الانفاس مع الله تعالى	بچکر خدائے تعالیٰ کی یاد میں وقت گذاری
ن الغفلات۔	کی جائے۔

مگر بقول مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی۔

حضرت شیخ جیلانی، بلکہ ان کے مرید با اختصاص اور ربانی سلسلہ سہروردیہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی تک کی تصانیف میں یہ اسلامی عنصر اور یہی رنگ غالب ہے، اس زمانہ کے بعد شیخ ابن عربی کے اثر سے" ان تخیلات کو اور تقویت ہوتی گئی۔ چنانچہ ملا جامی رحمہ کی لوایح ایک اچھی خاصی فلسفیانہ تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے، تاہم نویں صدی کا یہ تصوف بھی اگرچہ ابتدائی صدیوں کے تصوف سے بہت کچھ منحرف ہوچکا تھا اور رسم پرستیوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، جن پر آج اکثر خانقاہوں اور درگاہوں میں تصوف کا اطلاق ہوتا ہے۔

تصوف کی موجودہ مسخ شدہ شکل یونانی اوہام، ایرانی تخیلات،

Marfat.com

ہندی مراسم اور دیگر غیر اسلامی عناصر کا ایک معجون مرکب ہے، جس کے صرف بعض اجزاء اسلامی کہے جا سکتے ہیں اور وہ بھی بڑی تلاش ودیدہ ریزی کے بعد نظر آتے ہیں۔ حاشا ثم حاشا یہ اسلامی تصوف نہیں، اسلامی تصوف وہ تھا، جو خود حضرت سرور کائنات صلعم کا تھا، جو ابو بکر صدیقؓ و علی مرتضیٰؓ کا تھا، جو سلمانؓ و ابوذرؓ کا تھا، جکی تعلیم جنید بغدادیؒ و رابعہ بصریؒ نے دی ہے، جس کی ہدایت شیخ جیلانیؒ و شیخ سہروردیؒ۔ مرشد اجمیریؒ و محبوب دہلویؒ۔ خواجہ نقشبندیؒ، مجدد سرہندیؒ کرتے اور جس کی دعوت اس دور آخر میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی زبان قلم دیتی رہی "۔[۱]

یوں تو تصوف اسلام پر بے شمار تہذیبوں کے اثرات پڑے ہیں، لیکن عیسائیت بودھ مت اور نو فلاطونیت کے اثرات نہایت ممتاز اور نمایاں ہیں۔ عیسائیت کا اثر جو سے زیادہ رہبانوں خصوصاً Syrian Euchites کے ذریعہ ہوا ہے جن کے نزدیک زندگی کا واحد مقصد عبادت و ریاضت تھا۔ توکل نے صوفیوں کے یہاں جو شکل اختیار کر لی ہے وہ تمام تر عیسائیت کے اثر و نفوذ کا نتیجہ ہے۔ حلاج کا عقیدہ تھا کہ خدا نے انسان کو اپنی ہی صورت کے مطابق پیدا کیا ہے، اس نے خدا کی روح اور انسان کے اتحاد کا تذکرہ کرتے وقت لاہوت اور ناسوت کی اصطلاحین استعمال کی ہیں۔ اس کا یہ عقیدہ شامی عیسائیوں کے عقائد و خیالات سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے، عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث سے متاثر ہو کر بعض صوفی بھی تقریباً اسی قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں

---

[۱] تصوف اسلام صفحہ ۲، ۳۔

...لا ابن عربی کہتے ہیں کہ خدا کے اصلی نام تین ہیں اللہ، رحمٰن، رب اور دوسرے تمام
...ام ان کے ماتحت ہیں۔ اور جیلی کا خیال ہے کہ "خدا کی ذات تثلیث یعنی اصل الاصول
...ق اور مخلوق میں منقسم ہے، تمام جمہور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلعم ہمیں جیسے
...ا انسان تھے، فرق صرف اس قدر تھا کہ ان پر وحی اترتی تھی، ورنہ بشریت میں مساوی
...ے۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے،

...ل سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا | کہہ کہ میرا پروردگار پاک ہے، میں نہیں ہوں مگر
...سُولًا۔ (سورۂ بنی اسرائیل) | آدمی پیغام پہونچانے والا۔

سورہ کہف میں ہے۔

...لْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ | کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں، میرے
...لَيَّ أَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ ٥ | پاس بس یہ وحی آتی کہ تمہارا معبود، ایک ہی
معبود ہے۔

مگر بعض صوفیوں نے انہیں ربانی صفات سے متصف کیا ہے اور جس طرح
عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی تقدیس کی ہے، اسی طرح انھوں نے بھی آنحضرت صلعم
...ی عیسائیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا تھا کہ "جس نے مجھے دیکھا (آسمانی)
...اپ کو دیکھا" اسی قسم کا تخیل بعض صوفیوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت
...صلعم نے فرمایا ہے کہ "جس نے مجھے دیکھا، خدا کو دیکھا" صوفیوں کے "انسان کامل" کا
...تخیل، عیسائیوں کے لوگس (Logos) کے تخیل سے بہت زیادہ مشابہہ اور قریب ہے، شیعوں
...یں بھی اس قسم کے بعض عقائد پائے جاتے ہیں اور اس کی بعض علامتیں سنیوں میں بھی
نظر آتی ہیں۔

Marfat.com

بلخ، ماوراالنہر اور ترکستان میں اسلام کے پہونچنے سے قبل بدھ مت کو پورا عروج حاصل تھا، اس لئے جب مسلمان پہونچے تو بدھ فلاسفی اور بیراگیوں کی زندگی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ بلخ کا شہزادہ ابراھیم بن ادھم بدھ کے حالات سے اس قدر متاثر ہوا کہ خلعت شاہی کو اتار پھینکا اور جنگلوں کی راہ لی اور خانہ بدوش صوفیوں کی طرح زندگی بسر کرنے لگا۔ تسبیح اور مقامات وغیرہ بدھ مت کے اثر و غلبہ کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں، نظریۂ فنا کے متعلق بھی مستشرقین یورپ کا خیال ہے کہ یہ نروان کی ایک شکل ہے مگر مسلمانوں نے اسے تسلیم نہیں کیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر احمد علوش اس خیال کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

"بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ صوفیوں نے جس حالت کو فنا سے تعبیر کیا ہے، بعینہ وہی چیز ہے جس کو بدھ مت میں نروان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بدھ متیوں کے نزدیک نروان کے حصول کی راہ یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کو طرح طرح کی اذیتوں میں ڈالتا ہے، یہاں تک کہ نفس اس سے بالکل الگ ہو جاتا ہے، اور پھر اس کے پاس لوٹ کر نہیں آتا کیونکہ انکے خیال کے مطابق یہ شخص اب خود بدھ یعنی ایک دوسرا معبود بن جاتا ہے۔ تعالی اللہ عما یقولون علواً کبیرا۔

ان بت پرستانہ مزعومات کے اندر جو گمراہیاں اور ضلالتیں چھپی ہوئی ہیں، اس وقت میں ان کی تفصیل میں پڑنا نہیں چاہتا۔ البتہ یہ واضح

Marfat.com

کردینا چاہتا ہوں کہ ہمارے صوفیوں کا فنا اس سے بالکل علیٰحدہ چیز ہے۔ صوفی اپنے نفس اور تمام حیوانی صفات سے خدا کی محبت میں علیٰحدہ ہوتا ہے اور علیٰحدگی کے لئے جو شے بطور وسیلہ اختیار کرتا ہے، وہ اپنے نفس کی تہذیب و تربیت ہے، نہ کہ تعذیب و تشکیل اور جب وہ اس مقام کی تمام بلندیوں کو پوری طرح حاصل کرلیتا ہے، تو وہ ایک ایسے عالم میں پہنچ جاتا ہے، جہاں ذات الٰہی کے سوا اور کوئی چیز اس کو نظر نہیں آتی۔ یہاں تک کہ خود اس کا نفس بھی اس سے اوجھل ہوجاتا ہے، جو اس کے پہلو میں تھا، جب واجب الوجود کا جلوہ نظر آتا ہے، باقی اس کے علاوہ جتنے بھی وجود ہیں، سب مجازی اور غیر ذاتی ہیں، کیونکہ سب پر عدم و فنا طاری ہوتا ہے حقیقی اور ذاتی وجود صرف اس ذات برتر کے لئے ہے، جو ابدی اور دائمی ہے[۱]۔"

خارجی اثرات میں، تیسرا سب سے بڑا اثر، نو فلاطونی فلاسفی کا ہے۔ ۸۰۰ء اور ۸۶۰ء کے درمیان، یونانی علوم و فنون کا سیلاب، شام کی عیسائی خانقاہوں جندیشاپور (خوزستان) کی فارسی اکیڈمی اور ہران (عراق) کے صابیوں کے ذریعہ اسلام سے ٹکرایا اور جب پانی اترا تو اپنے بہت سے اثرات چھوڑتا گیا۔

ارسطو کی نام نہاد کتاب "ارسطو کی دینیات"* جس کا ۸۴۰ء میں عربی میں ترجمہ ہوا تھا، متصوفانہ نظریوں سے بھری ہوئی ہے، اس سے مغربی ایشیا کے تمام ممالک واقف تھے، اس لئے ظاہر ہے، اس سے بھی اسلامی تصوف یقیناً متاثر ہوا

---

[۱] الاصلاح، اکتوبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۶۳۱، ۶۳۲۔

* (Theology of Aristotle)

ہوگا۔ یہ محض بخت اتفاق نہیں تھا کہ مصری صوفی ذوالنون متوفی ۲۵۹ھ نے نظریہ غناسطیت کی سب سے پہلے تشریح و توضیح کی، بلکہ یہ اس وقت کے فلسفہ کا اثر سے تھا جس سے اس زمانہ کے تمام صوفیوں کے دل و دماغ متاثر نظر آتے ہیں۔

تصوف میں ایک نہایت اہم مسئلہ وحدۃ الوجود کا ہے، اس کے متعلق یہ عام شہرت ہے کہ یہ تخیل ہندوؤں کے عقیدہ ویدانت کا نتیجہ ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وحدۃ الوجود اور ویدانت میں بہت زیادہ مشابہت اور یگانگت ہے، مگر یہ ثابت نہیں کیا جا سکا کہ اسلامی تصوف میں، یہ تخیل ویدانت کے اثر و غلبہ سے پیدا ہوا۔ ہمارا خیال ہے کہ مسلمان صوفیوں میں یہ تخیل نو افلاطونیت کے اثر سے پیدا ہوا۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جہاں تک ہم سے تحقیق ہو سکی ہے، ہمارے پاس کوئی دلیل ایسی نہیں ہے، جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ ہندو ویدانت کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا ہے، حالانکہ اسلام میں اس تخیل کا آغاز تیسری صدی کے آخر سے یعنی حسین بن منصور حلاجؒ کے زمانہ سے ہے اور اس کا کمال پانچویں صدی ہجری میں محی الدین بن عربی کے زمانہ میں نظر آتا ہے اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں آنے کے بعد ہند ویدانتوں کے تخیل نے مسلمان صوفیوں پر اثر پڑا[1] مگر اسلامی تصوف میں اس تخیل کا اثر اس سے پہلے

---

[1] چنانچہ غالباً آٹھویں صدی ہجری میں بنگال کے ایک نومسلم پنڈت اور ایک صوفی عالم نے مل کر کی کتاب امرت کنڈ کا عربی میں ترجمہ "عین الحیواۃ" کے نام سے کیا، پھر اب فارسی سے اردو میں اس کا ترجمہ ہوا ہے۔ دارا نے اپنے زمانہ میں سراکبر کے نام سے جوگ بشٹ کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ (عرب و ہند کے تعلقات

معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً جب یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں میں محی الدین ابن عربی سب سے پہلے شخص ہیں، جنہوں نے اس عقیدہ کی سب سے پُرجوش حمایت کی ہے اور وہ اسپین کے باشندے تھے اور کبھی ہندو فلاسفی سے ان کو دوچار ہونے کا موقع نہیں ملا۔ اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ہندو ویدانت سے نہیں، بلکہ نوافلاطونی فلسفہ سے متاثر ہوئے تھے، لیکن جہاں تک حسین بن منصور حلاج کا تعلق ہے، یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ جس وحدۃ الوجود کا مدعی تھا، وہ معتبر اور محتاط مسلمان صوفیوں کا وحدۃ الوجود نہیں، بلکہ وہ حلول یعنی ایک قسم سے ہندوؤں کے اوتار کے مسئلہ کا قائل تھا، اس کی تفصیل اس کے پرانے تذکرہ نویسوں نے پوری طرح کی ہے اور خود اس کی تصنیف کتاب الطواسین سے بھی ثابت ہے، اس کے بعد یہ بھی ثابت ہے کہ وہ ہندوستان کے جادو، منتر اور کرتب کو سیکھنے یا جیسا کہ بعض کہتے ہیں کہ اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے ہندوستان آیا تھا، اس لئے عجب نہیں کہ وہ یہیں سے اپنا مسئلہ وحدۃ الوجود عراق لے گیا ہو[1]"

خاتمۂ کلام | اس بسط و تفصیل سے اسلامی تہذیب پر دوسری تہذیبوں کے اثرات، دکھانے کا مقصد محض یہ ثابت کرنا تھا کہ اسلامی تہذیب ہر طرح کی یکطرفی اور جمود سے بری، نامی اور زمانہ و ماحول کی ضروریات کے مطابق بدلتے رہنے والی ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اسلام کی کوئی مخصوص تہذیب نہیں ہے، یہ کیونکر ممکن ہے، ہر قوم کے، داخلی

---

[1] عرب و ہند کے تعلقات صفحہ ۲۴۸ ۔

زندگی اور مابعد الطبیعیاتی مسائل کے متعلق مخصوص عقائد ہوتے ہیں، جن کا تحفظ اور بقا اس قوم کی زندگی کے لئے ضروری ہے، بقول ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب۔

"آج جرمنی اور اطالیہ کے فلسفیوں نے، جو تمدنی مسائل پر گہری نظر سے غور کرتے ہیں، اس حقیقت کو روشن کر دیا ہے اور سب اہل فکر اس کے قائل ہو گئے ہیں کہ دنیا میں ایک تہذیب نہیں بلکہ بہت سی تہذیبیں ہیں، جو ایک ہی "عین" کے ماتحت ہونے کے باوجود مختلف قوموں کے فطری اور ذہنی ماحول کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں، وہ ایک دوسرے سے استفادہ کرتی ہیں، لیکن ایک کا دوسرے میں ضم ہو جانا، اس کی حامل جماعت کی ذہنی موت کی دلیل ہے۔" [۱]

یوں تو، جب کہ شروع میں، ہم نے عرض کیا ہے، تہذیب اپنے اندر بہت ہی وسیع مفہوم رکھتی ہے، لیکن بحث کی سہولت کے لئے، اگر اس کا تجزیہ کیا جائے، تو حسب ذیل تقسیم کی جا سکتی ہے۔

(۱) روح کی حقیقت کو سمجھنا اور کائنات کو معلوم کرنا۔

(۲) اخلاق یعنی اپنی فطرت پر قابو پانا اور مقاصد حیات کے پیش نظر نفس کی تہذیب کرنا۔

(۳) حیات اجتماعی یعنی فرد کا جماعت میں زندگی بسر کرنا۔

(۴) علم کی مدد سے قدرت پر قابو حاصل کرنا یعنی زندگی کے بقا اور آرام و آسائش

---

[۱] مسلمانوں کی تعلیم اور جامعہ ملیہ اسلامیہ صفحہ ۱۱۔

Marfat.com

کے لئے کوشش کرنا۔

(۵) سماج کی بھلائی اور اس کی بہبود و فلاح۔

(۶) آرٹ یعنی فنون لطیفہ۔

شروع کی دو چیزیں یعنی روح کی حقیقت کو سمجھنا اور اخلاق کلیتہً مذہب سے
لق ہیں، مسلمانوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ ان پر کسی اور قوم کی تہذیب و تمدن کا
نہ پڑنے پائے۔ اگر اتفاق سے اس پر کسی اور مذہب و ملّت کا کچھ بھی اثر پڑا ہے، تو وہ
پر مسلمانوں میں مقبولیت حاصل نہ کرسکا۔ تیسری چیز یعنی حیات اجتماعی کلی طور پر تو مذہب
متعلق نہیں ہے، مگر مذہبی تعلیمات سے بے نیاز بھی نہیں رہ سکتی، اجتماعی زندگی کے متعلق
سلام کی نہایت مفید تعلیمات ہیں، ان پر مسلمانوں نے عمل کرنے کی ہمیشہ کوشش کی ہے،
ن اسی کے ساتھ حالات اور ماحول کے مقتضیات کو بھی نظرانداز نہیں کیا لیکن
ری تین شقیں کلیتہً زمان و مکان سے متعلق ہیں، ان کے متعلق، مسلمانوں کا رویہ ہمیشہ
یاد رہا ہے اور ان مسائل کے حل کے وقت انھوں نے ہمیشہ زمانہ اور ملک کے مخصوص
الات و مسائل کو پیش نظر رکھا ہے۔

ماخذ

اس مضمون کی تیاری میں، معارف، جامعہ، الاصلاح (اعظم گڈھ) ترجمان القرآن،
منار (مصر)، Modern Review (کلکتہ) وغیرہ کے ان مضامین کے علاوہ جو زیر بحث مضمون
لکھے گئے ہیں حسب ذیل کتابوں سے خاص طور پر مدد لی گئی ہے

اردو:۔

Marfat.com

(۱) تصوف اسلام، مولفہ مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی۔
۲۔ عرب و ہند کے تعلقات، مولفہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی۔
۳۔ گمراہ صوفی، مصنفہ حافظ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن جوزیؒ، مترجمہ مولانا صاحب ملیح آبادی۔

عربی:-
۴۔ ضحی الاسلام۔ تالیف علامہ احمد امین (مصر)
۵۔ مختارات جرجی زیدان (مصر کے مشہور اہل قلم جرجی زیدان کے مضامین کا مجموعہ)

انگریزی:-
S. Khuda Bukhsh: Contributions to the History. of Islamic Civilization.
Tara Chand: Influence of Islam on Indian Culture

کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے

جذبات انسانی میں عشق ومحبت کا جذبہ جس قدر شدید اور قوی ہے شاید ہی
ئی دوسرا ہو اس جذبے کی ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ انسان دنیا ومافیہا حتیٰ کہ کبھی اپنے آپکو
ی بھول جاتا ہے اور ایک ہی کی یاد کا ہو رہتا ہے۔ العشق[۱] نار تحرق ماسوی المحبوب،
تو خاک کے پتلے اور گوشت پوست کے پیکر سے محبت کا حال ہے، جس کا حسن عارضی اور
ں کا جمال ناقص ٹھہرا۔ اگر تقدیر سے شاہد ازلی وجمیل حقیقی کی محبت میسر ہو جائے تو اسکی
برائی کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود — گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود
جرعہ خاک آلود چوں مجنوں کند — صاف اگر باشد ندانم چوں کند (رومی)

یہی محبت ہے جو اکثر صوفیہ کی رائے میں تصوف کی اساس کار اور ملاک الامر ہے

عشقِ آن زندہ گزیں کو باقیست — از شراب جانفزایت ساقیست (رومی)

ذوق حقیقی یا تصوف کی یہی شراب جانفزا ہے جس کی طرف عمر بن فارض مصری نے
عجب مستانہ انداز میں اشارہ کیا ہے۔

صفاءٌ ولا ماءٌ ولطفٌ ولا ھوا — ونورٌ ولا نارٌ وروحٌ ولا جسمٌ

آج کی بحث میں ہمیں یہ جستجو کرنی ہے کہ یہ شراب خاص میکدۂ اسلام کی کشید کی

---

[۱] عشق ایک آگ ہے جو محبوب کے سوا سب کو جلا دیتی ہے۔

Marfat.com

ہوئی ہے یا کسی باہر کے سرچشمہ سے لائی گئی ہے۔

تصوفؔ کی اصطلاح کی طرح تصوف کے عقیدے کا ماخذ بھی عرصے سے مابہ البحث
ہے اور مختلف مفکرین نے مختلفؔ نظریئے پیش کئے ہیں۔ و للناس فی ما یعشقون مذاہب۔ منا
معلوم ہوتا ہے کہ اول مشہور نظریئے بیان کر دیئے جائیں۔ پھر اُن کی تفصیل اور اُن
کیا جائے۔

(۱) تصوف ایک خود رُو پودے کی طرح ہے جو مناسب زمین پا کر اُگتا اور پھو
پھلتا ہے۔ اسلام میں بھی کسی خارجی یا داخلی اثر کے بغیر یہ تحریک از خود پیدا ہوئی
موافق حالات میں ترقی پکڑ گئی۔

(۲) تصوف سامی مذہب کے خلاف آریائی دماغ کا ردّعمل ہے۔

(۳) صوفیانہ عقائد مسیحی افکار کے رہین منت ہیں۔

(۴) یا عتقاد فلسفہ یونان کی صدائے بازگشت ہے۔

(۵) تصوف عین تعلیمات اسلام کا خلاصہ اور ارشادات کتاب و سنت کا ع
ان میں آخری رائے کے علاوہ جو خود حضرات صوفیہ کی تصانیف میں ملتی۔
اہل البیت اعلم بما فی البیت کے مطابق مستند سمجھی جا سکتی ہے، سب اغیار کی رائیں ہیں
اب اس اجمال کی تفصیل بھی سُنئے۔

(۱) پہلے گروہ کا خیال ہے کہ ہر قوم و ملت کی ذہنی زندگی میں ایک دور ایسا

لہ لفظ تصوف کا استعمال قرآن۔ حدیث۔ بلکہ کلام جاہلیت میں بھی کہیں نہیں ملتا
اس کے مختلف ماخذ بتائے ہیں، مگر صحیح یہ ہو کہ یہ صوف سے مشتق ہے، جاحظ بصری، پہلا عربی مصن
جس نے اس لفظ کو برتا۔ اور ابوہاشم (معاصر سفیان ثوری) پہلے شخص ہیں جو صوفی کے لقب سے
ہوئے۔ سے تاریخ ادب ایران از براؤن۔

ہے جب کہ اُس میں صوفیانہ خیالات وافکار کی جانب میلان پیدا ہو جاتا ہے، چینی،
ں۔ ہندی۔عبرانی، ایرانی۔ رومی۔یونانی۔غرض ہر قوم تمدن کے عہد طفولیت سے
کر دماغی ارتقار کے اس دور سے ضرور گذری ہے، چنانچہ اُن کے ادب میں اس عقیدے
ہلک نظر آتی ہے۔ خواہ تصوف کی تعریف یوں کرو کہ وہ حق تعالیٰ[1] کے ساتھ روح کے
اسط رابطہ کا نام ہے، خواہ یوں کہو کہ وہ[2] صوفی کے ظاہر و باطن کے سقوط اور ہر چیز
ذات حق کے شہود سے عبارت ہے۔ بہرصورت آدمی کے دماغ میں اس لگن کا پیدا
فطری اور ہر ملت کا اس منزل سے گذرنا یقینی ہے۔

(۲) دوسری جماعت کا گمان ہے کہ تصوف آریائی مذاہب سے ماخوذ ہے۔
ن کے زعم میں آریائی مذاہب گویا نہایت ترقی یافتہ تھے اور اسلام معاذاللہ رسمیات
یسا ضابطہ تھا جو شائستہ دماغوں سے کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا۔ اس لئے جب
یہ اقوام کو اسلام قبول کرنا پڑا تو قدرۃً قدیم مذاہب اور اسلام میں کشمکش کے بعد
ں طرح کی مفاہمت عمل میں آئی اسی مفاہمت کا نام تصوف ہے۔ اس موقع پر
ریائی مذاہب کے عناصر ترکیبی پر ایک نظر ڈالنی ضروری ہے جس سے آگے چل کر تصوف
، حدود متعین ہو سکیں۔ آریائی مذاہب کی دو بڑی شاخیں ہیں! ایرانی اور ہندی
عنا ایرانی ظہور اسلام سے پہلے ایران میں ساسانی حکومت اور زرتشتی مذہب کا دور دورہ
ا۔ زرتشتی عام طور پر کائنات میں دو حکمران قوتوں (قوت خیر و قوت شر) کے وجود کے

---

(1) The doctrine of the soul's union with Absolute Reality. (Ency. of Ethics).

[2] التصوف اسقاط الرویۃ للحق ظاہراً و باطناً (حیری نیشاپوری)

Marfat.com

اعتقاد رکھتے اور ثنوی المذہب کہلاتے ہیں۔ مگر محققین حال کا بیان ہے کہ زرتشت کی تعلیمات توحید پر مبنی تھیں۔

زرتشت[1] نے آریائی دیوتاؤں پر جو اسورا (یا اہورا) کہلاتے ہیں مزدا کا اضافہ کیا مزدا اہورا یا اہورا مزدا (اور مزدیا ہرمز) کا لفظ خدائے برحق کے لئے استعمال کیا۔ وہ اس کو خالق کائنات اور رب العالمین مانتا ہے اور اسی کو جامع صفات کاملہ اور لایق پرستش جانتا ہے۔ آریائی دیو (دیوتا) کو زرتشتی آئین میں شیطان یا خداوند اہل دروغ (آکو۔ دروگ) سے تعبیر کیا گیا ہے اور اگنی وغیرہ کو فرشتہ قرار دیا گیا ہے، گاتھا میں اہرمن اور یزداں کی باہمی آویزش کا کہیں ذکر نہیں۔ یہ درست ہے کہ گاتھا میں انگرہ مینو (اہرمن یا خرد خبیث) کی مذمت جا بجا ملتی ہے۔ لیکن وہ اہورا مزدا کا مقابل نہیں بلکہ سپنتا مینو (سپنتمن یا خرد مقدس) کا مقابل ہے، زرتشت کے نزدیک انسان کا فرض ہے کہ دنیا حقیر نہ جانے زندگی بھر دروغ سے جنگ کرتا رہے اور ہومت، ہوخت۔ ہوورشت (پندار نیک۔ گفتار نیک۔ کردار نیک) کو اپنا دستور العمل بنائے۔ وہ قربانی۔ فدیہ مسکرات کا مخالف ہے۔ اور قیامت۔ صراط۔ میزان۔ حساب۔ بہشت۔ دوزخ سب کا معتقد ہے۔

ان بیانات سے واضح ہو گیا ہوگا کہ ایرانی مذہب ہندی شاخ کے مقابلہ میں توحید سے قریب تر اور شرک سے دور تر ہے۔ تاہم نام نہاد تصوف کا ایرانی مذہب میں سراغ نہیں ملتا۔ یہ صحیح ہے کہ زرتشتی مذہب میں علمائے مغرب نے ایک خاص قدیم فرقے کا پتہ لگایا

---

[1] گاتھا ترجمہ پور داؤد

Marfat.com

ر (Zervanites) کے نام سے موسوم اور ایک محیط کل علت اولیٰ کا قائل تھا۔
د ایران میں اس کو کبھی مقبولیت نصیب نہیں ہوئی۔

ب۔ ہندی[1] اس شاخ میں صوفیانہ خیالات وعقائد کو کافی اہمیت حاصل رہی ہے۔
ین نے ہندو تصوف[2] کے چار دور قائم کئے ہیں۔ اوّل۔ ویدوں کا زمانہ۔ اس دور میں
یہ دیوتاوں کا دور دورہ ہے، بایں ہمہ کبھی کبھی اس ظلمت میں عرفان کی جھلک بھی
جاتی ہے۔ دوم۔ اپنشد کا زمانہ۔ اس دور میں ویدانت کا شباب اور وحدت الوجود
روح منتہائے کمال کو پہونچ جاتا ہے۔ سوم مہابھارت کا زمانہ۔ جب کہ گیتا کی تعلیم
کرشن جی کے نغموں[3] نے اس شراب کو اور دو آتشہ کردیا اور یہ خیالات گھر گھر عام ہوگئے
م بھگتی کا عقیدہ۔ جس میں فلسفہ سے زیادہ محبت کا عنصر کارفرما تھا ہر صوفیانہ نظام کی
ہندو ویدانت جس کا سرچشمہ اپنشد ہے کائنات کی کثرت میں وحدت کی جویا ہے
اس کا مقصد یہ ہے کہ روح کا رابطہ ذات حق سے مستحکم کیا جائے یا دوسرے الفاظ
سالک اپنے کو وحدت مطلق میں فنا کردے۔ ویدانت کے دو بڑے اسکول گذرے
ایک کا عقیدہ یہ ہے کہ خالق[4] نے کائنات میں حلول کیا ہے۔ اور کائنات سے باہر
کا وجود نہیں۔ اور چونکہ وہ حقیقی اور غیر محدود ہے اس لئے کائنات بھی حقیقی اور غیر محدود

---

[1] Ency. of Ethics
[2] دراصل Mysticism کیلئے باطنیت اور اسلامی Mysticism کیلئے تصوف کی اصطلاح ہونی چاہیئے
[3] چو بنیادِ دین سست گردد ہمے۔ نمائیم خود را بہ شکل کسے (گیتا فارسی مترجمہ فیضی)
[4] یہی وہ نقطہ اتصال ہے جہاں توحید و شرک کی حدود مل جاتی ہیں اور یہیں سے خدا کے
ظہور (برہما، وشنو، شیو) کا اعتقاد پیدا ہوتا ہے۔

Marfat.com

ہے۔ دوسرے کا اعتقاد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا تمام اشیاء باطل اور اعتباری ہیں۔ و
وہی حقیقت ہے اور باقی سب مجاز کائنات صرف اُس کا پرتو یا مظہر ہے۔ ہم اس کو کا
کی مدد سے ادراک نہیں کر سکتے۔ البتہ جسمانی تعلقات کا بندھن توڑنے سے اُس کو پا س
ہیں۔ اس کے بغیر تناسخ کے چکر سے نکلنا اور معرفت حاصل کرنا محال ہے۔ معرفت کی معرا
یہ ہے کہ آتما (روح) پرماتما (خدا) میں اپنے کو فنا کر دے۔ وحدت وجود کا یہ آخری ن
نظریہ (idealistic Pantheism) یا مثالی وجودیت کے نام سے موسوم ہے۔

ویدانت کے یہ دونوں دبستاں منتہی کے لئے ہیں۔ مبتدی کے لئے مذہبی رسو
وعبادات کی پابندی بھی لازم ہے۔ منتہی کے نزدیک خالق عالم (برہما) صفات سے
پاک (نرگن) اور غیر موجود فی الخارج ہے۔ مبتدی کے عقیدے میں صفات سے متص
اور خارج میں موجود ہے۔ [1]

ویدانت کا پہلا معلم بادرائن کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد شنکر آچاریہ (آٹھویں صد
مسیحی) نے جو شارح اپنشد کہلاتا ہے اس عقیدہ کی تبلیغ کی، پھر گیارہویں صد
مسیحی میں رامانج نے اس کو رواج دینے اور مقبول عام بنانے کی کوشش کی۔ شنکر
عرفان کو وصال الٰہی کا ذریعہ ٹھہرایا تھا۔ رامانج نے عشق کو نجات ابدی کا وسیلہ قرار دیا
کہ ہندو مذاہب میں تصوف (ویدانت) اور تصوف میں وحدت الوجود کا اعتقاد اس ق
راسخ ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا دشوار ہے۔ در اصل ہندو مذہب ایسا ساز ہے کہ آ
جس تار کو چھوؤ گے یہی نغمہ سنائی دے گا۔ ایکو برہم دوتیو ناستے (لاموجود الا اللہ

---

[1] ویدانت اور افلاطونیت جدید میں خدا کو Impersonal غیر موجود فی الخارج
گیا ہے اور مسیحیت اور اسلام میں Personal موجود فی الخارج۔

Marfat.com

ت سب کچھ ہے (اس لئے کہ وہی سب پر محیط ہے) اور کچھ بھی نہیں (اس لئے کہ نطق سے بالا تر ہے)" "اگر اُس کو تلاش کرنا ہے تو اپنے نفس میں تلاش کرو وہ ی مطلق ایک طرف رائی کے دانہ سے بھی چھوٹی اور دوسری طرف تمام جہانوں سے بڑی ہے"

اس جگہ ہندوستان کے دوسرے مذاہب بدھ مت اور جین مت کی تفصیل جانا بے سود ہے کیونکہ ان میں تصوف کا سرے سے وجود ہی نہیں، بلکہ اوّل الذکر وجودِ باری کا عقیدہ بھی مفقود ہے۔ بدھ مت کرم اور آواگون کی معتقد ہے اور نجات ہوم بس اسی قدر مانتی ہے کہ روح کرم کے نتائج سے چھٹکارا پائے اور آواگون کے سے نکل جائے۔ اور اُس کی صورت یہ ہے کہ خودی[۱] کو مٹا کر عدم محض میں پہونچ جائے کا نام اس کی اصطلاح میں نروان ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ صرف فنا کی قائل ہے بعد فنا اس کی نزدیک بے معنی ہے۔ رہی جین مت۔ اس میں بھی کرم اور آواگون اساسی ائد کی حیثیت رکھتے ہیں اور اُس کے لحاظ سے نجات اس میں منحصر ہے کہ انسان عمل کی باسے اپنا تعلق بالکل قطع کرلے۔

اس اعتبار سے ان مذاہب کی حیثیت محض سلبی ہے۔ ویدانت کی حیثیت ایجابی۔

(۳) تیسرے[۲] فرقہ کی رائے میں تصوف مسیحی عقائد سے ماخوذ ہے۔ یعنی جس طرح مسیحی سبحانہ کی دو حیثیتیں مانتے ہیں ایک لاہوتی۔ دوسرے ناسوتی۔ اسی طرح مسلمان صوفیہ

---

[۱] بدھ کے نزدیک خودی جو پیری۔ مرض اور موت کے مصائب کی جڑ ہے صرف اس طرح مٹ سکتی کہ رگانہ عادات ردیہ شہوت۔ حسد۔ فریب سے اجتناب کرکے ہشت گانہ اخلاق رضیہ کو اختیار کیا جائے اور احساس۔ اور ارادہ کو برائی سے ملوث نہ ہونے دیا جائے" [۲] (Ency. of Ethics)

Marfat.com

بھی قائل ہیں۔ الحق المنزہ ہو الحق المشبہ (ابن عربی) حقیقت یہ ہے کہ انجیل میں تصوف
نسبت چند اشارات کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ لے دے کر ایک رہبانیت رہ جاتی ہے جو
اور بعض صوفیہ میں مشترک پائی جاتی ہے مگر وہ بھی ابتدعوہا کے داغ سے داغدار ا
فما رعوہا حق رعایتہا کی فرد جرم کی سزاوار ٹھہرتی ہے۔

اکثر علمائے یوروپ کا خیال ہے کہ مسیحی تصوف خود مذہب یہود سے مستعار لیا گیا
یہ امر بظاہر موجب حیرت ہے کہ یہودیت جیسا خشک اور ضابطہ پرست مذہب بھی تصوف
کی چاشنی سے خالی نہیں پھر اس کی بھی دو شاخیں ہو گئی ہیں۔ ایک تالمودی تصوف
جس کا ماحصل یہ ہے کہ خدا کائنات کا مسکن ہے۔ کائنات خدا کا مسکن نہیں یعنی
خالق عالم سے الگ کوئی چیز نہیں اسی کی ذات سے اس کا ظہور ہوا ہے۔ دوسر
یہودی یونانی تصوف جس کی مقبولیت کا سبب یہ تھا کہ اسکندریہ میں یہودی مذہب
کے ساتھ فلاطون اور ارسطو کی تصانیف بھی داخل نصاب تھیں۔

اگرچہ یہودی ربیوں کے دعوے کے مطابق خود توریت میں تصوف کا مو
موجود ہے جس کی شہادت میں وہ حضرات انبیاؑ کے مکاشفات والہامات یشعیاہ نبی
مشاہدہ۔ حزقیل نبیؑ کا وجد۔ قرب اور کلام وغیرہ پیش کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے خیال
افکار تصوف یونانی فلاسفہ کے خیالات کا اثر ہے۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

(۴) چوتھے دبستان کی نظر میں اسلامی تصوف افلاطونیت جدید یا اشراق
مرہون احسان ہے۔ افلاطونیت جدید یا اشراق کیا ہے۔ اس کے جواب کے لئے ہمارے
ساتھ قبل مسیح کے یونان کی سیر کیجئے اور فلاسفہ قدیم کے بیانات سنئے۔ افلاطون[1] (۹

[1] (Lecture on Plotinus د Ency. Brit)

Marfat.com

ق م) پہلا شخص تھا جس نے دریافت کیا کہ نفس انسانی (یا روح) کو بطور خود کلیات
حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ کیونکر ممکن ہے۔ چونکہ تجربات و مشاہدات کی دنیا میں
ف جزئیات سے سروکار ہوتا ہے، اس لئے اس عالم کی کثرت میں وحدت کا
لوم اس کا جواب وہ یہ دیتا ہے کہ نفس کو اپنی کسی سابق زندگی میں کلیات (حق وحسن
ق) کا تجربہ ہو چکا ہے جس سے اس موجودہ زندگی میں اس کو مدد ملتی ہے۔ اس طور
ا دو قسمیں ہوئیں۔ کلی اور جزئی۔ جو علی الترتیب عالم[۱] مثال اور عالم ظاہر سے
کھتی ہیں۔ عالم ظاہر کے تجربات ہمیں عالم مثال کی یاد دلاتے ہیں۔ اب یہی حق مطلق
اس دنیا میں بھی مختلف مظاہر کے اندر جلوہ گر ہے۔ اور نفس کی معراج یہ ہے کہ اس کے
ے متحقق ہو کر اس سے واصل ہو جائے۔

فلاطون کی اس بنیاد پر جس نے اچھی خاصی عمارت کھڑی کر دی وہ دراصل
س (۲۰۴ - ۲۷۰ ع) تھا۔ یہ امونیوس کا شاگرد اور مصر کا باشندہ تھا۔ اسی
ں دبستاں کو جو افلاطونیت جدید کے نام سے مشہور رہے علمی حلقوں میں مقبول
اور درحقیقت یونانی تصوف بڑی حد تک فلاطینوس ہی کے نتائج فکر سے عبارت
س کے خیالات ہم تک اس کے شاگرد پارفری (فرفوریوس) کے ذریعے سے پہونچے ہیں
وس کے خیالات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔ دنیائے محسوسات میں روح ایک اجنبی کی
ا رکھتی ہے، اور یہ دراصل روح اعظم کا پرتو ہے، روح اعظم کو منظور ہوا کہ اپنی صورت

---

[۱] عالم امر اور عالم خلق کی اصطلاحیں صوفیہ کے یہاں اسی مفہوم کو واضح کرتی ہیں۔ الا لہ الخلق والامر

ایں جہان نیست چوں ہستان شدہ ۔ ۔ وآں جہان ہست بس پنہاں شدہ (رومی)

Marfat.com

کا مشاہدہ کرے اور کائنات ظہور میں آگئی ۔ جو اس کے اندر مخفی تھی ۔ روح ناقابل
ہے ۔ ہر کثرت وحدت کا آئینہ ہے ۔ روح نہ پیدا ہوتی ہے نہ فنا ہوتی ہے ۔ البتہ جو
دنیا میں گناہ سے آلودہ ہو جاتی ہے اس کو تناسخ کی سزا بھگتنی پڑتی ہے ۔ روح کو
اور ابدی اقدار (یعنی حق ۔ خیر اور حسن) کا تحقق صرف روحانی زندگی میں ممکن ہے
اسی کا نام جنت ہے ۔

اس طور سے یہ نظام تین شعبوں پر مشتمل ہے ۔ اوّل روح اعظم ۔ دوم عالم
اور روح ۔ سوم ۔ عالم ناسوت ۔ روح اعظم واحد ۔ غیر متناہی ۔ سرچشمہ حیات ۔ علت
اور وجود حقیقی ہے ۔ پہلے روح اعظم سے عقل کا ظہور ہوا جو اس کی مظہر کامل ہے ۔ عقل
روح وجود میں آئی جو عقل ہی کی طرح غیر مادّی ہے ۔ روح کو عقل سے وہی نسبت
ہے جو عقل کو واحد حقیقی سے ۔ روح عقل اور عالم ناسوت کے مابین ایک واسطہ
رکھتی ہے ، جو روح دنیا کے علائق سے آلودہ ہو جاتی ہے اس کا فرض ہے کہ اخلاق
فاضلہ کی مدد سے پھر اپنے کو روحانی زندگی کے قابل بنائے ۔

(۵) پانچویں فریق یعنی خود صوفیہ کا دعویٰ ہے کہ تصوف تمام تر عین اسلام
اسلام ہے ۔ وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں قرآن ۔ حدیث اور خیر القرون کا
پیش کرتے ہیں ۔ چنانچہ قرآن مجید میں متعدد آیات ملتی ہیں ، جن میں تزکیہ روح
باطن کی تاکید اور ان فضائل سے اتصاف رکھنے والوں کی مدح وارد ہے ۔ مثلاً
ظاہر الاثم و باطنہ ، ظاہر و باطن ہر قسم کے گناہ کو چھوڑ دو ۔ لن ینال اللہ لحومہا و

---

[1] کتاب اللمع ۔ کشف المحجوب ۔ عوارف المعارف ۔ تصوف اسلام وغیرہ ۔

Marfat.com

ینالہ التقویٰ منکم قربانی کا گوشت اور خون خدا کے حضور میں نہیں پہونچتا۔ البتہ تمہارا
اور پرہیزگاری پہونچتی ہے۔ قد افلح من زکیٰھا و قد خاب من دسّٰھا جس نے اپنی
کو پاک رکھا وہ مراد کو پہونچا اور جس نے اس کو دبا دیا (اصلاح نہ کی) وہ خسارے
ہا۔ وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ہوناً و اذا خاطبہم الجاہلون قالوا سلٰما
ن خدا کی یہ شان ہے کہ زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں اور جب نادان لوگ اُن
اطب ہوتے ہیں تو سلام کرکے الگ ہو جاتے ہیں۔
الذین اٰمنو و تطمئن قلوبہم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب جو ایمان لائے
ور جن کے دلوں کو ذکر خدا سے سکون ملتا ہے۔ اور یاد رکھو ذکر خدا ہی سے سکون
ب ہوتا ہے۔ من یتوکل علی اللہ فہو حسبہ۔ جو خدا پر بھروسا کرے گا۔ خدا اُس کے
کافی ہے۔ اسی طرح صحاح میں احادیث رقاق اور فقرائے مہاجرین کی توصیف میں
شار روایات موجود ہیں۔ جن کا استقصا کیا جائے تو ایک مجلد تیار ہو جائے! اسی سے
ق بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ سے وہ مشہور حدیث مروی ہے جو حدیث جبریل
قی ہے۔ یعنی حضرت جبرئیل آدمی کے بھیس میں جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور منجملہ دوسرے سوالات کے یہ بھی دریافت کرتے ہیں۔
احسان' احسان سے کیا مراد ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اَن تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ
یراک یعنی احسان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم
کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو وہ تو تمہیں دیکھتا ہی ہے۔ یہی احسان یا
اص ہے جو آگے چل کر تصوف کے نام سے مشہور ہوا۔ ان تعلیمات کا صحیح عملی نمونہ دیکھنا
تو حضرت رسول مقبولؐ اور آپ کے مخصوص اصحاب اور اہل بیت کی مبارک سیرتوں پر نظر

ڈالو۔ ابو بکر صدیق ۔ علی مرتضیٰ ۔ ابوذر سلمان ۔ حذیفہ ابو درداء ۔ ابو ہریرہ ۔ عمار
مکتوم ۔ ابن مسعود صحابہ میں اور امام زین العابدین۔ امام باقر۔ عروہ بن زبیر۔ اویس ق
بن جُبیر۔ سعید بن مُسَیّب تابعین میں فقر و قناعت تسلیم ورضا کی اقلیم کے سلطا
دنیا میں رہ کر بھی دنیا سے گریزاں تھے ۔ تاریخ اسلام کے اوراق ان خاصان
زندگی کے سبق آموز واقعات سے معمور اور اپنے بیگانے سب اُن کے کمالات او
کے معترف نظر آتے ہیں۔

تصوف کے ماخذ کے بارے میں یہ پانچوں نظریئے ہمارے سامنے ہیں۔ اب
فرض ہے کہ ہم ان کو جانچیں اور ہر ایک کی صحت وسقم کا فیصلہ کریں۔

ہم بداہتہً دیکھتے ہیں کہ خود اسلام کے اندر احسان واخلاص ۔ صبر
کی تعلیم موجود ہے اور ہادیٔ اسلام علیہ الصلوۃ والسلام اور آپ کے رفقا
سراسر اُس تعلیم کی عملی تفسیر ہے۔ اِس صورت میں یہ کہنا کہ نفس تصوف براہ را
اسلام سے ماخوذ ہے قطعاً مبالغہ نہ ہوگا ۔ ان حالات میں پہلا نظریہ جو تص
خودرو پیدا وار مانتا ہے خود بخود باطل ٹھہرتا ہے ۔ اب رہا دوسرا اور تیسرا
جو آریائی اور مسیحی افکار کو اسلامی تصوف کی بنیاد قرار دیتا ہے ۔ وہ بھی تا
لحاظ سے نادرست ہے ، کیونکہ جس زمانہ میں ہندو اور عیسائی ادب وفلسفہ مسل
سے روشناس ہوا اُس سے بہت پیشتر تصوف ارتقار کی منزلیں طے کر چکا تھ
نظریہ کی نسبت مستشرقین کا بیان ہے کہ خود افلاطونیت جدید ایک حد تک مت
تصوف سے متاثر ہوئی ہے ۔ یہ صحیح ہے ، کہ خلافت عباسیہ کے عہد میں مسلمانوں میں
فلسفہ کافی مقبول ہوا اور قیاس چاہتا ہے کہ متاخرین صوفیا اس سے کسی قدر

ے ہوں گے۔ لیکن جہاں تک متقدمین کا تعلق ہے یہ بالکل بے بنیاد ہے۔

اب پانچواں نظریہ باقی رہ جاتا ہے۔ یعنی تصوف تمام تر تعلیمات اسلام سے ذ ہے، ہمیں اس سے جزءً اتفاق ہے اور جزءً اختلاف۔ یہ تو بالکل درست ہ نفس تصوف اسلام کے اندر موجود ہے بلکہ عین اسلام ہے۔ لیکن متاخرین کا تصوف چھا خاصہ فلسفہ بن کر رہ گیا ہے اور جس میں بہت سے زائد عقائد و اشغال شامل ہو گئے ہرگز خالص اسلامی تصوف نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی توضیح آپ کو آیندہ سطور میں ئی مگر اس سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تصوف اسلامی کی مختصر تاریخ عرض کر دی ے۔ تاکہ اس کی مختلف دَور سامنے آجائیں۔ یوں تو تصوف کا سلسلہ خاص حضور ؐ اور آپ کے جلیل القدر اصحابؓ تک منتہی ہوتا ہے، لیکن پہلے شخص جو صوفی کے ہ سے ملقب ہوئے وہ ابو ہاشم کوفی معاصر سفیان ثوری تھے۔ بعض کے نزدیک اس ب سے پہلے مشہور ہونے والے جابر بن حیان کوفی تھے۔ یہ دونوں بزرگ دوسری صدی ی میں گذرے ہیں۔ ان سے پیشتر جو حضرات زاہدانہ زندگی بسر کرتے اور پبلک لائف ے کنارہ کش رہتے اُن کے شرف کے لئے صحابی یا تابعی کا لقب کافی سمجھا جاتا تھا۔ ابو ہاشم زمانہ کے لگ بھگ ابراہیم ادہم۔ داؤد طائی، فضیل بن عیاض اور رابعہ العدویہ مشہور صوفی ئے۔ جن کے زہد و عبادت کے واقعات سے تمام تذکرے بھرے پڑے ہیں۔ تصوف ے ابتدائی مصنفین میں یحیی بن معاذ رازی، سید الطائفہ جنید بغدادی، شیخ ابو نصر سراج دی، امام ابو القاسم قشیری خراسانی اور شیخ علی بن عثمان ہجویری لاہوری کے اسمائے رامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت بایزید اور شیخ جنید سے پہلے تصوف ایک خاص اشم کی زاہدانہ اور قناعت پسندانہ زندگی کا نام تھا، ان دونوں بزرگوں نے وحدت الوجود

Marfat.com

کا نغمہ اس نے سے چھیڑا کہ در و دیوار گونجنے لگے۔ ان کے مدتوں بعد شیخ محی الدین ابن
نے وحدت وجود کو جو اب تک ایک وجدانی اور ذوقی چیز سمجھی جاتی تھی ذہنی اور
جامہ پہنا دیا اور تصوف کو خالص فلسفہ بنا دیا۔ اُن کی تصانیف آج تک خواص اہل علم
اس فن کے غوامض اسرار کی حامل مانی جاتی ہیں۔ خدا رحمت کرے امام غزالی پر کہ
نے شیخ اکبر کے بعد اپنی مجتہدانہ تصانیف سے اسلامی عقائد کو اُن کی اصلی صورت میں
پیش کیا اور تصوف کو فلسفہ کی غلامی سے بچا لیا۔ تاہم فارسی شعرا مثلاً سنائی۔ عطار
رومی۔ عراقی۔ اوحدی۔ شبستری۔ خسرو۔ حافظ۔ جامی نے اپنے اپنے دور میں تصوف کی
مردافگن جس میں وحدت الوجود کی چاشنی نمایاں تھی۔ اس ذوق و شوق سے پی اور
کہ زمین و آسمان سرشار ہو گئے۔ آخر ہمارے ہندوستان میں حضرت مجدّد الف ثانی کا
ہوا، جنھوں نے وحدت وجود کے مقابلہ میں وحدت شہود کا عقیدہ ثابت کیا اور ا
کتاب و سنت پر بہت زور دیا۔ آخر عہد میں شاہ ولی اللہ پیدا ہوئے جنھوں نے
بلند پایہ تصنیفات میں دونوں عقیدوں میں تطبیق کی کوشش کی ہے۔

یہ تاریخ تصوف کا ایک اجمالی خاکہ ہے جس سے تصوف اسلام کے ارتقا
مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عہد سعادت کا تصوف
کے عجمی تصوف سے کس قدر متغائر رہے۔

در اصل متاخرین کا تصوف عبارت ہے چند مخصوص عقائد و اعمال اور ایک خا
قسم کی متمائز زندگی سے جو اُن عقائد و اعمال کا لازمی نتیجہ ہے۔ یہاں تصوف کی مختلف
تعریفات اور صوفیہ کے مختلف خیالات کی تفصیل کا محل نہیں۔ صرف اجمالاً اُن مخصوص
عقائد و اعمال کا تذکرہ کر دینا کافی ہو گا۔

Marfat.com

عقائد میں سب سے پہلے وحدت الوجود یا توحید وجودی کا عقیدہ آتا ہے جس کا حصل یہ ہے، وجود صرف ایک ہے۔ اور تمام اشیاء جو نظر آتی ہیں اسی کی تجلیات و مظاہر ہیں۔ وجود حقیقی اور کائنات میں ذات وصفات کی نسبت ہے۔ اور چونکہ صفات عین ذات ہیں۔ کائنات کا بھی حق تعالیٰ سے الگ کوئی وجود نہیں۔ بلکہ سب وہی ہے، شیخ ابن عربی کا قول ہے سبحان[1] من خلق الاشیاء وہو عینہا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔ الرب[2] حق والعبد حق فما ادری من المکلف۔ اسی قول سے تخلیق عالم کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے یعنی وجود بسیط۔ یا ذات بحت جس کو جیلی نے العمیٰ کے لقب سے یاد کیا ہے لاتعین کی شان سے متصف تھی۔ جب وہ اس کی مقتضی ہوئی کہ خود اپنے کو پہچانے تو اس نے تعینات یا تنزلات کی جانب رجوع کیا جن کو عالم یا کائنات کہا جاتا ہے۔ عالم دو ہیں۔ عالم مثال اور عالم ظاہر۔ عالم کے اجزاء ہر آن وجود حقیقی کی طرف سے فیضان وجود آنے اور منقطع ہونے کی بنا پر بنتے بگڑتے رہتے ہیں۔ اسی کا نام تجدد امثال ہے رہے اعمال تصوف۔ وہ بھی دو قسم کے ہیں۔ اوّل وہ جو بڑی حد تک مقصود بالذات ہیں۔ مثلاً محبت۔ رضا۔ زہد۔ تقویٰ۔ صبر، شکر۔ قناعت، سخاوت وغیرہ۔ دوسرے وہ جو مقصود بالغیر ہیں۔ مثلاً ذکر۔ فکر مراقبہ۔ ارادت۔ بیعت۔ خرقہ۔ ریاضت۔ مجاہدت وامثالہا۔

یہ مخصوص افکار و اشغال کیونکر پیدا ہوئے! اسلام تو خدا کی وحدانیت کیساتھ

---

[1] پاک ہے وہ ذات جس نے تمام اشیاء کو پیدا کیا درانحالیکہ وہ عینِ اشیاء ہے۔

[2] خدا بھی حق ہے اور بندہ بھی حق ہے۔ مجھے نہیں معلوم پھر مکلف کون ہے۔

Marfat.com

اس کے خلاقیت ربوبیت۔ رزاقیت اور انسان کی مخلوقیت۔ عبودیت اور مرزوقیت ببانگ دہل اعلان کر رہا ہے، ہو الذی خلقکم من طین۔ وہی خدا ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ وہی رب العالمین۔ وہی رزاق ذو القوۃ المتین ہے۔ جس کی شان پاک ہے۔ ہو یطعم ولا یطعم[1] اور ظاہر ہے کہ مطعِم اور مطعَم ایک نہیں ہو سکتے۔ تخلیق کی غایت خود قرآن کے الفاظ میں یہ ہے ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ ہم نے جن اور انسان کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ ہمارے حضور میں اپنی عبودیت کا اعتراف کریں۔ اگر اس عقیدے کو نہ مانا جائے تو نیک و بد کا امتیاز۔ شیخ و برہمن کا فرق۔ اسلام و کفر کا تفاوت۔ انبیا کی بعثت۔ شرائع کی غایت۔ انسان کی تکلیف اور مسئولیت سب لغو ٹھہرتی ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ صوفیہ متاخرین نے بہت سے خیالات غیر شعوری طور پر فلاسفہ[2] یونان سے اخذ کرلئے ہیں۔ یہی حال اکثر اشغال و مجاہدات کا ہے جو باہر سے تصوف میں داخل ہو گئے ہیں۔

آخر صوفیہ کے پاس اس کا کیا جواب ہے سنئے۔ صوفیہ اپنی تائید میں تین چیزیں پیش کرتے ہیں۔ نقل۔ عقل اور کشف۔

سب سے پہلے ہم نقل کو لیتے ہیں۔ جس سے مراد قرآن و حدیث ہے۔ مثلاً وحدت الوجود کے ثبوت میں وہ اکثر ان آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ ہو الاول

---

[1] وہ سب کو روزی دیتا ہے اور اس کو کوئی روزی نہیں دیتا۔

[2] اعلم ان الاشراقیین من الحکماء کالنبیین کالصوفیین فی المشرب والاصطلاح (کشف الظنون)

Marfat.com

والآخر والظاہر والباطن خدا ہی اوّل وآخر ہے۔ خدا ہی ظاہر وباطن فاینما تولوا فثم وجہ اللہ تم جدھر بھی رخ کرو اُدھر خدا کی ذات ہے۔ ہو معکم اینما کنتم خدا تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔ الا انہ بکل شئی محیط جانتے رہو کہ خدا ہر شئے پر حلوی ہے، وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ ظاہر ہے کہ خدا کا فیصلہ اٹل ہے اس لئے جو کوئی عبادت کرتا ہے اُسی کی کرتا ہے۔ علیٰ ہذا احادیث میں لو انکم دلیتم بحبل الی الارض السفلی لھبط علی اللہ اگر تم سب سے نیچے کے طبقہ زمین پر رسی سے ڈول ڈالو تو وہ خدا تک پہونچے گا۔ یا لاتسبوا الدہر فان الدہر ہو اللہ زمانہ کو برا نہ کہو اس لئے کہ اللہ ہی زمانہ ہے، وغیر ذلک پیش کرتے ہیں۔[1]

سب جانتے ہیں کہ کسی نص قرآن یا حدیث کا مفہوم متعین کرنے کے لئے بہت سی چیزیں درکار ہوتی ہیں۔ ادبیت وعربیت میں تبحّر۔ لغات عرب اور اشعار جاہلیت پر عبور۔ سرور عالمؐ اور صحابہؓ کی روایات پر اطلاع۔ اسباب نزول پر نظر۔ سیاق و سباق کا خیال۔ دوسری نصوص واردہ کا تتبّع۔ اگر یہ سب چیزیں موجود نہیں تو وہ تفسیر، تفسیر بالرائے اور وہ تاویل، تاویل الکلام بما لا یرضی بہ قائلہ کی مصداق ہوگی ہمیں افسوس ہے کہ حضرات صوفیہ کا استدلال اکثر اسی قبیل کا ہے۔ احادیث جو صوفیانہ تصانیف میں استشہاداً لائی گئی ہیں بیشتر روایت کے اصول سے بھی

---

[1] آیات بالا کا سیاق بتاتا ہے کہ یہاں خدا کی عظمت کا بیان مقصود ہے۔ نہ کہ خدا اور بندہ کی عینیت کا۔ رہیں احادیث تو پہلی کسی مستند کتاب میں نہیں ملی۔ دوسری میں یہ بتایا ہے کہ خدا ہی مقلب دہر ہے۔ دہر کا کیا قصور۔

غیر مستند ہیں۔

ہم یہاں نمونہ کے طور پر چند مثالیں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً کیف تکفرون باللہ[۱] وکنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون کی تفسیر میں علامہ روزبہان اپنی تفسیر عرائس البیان میں لکھتے ہیں۔ کنتم امواتا بالظاہر فاحیاکم بمکاشفۃ الاسرار۔ ثم یمیتکم عن اوصاف العبودیۃ ثم یحییکم باوصاف الربوبیۃ ثم الیہ ترجعون عند تحیرکم عن ادراکہ اسی آیت کریمہ کے بارہ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں۔ ثم یمیتکم عن انفسکم بالموت الارادی الذی ہو الفناء فی الوحدۃ۔ ثم یحییکم بالحیاۃ الحقیقیۃ التی ہی البقاء بعد الفناء بالوجود الموہوب الحقانی ثم الیہ ترجعون للمشاہدۃ والشہود۔ وقودہا الناس والحجارۃ[۲] میں حجارہ سے کیا مراد ہے۔ لکھتے ہیں۔ اے الاموراالراسیۃ السفلیۃ الصامتۃ التی تعلقوابہا بالمحبۃ فرسخت صورہا فی انفسہم۔ قرآن حکیم میں حضرت آدم کے دو بیٹوں کا قصہ آیا ہے شیخ کے نزدیک آدم سے مراد قلب ہے۔ اور سنئے بیٹوں سے کیا مقصود ہے ہما ہابیل العقل وقابیل الوہم۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاد کا حکم دیا ہے۔ وہاں جہاد ہی مطلوب ہے مگر کس سے ؟ قاتلوا الذین یلونکم[۳] اے من کفار قوی نفوسکم التی ہی اعدیٰ عدوکم۔ یعنی قوائے نفس کے کفار سے جہاد کی تاکید ہے۔ ایک موقع پر حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف اور اُن کے حقیقی بھائی کو سرقہ سے منسوب کیا ہے۔ اس کے

---

[۱] تم کیونکر اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ جب تم بیجان تھے اسی نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر موت دیگا پھر زندہ کریگا پھر اسکی طرف تم لوٹائے جاؤگے صوفی حضرات نے زندگی اور موت سے روحانی زندگی اور موت مراد لی ہے

[۲] اس دوزخ کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ صوفیہ نے حجارہ (پتھر) سے وہ اسباب سفلی مراد لیے جن سے کسی کو محبت ہو جائے۔

[۳] اپنے قریب والوں سے جنگ کرو۔

Marfat.com

متعلق صاحب عرائس البیان کی تلاش سننے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں فسرق[1] بعضہم قماشہ الظاہر و یوسف سرق بنرجس عینہ المخوریہ و وردخدہ المصبوغ بہ صبغ اللّٰہ قلوب العالمین

احادیث کا بھی اکثر یہی عالم ہے۔ بلکہ وہاں ضعاف و موضوعات کی بھی کمی نہیں۔

اس قسم کی روایات کی ضرورت کیا پڑی۔ اس کا جواب صاحب نیل الامانی کے الفاظ میں سنئے۔ ومنہا قصد الاجر والثواب فی زعم الواضع کما فعلہ قوم ینسبون الی الزہد والصلاح جہلاً منہم بما یجوز لہم و ما یمتنع یعنی وضع روایات کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ بعض لوگوں نے نیک نیتی سے ثواب کی غرض سے ایسا کیا۔ جیسا کہ زہاد نے جائز و ناجائز کی لاعلمی میں احادیث وضع کیں۔ چنانچہ ایک زاہد ابو داؤد نخعی کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ قیام لیل اور صیام نہار کے نہایت پابند تھے مگر احادیث وضع کرتے تھے۔ یہی حال وہب بن حفص کا تھا جنہوں نے عبادت کی مشغولیت کے باعث ۲۰ سال تک کسی سے کلام نہیں کیا تھا۔ بعض اہل زہد نے اعتراف کیا کہ ہم نے اس غرض سے فضائل قرآن کی روایات وضع کیں کہ لوگ قرآن کو چھوڑ کر فقہ ابی حنیفہ میں مشغول ہو گئے تھے۔ حضرات صوفیہ کی جن روایات پر محدثین محققین نے وضعی یا قریب بہ وضعی ہونے کا حکم لگایا ہے ان کے استقصار کے لئے ایک مستقل کتاب چاہیئے۔ مشتے نمونہ از خروارے حاضر ہے۔

من[2] عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ ابن تیمیہ نے اس کو موضوع کہا ہے۔ سمعانی کا بیان ہے کہ یہ حدیث مرفوع

---

[1] یعنی بعض نے ظاہری سامان چرایا اور حضرت یوسفؑ نے اپنی نرگس چشم اور گل رخسارے (جو حسن ایزدی کی مستی اور رنگ سے سرشار اور رنگین تھے) اہل عالم کے دل چرائے۔

[2] موضوعات کبیر ملا علی قاری۔ ولآلی مصنوعہ علامہ سیوطی۔

Marfat.com

نہیں ہے۔ بلکہ یحیی بن معاذ کا قول ہے۔ من عشق فعف فکتم فمات مات شہیدا جو عشق میں پاکباز رہے اور اس کو پوشیدہ رکھے تو اس کی موت شہید کی موت ہوگی۔ یحیی بن معین نے یہ روایت سنکر کہا کہ اگر میرے پاس گھوڑا اور نیزہ ہوتا تو میں اس کے راوی سے جہاد کرتا۔ موتوا قبل ان تموتوا مرنے سے پہلے مرجاؤ عسقلانی نے اس کو بے اصل کہا ہے۔ کان اللہ ولاشئی معہ وہو الآن کما کان۔ اللہ تھا اور کچھ نہ تھا اور وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا ملاعلی قاری کی تحقیق یہ ہے کہ آخری ٹکڑا صوفیہ کا کلام اور وجودیہ کا اضافہ ہے کنت کنزاً لااُعرف فاحبت ان اعرف فخلقت خلقاً یعنی اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں اس لئے میں نے خلق کو پیدا کیا۔ زرکشی اور عسقلانی کا ارشاد ہے کہ لایُعرف لہ سند (اس حدیث کی سند مجہول ہے) اذا صدقت المحبۃ سقطت شروط الادب جب محبت سچی ہوتی ہے تو ادب کی شرائط ساقط ہوجاتی ہیں۔ ملاعلی قاری کہتے ہیں کہ یہ حضرت جنید کا کلام ہے۔ حدیث رسولؐ نہیں۔ اوّل ماخلق اللہ العقل پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی وہ عقل ہے، بعض نے اس کو موضوع اور بعض نے ضعیف قرار دیا ہے۔ تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سنۃ، ایک گھڑی کی فکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے یہ حضرت سری سقطی کا قول ہے۔ حدیث نہیں۔ حب الدنیا راس کل خطیئۃ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے یہ جندب کا قول ہے۔ رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر۔ ہم جہاد اصغر (غزوہ) سے جہاد اکبر (مجاہدہ نفس) کی طرف لوٹے عسقلانی نے بتایا ہے کہ یہ بھی صوفیہ کے اقوال میں سے ہے۔ الفقر فخری فقر میرا فخر ہے۔ عسقلانی نے فرمایا کہ یہ روایت باطل ہے من سمع صوت اہل التصوف فلا یومن علی دعاہم کتب عند اللہ من الغافلین۔ جو اہل تصوف کی آواز سنے اور ان کی دعا پر آمین نہ کہے تو وہ خدا کے یہاں غافلوں میں لکھا جائے گا۔

Marfat.com

ں کی عبارت میں لفظ تصوف کا ہونا ہی اس کی وضع پر دلالت کر رہا ہے۔

علیٰ ہٰذا یہ روایت کہ حضرت نبی کریمؐ نے ایک سماع میں شرکت فرمائی اور شدت بد میں اپنا گریبان مبارک چاک کر ڈالا سراسر افترا ہے۔ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ خدا ں حدیث کے وضع کرنے والے پر لعنت فرمائے۔ اسی طرح جناب امیرؓ کا حضرت حسن ری کو خرقہ صوف پہنانا بھی بے اصل ہے۔ بلکہ ائمہ حدیث نے اُن کا جناب مرتضٰیؓ سے اع حدیث بھی تسلیم نہیں کیا۔ تلقین جو صوفیہ میں متعارف ہے اور نسبتہ مصافحہ بھی رور عالم تک متصلاً ثابت نہیں۔ بعض مشائخ نے نماز معکوس پڑھی ہے اور اس کو نحضرتؐ کا معمول بتایا ہے۔ حالانکہ اس کی اسناد بالکل پا در ہوا ہیں۔ الغرض اس سلسلے میں جو آیات و احادیث بطور استنادلائی جاتی ہیں ان میں اوّل الذکر عموماً بر کسی صارف قطعی کے مصروف عن الظاہر اور آخر الذکر اصول روایت کے اعتبار سے ۔ور ہیں۔

اب رہا عقلی استدلال۔ اس میں شک نہیں کہ متاخرین صوفیہ نے عقلی دلائل کا وفان بپا کر دیا ہے۔ بلکہ اسلامی توحید کے سیدھے سادے مسئلہ کو خالص فلسفہ بنا دیا ہے۔ مگر یہ بھی یکطرفہ ہے۔ مثال کے طور پر وحدت وجود کے مسئلہ ہی کو لیجئے۔ اُن کا ستدلال یہ ہے کہ مخلوق مظہر ہے۔ جس میں صفات آلٰہی جلوہ گر ہوئی ہیں۔ اور چونکہ صفات ات سے جدا نہیں۔ اس لئے مخلوق بھی خدا سے جدا نہیں۔ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ لوق بداہتہً محل حوادث ہے۔ اور چونکہ ظاہر و مظہر ایک ہی ہیں۔ اسواسطے خدا بھی معاذ اللہ محل حوادث ٹھہرتا ہے۔ اس کے علاوہ عقائد کے بارے میں نصوص کے ہوتے ہوئے عقل کو مدار قرار دینا درست نہیں۔ عقل شرع کی حاکم نہیں۔ محکوم ہے۔ جیسا کہ

Marfat.com

رومی فرماتے ہیں۔

لیک با خورشید دکعبہ پیش رو — ایں قیاسات و تحرّی را مجو

آخر میں کشف کا نمبر آتا ہے۔ مگر اس خصوص میں راقم سطور کو لب کشائی کا کوئی موقع نہیں۔ البتہ یہاں پر حضرت مجدد کا ارشاد نقل کرنا کافی ہے۔ چوں حقیقتِ کار معلوم گشت از توقف برآمد و پلۂ ہمہ از وست را چرب یافت و کمال را در آں بیشتر دید از متول ہمہ اوست۔ ریب و شبہ بالکل برطرف شد۔ تمام کشفیات مطابق ظاہر شریعت برآمدنا و سر موئے از ظاہر شریعت مخالفت ندید۔ وانچہ بعضے صوفیہ مخالف ظاہر شریعت کشف ہارا بیاں می کنند یا از سہو است یا از سکر باطن[1]۔ اس سے قطع نظر کشف ادلہ شرعیہ میں بھی محسوب نہیں۔

تصوف بذات خود ایک محمود عقیدہ ہے اور تصحیح[2] خیال و تہذیب اعمال کیلئے اس سے زیادہ کوئی موثر ذریعہ نہیں۔ لیکن ہر تحریک کی طرح آخر اس میں بھی غلو[3] سے کام لیا گیا۔ جس کی وجہ سے متعدد علمی اور عملی قباحتیں پیدا ہو گئیں۔ مثلاً۔

(۱) صوفیہ وجودیہ کے نقطہ خیال سے عام مسلمین موحدین جو حق تعالیٰ اور کائنات کی عینیت کے منکر ہیں یا مشرک ٹھہرتے ہیں۔ یا ایمان باللہ سے محروم۔ اور یہ محض ہمہ منطقی استدلال نہیں۔ بلکہ صراحتاً بعض مشائخ کی تحریرات سے ثابت ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی کلمۃ الحق میں لکھتے ہیں۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی۔

[2] التصوف ہو تصحیح الخیال (جنید)۔ التصوف ترک کل حظ للنفس۔ (احمد نوری)

[3] لا تغلوا فی دینکم یعنی دین میں حد اعتدال سے نہ بڑھو۔ (قرآن مجید)

Marfat.com

والحسرة[۱] کمال الحسرة علیٰ ان کابر العلماء شرقاً وغرباً سلفاً وخلفاً قد حرّفوا الکلمة طیبة عن مواضعها واوّلوہا من المحکم الی المتشابہ وبدّلوا مضمونہا بالکلمة الخبیثة وہی لا الٰہ غیر اللّٰہ فصانوا السانہم عن الشرک واشرکوا بالقلب من حیث لم یحتسبوا۔ دوسری جگہ یہ کرتے ہیں قولہم[۲] ایمان حکمی لا حقیقی مولوی نور اللّٰہ شارح کلمة الحق لکھتے ہیں۔ بر مذہب مین معنی ایمان بہ خدا اصلاً تعقل نمی یابد زیراکہ تصدیق واذعان بوجود چیزے موقوف ست بر حصول تصور آں چیز در ذہن مصدق۔ ...... تصور ما بوجہ نیز بر مذہب متکلمین کانے ندارد۔ .... وانچہ میگویند کہ او تعالیٰ موجود در خارج ومحیط بجمیع اشیا است قولہم[۳] بافواہہم (بہ) مالیس فی قلوبہم۔ چراکہ نیست موجود در خارج بزعم آنہا مگر تعبیری کنند ازاں بہ ماسوی اللّٰہ۔

(۲) جب عینیت امر حق ہے تو مشرک بھی موحد ہوئے۔ وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ کی تفسیر ادبر گذری کہ خدا نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی خدا کے فیصلہ کو بدل نہیں سکتا۔ لہٰذا بت پرست وغیرہ بھی دراصل اسی کی عبادت کرتے ہیں (الرسائل الالٰہیہ لابن العربی) اس پر ابن تیمیہ[۴] نے بجا ایراد کیا ہے کہ قضاء دینی اور قضاء تکوینی دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ اور دونوں کو مخلوط کرنا صحیح نہیں

---

[۱] :۔ اس کا کمال افسوس ہے کہ بڑے بڑے علمائے سلف وخلف نے مشرق ومغرب میں کلمہ طیبہ میں تحریف کی اور اس کو محکم سے متشابہ کی طرف پھیر دیا اور اُس کے مضمون کو کلمہ خبیثہ سے (کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں) بدل دیا۔ پس انکی زبان تو شرک سے محفوظ رہی مگر بے سوچے سمجھے دل مشرک ہو گئے۔
[۲] :۔ انکا ایمان حکمی ہے حقیقی نہیں۔
[۳] :۔ یہ ایسی بات منہ سے نکالتے ہیں جو دل میں نہیں۔
[۴] :۔ الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان۔

اس کے علاوہ لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عابدون ما اعبد[1] اس خیال کی سراسر نفی کر
(۳) خدا نے اسلام و کفر۔ نیکی و بدی۔ حق و باطل کی تفریق پر زور دیا ہے
ایک کی حمایت۔ تائید اور نصرت اور دوسرے سے عدم موالات۔ اجتناب اور نفرت
امر کیا ہے قرآن کا ارشاد ہے وما یستوی الاعمٰی والبصیر ولا الظلمت ولا النور ولا الظل
ولا الحرور وما یستوی الاحیاء ولا الاموات۔ اندھا اور آنکھوں والا۔ ظلمت اور نور
سایہ اور گرمی۔ زندے اور مردے برابر نہیں ہوتے۔ لا یستوی اصحاب النار و
اصحاب الجنۃ۔ اصحاب الجنۃ ہم الفائزون۔ دوزخی اور جنتی برابر نہیں۔ اپنی مراد کو پہونچنے
والے جنتی ہی ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ہم بھی ان میں تغائر مانتے ہیں۔ گو اعتباری ہے مگر
اس کا کیا علاج کہ عینیت کی رو سے پھر بھی اُن کی حقیقت کا متحد ہونا لازم آتا ہے۔ مالکم[2]
کیف تحکمون۔

علاوہ بریں حق تعالیٰ نے اپنے کلام میں کافروں اور ظالموں پر لعنت فرمائی
ہے۔ اور مومنین متقین کو بشارتِ رحمت دی ہے۔ معاذ اللہ کون کہہ سکتا ہے کہ ملعون
اور مرحوم میں اور نیز ملعون ولاعن میں اتحاد ممکن ہے۔

(۴) حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امور دین خصوصاً توحید کی تبلیغ اس
اہتمام۔ اعلان اور وسعت کے ساتھ فرمائی ہے کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ ہر ہر مسئلہ کی

لہ :- اے کافر میں نہیں پوجتا اس کو جسے تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجتے ہو اُسکو جسے میں پوجتا ہوں (قرآن)
سلہ :- تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ کیسا فیصلہ کرتے ہو۔

Marfat.com

اشاعت کرکے ارشاد ہوتا تھا اللّٰھم ہل بلّغت۔ اللھم اشہد[۱] عقل نہیں چاہتی کہ ایسے
مسئلے کے بارے میں جو ام الاصول راس الایمان اور مناط نجات ہو سکوت
کیا جاتا ہو۔ جبکہ غسل وطہارت کے معمولی مسائل کے جزئیات تک صحابہ کو تعلیم فرمادیے۔
(۵) بلکہ لازم آتا ہے کہ معاذاللہ خود سیدالموحدین علیہ السلام اور آپ کے آل
و اصحاب اس خاص قسم کے عقیدے سے بے خبر تھے۔ کیونکہ آپکے اقوال وافعال میں اسکا
پتہ بھی نہیں ملتا۔

(۶) اس طور سے مذہب میں تاویلات کا دروازہ کھل گیا۔ ظاہر ہے کہ صارف
کے بغیر نصوص ظواہر میں تاویل کرنا۔ جائز نہیں۔ ورنہ شرع سے امان اٹھ جائیگی
دین کی غایت اصلی فوت ہو جائے گی۔ چند نمونے جو اوپر گذرے اُن سے اندازہ
ہو گا۔

(۷) نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام جو ملّت سمحا اور طریقہ بیضا کا مصداق ہے۔ فلسفیانہ
موشگافیوں کا مجموعہ بن گیا۔ اور وہ دین جو ایک طرف ابوبکر و علی۔ عبداللہ بن مسعود
عبداللہ ابن عباس۔ ابن سلام اور کعب احبار کے دلوں کو اپیل کرتا تھا تو دوسری
طرف امیئین عرب اور اہل بادیہ کی فطرت کو۔ ایک جانب ایران وشام کے متمدن
لوگوں کو کھینچتا تھا تو دوسری جانب بربر اور سودان کے وحشیوں کو۔ اب دور ازکار
مضامین کا دفتر ہو گیا۔ جس تک بجز اخص الخواص ہر ایک کی رسائی نہیں۔ صحیح مسلم میں
ایک سیاہ کنیز کا تذکرہ ہے، جس سے آنحضرتؐ نے سوال کیا خدا کہاں ہے۔ جواب دیا۔

---

[۱]۔ یا اللہ کیا میں نے تیرا پیغام پہونچا دیا۔ یا اللہ گواہ رہنا۔

آسمان میں۔ پھر دریافت فرمایا میں کون ہوں۔ بولی آپ خدا کے رسول ہیں۔ حکم آزاد کر دیا جائے۔ یہ مومنہ ہے۔ اللہ اکبر کہاں یہ سہولت پسندی اور کہاں گیری۔ کہ قد شاع[1] الغلط...... حتی صار التوحید شرکا والشرک توحیداً فی زعم کلّھم اجمعین الا ما شاء اللہ۔ فشتان[2] بینہما۔

(۸) اسی کے ساتھ مذہب مجموعہ اضداد و مخزن تناقضات ہو کر رہ گیا۔ جگہ کہا جاتا ہے کہ واجب الوجود سبحانہٗ عین اشیاء ہے۔ اور دوسری جگہ کہا جا اعیان (اشیاء) نے آج تک وجود کی بو بھی نہیں سونگھی وغیر ذلک۔

(۹) یہ اسرار جب تک اہل علم کی زبان و قلم تک محدود رہے حسن ظن ہے کہ ان کے ذہن میں کوئی بچاؤ کا پہلو اور تاویل کی گنجائش ہو گی۔ لیکن عوا ہاتھوں میں پڑ کر ان کی کیا گت ہوئی ہو گی اس کا اندازہ ہر شخص بہ آسانی کر سک ابن ماجہ اور دوسری کتب صحاح میں یہ روایت آئی ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ تقد متعلق بحث کر رہے تھے۔ ناگاہ رسول مقبولؐ تشریف لے آئے اور ان کی گفتگو سنتے ہی چہرہ مبارک شدت غضب سے سرخ ہو گیا اور فرمایا کیا تم اس لئے پیدا گئے ہو کہ قرآن کے ایک حصّے کو دوسرے سے ٹکراؤ۔ یاد رکھو گذشتہ امتیں انہیں سے ہلاک ہو گئیں۔ جب خواص کا یہ حال ہو تو سمجھ لیجئے کہ تا بہ عوام چہ رسد۔

(۱۰) بہت سے نادان صوفیوں نے اسی بنا پر اپنا پیچھا چھڑانے کو کہد

---

[1] :۔ غلط خیالات اسدرجہ پھیل گئے کہ تمام مسلمانوں کے خیال میں (بہ استثنائے چند شرک۔ اور شرک توحید بن گیا۔ (کلمۃ الحق)۔

[2] :۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

Marfat.com

طریقت اور ہے۔ اس تفریق کی قباحت ہر مسلمان پر روشن ہے۔ اس لئے وضاحت
۔ البتہ حضرت مجدد کا ارشاد ایک بار اور پڑھ لیجئے۔ آنچہ بعضے صوفیہ مخالف
شریعت کشف ہارا بیاں می کنند۔ یا از سہو است یا سکر باطن۔ اسی طرح اور
ات ہیں۔ جن کے ذکر کی اس مختصر مقالے میں گنجائش نہیں۔

(۱۱) علم کلام میں پہلا مسئلہ جو بطور علوم متعارفہ بیان کیا جاتا ہے یہ ہے کہ
الاشیاء ثابتۃ اور علم کلام پر کیا منحصر ہے۔ کوئی علم بھی ہو اُس کا نقطۂ آغاز یہیں
ہے۔ لیکن وجود یہ حضرات کے نزدیک جب اشیاء کا سرے سے وجود ہی نہیں تو
حقائق کیسی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر چیز میں سوفسطائیت اور نفی حقائق کار فرما ہو کر
علم سے مانع ہوتی ہے۔ عملی لحاظ سے مختلف امتیازات کا مرتفع ہونا یا یہ ماننا کہ امتیازات
وہمی ہیں۔ عمرانی زندگی میں بڑی بڑی خرابیوں کا موجب ہو سکتا ہے۔

(۱۲) طبائع میں جبر کی جانب میلان ان حالات کا قدرتی نتیجہ ہے۔ جب انسان کا
وہی لاشے ہے تو اُس کا اختیار، اختیار پر افعال کا متفرع ہونا اور افعال پر جزا کا
ب ہونا سب عبث ہوا۔

(۱۳) صرف یہی نہیں۔ بلکہ انبیا کی بعثت اور صحف و شرائع کا ارسال بھی لغو ٹھہرا۔

(۱۴) اسی وجہ سے بہت سے قلوب میں شریعت کا وہ احترام نہیں رہتا جو
چاہیئے۔ چنانچہ یہ قصہ تذکروں میں ایک بزرگ سے منسوب ہے کہ وہ کچھ معارف سنا رہے

نوٹ:۔ اشیاء کی حقیقتیں ثابت ہیں۔

Marfat.com

اور وعظ فرما رہے تھے۔ کہ نماز کا وقت آگیا۔ بعض مرید خدمت میں حاضر رہے ا
نماز میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں سب کو نظر آیا کہ جو لوگ نماز ادا کر رہے
منہ قبلے سے منحرف ہو گئے اور نماز باطل ہو گئی۔ اسی سلسلے میں یہ بتایا ہے کہ
شیخ کے حضور میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ خواہ کعبہ ہی میں کیوں نہ ہو۔ اسی بنا
ولی اللہ کو اپنے مکتوبات میں اس طرح تنبیہ کرنی پڑی۔ ہم چنیں جماعتے از متص
در زمان ما پیدا شدہ اند تکلیف شرائع را سہل گرفتہ اند و بعضے نصوص را بر م
فاسدہ خود حمل نمودہ اند۔

(۱۵) عالم کو بے حقیقت جاننے کا لازمی نتیجہ ہے جائز بلکہ ضروری د
بے رغبتی کرنا۔ یہ صحیح ہے کہ دنیا مقصود نہیں۔ صرف ذریعۂ وصول الی الحق ہے
بالکل اجتناب بھی جو رہبانیت کی حد تک پہونچ جائے درست نہیں امام
نے سچ فرمایا ہے، بدانکہ[له] دنیا منزلے است از منازل راہ دین و راہ گزرے
مسافراں را بہ حضرت خدائے تعالیٰ ...... بہ ایں مذمت کہ دنیا را کردہ آمد
مبر کہ ہر چہ در دنیاست مذموم است۔ بلکہ در دنیا چیز ہاست کہ آں نہ از دنیاست
احیاء العلوم میں ایک جگہ یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔ من طلب الدنیا حلالاً تعففاً عن
وسعیاً علی عیالہ وتعطفاً علی جارہ لقی اللہ ووجہہ کالقمر لیلۃ البدر جو حلال طریقہ سے
تلاش کرے تاکہ سوال کی ذلت سے محفوظ رہے۔ اپنے عیال کی مدد کرے
ہمسایہ سے سلوک کرے تو خدا سے اس حالت میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چو

له :- کیمیائے سعادت۔

Marfat.com

ت کے چاند کی طرح روشن ہو گا۔ اس حقیقت کے نظرانداز کر دینے سے مسلمانوں
ں جو بے عملی۔ بیکاری اور سستی پیدا ہوئی ظاہر ہے۔ نہ صرف افراد بلکہ قوم کی انفعالیت
ور مغلوبیت کا راز بڑی حد تک اسی میں مضمر ہے۔

(۱۶) غلو فی الدین وتجاوز عن الحدود نے ہماری قوم میں سینکڑوں بدعات
یدا کر دیں۔ عبادت کے نئے نئے طریقے۔ مجاہدے کی نئی نئی صورتیں اور قبور و مزارات
ی طرح طرح کی بے اعتدالیاں ایسی نہیں جن کی مضرت اہل فہم پر مخفی ہو۔

اوپر کے بیانات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم خدانخواستہ سرے سے صوفیہ کے
لرا ور تصوف کے مخالف ہیں۔ ہمارے نزدیک ہر چیز کے جانچنے اور پرکھنے کا معیار
لام اللہ اور سنت رسول ہونا چاہیئے۔ جو چیز اس کے مطابق ہو وہ اخذ کر لی جائے
و مخالف ہو وہ ترک کر دی جائے۔ درحقیقت جو سچے صوفیہ کرام گذرے ہیں وہ مقتدائے
لت و پیشوائے امت تھے۔ اور اُن کا تصوف مغز اسلام اور روح ایمان تھا۔
اگر ان سے احیاناً کوئی ایسی چیز بھی مروی ہے۔ جو ظاہر شریعت کے مخالف ہے تو بر تقدیر
صحت روایت ظنوا المومنین خیراً کے بموجب اُس کی مناسب تاویل ضروری ہے البتہ
اصل معیار وہی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔

امام مالک نے کیا خوب فرمایا ہے کہ رسولؐ معصوم کے سوا ہر شخص سے اُس کے
قول کا مواخذہ کیا جائے گا۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ "تصوف۔ شریعت۔ طریقت۔
کلام" ہر چیز کو رسولؐ معصوم کے ارشاد کی کسوٹی پر پرکھیں۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگذارند و سرِ طرۂ یارے گیرند

علی گڑھ۔ ۱۸؍ اکتوبر ۱۹۴۱ء

ضیاء احمد ایم، اے بدایونی

Marfat.com

حضرت امام غزالیؒ

(ازجناب ملک حامد حسین صاحب)

امام غزالی کی شخصیت تاریخ اسلام میں ایک خاص حیثیت کی مالک ہے اوران کا فلسفہ ایک خاص نقطہ نظر کا آئینہ دار ہے۔

جس طرح فردوسی نے ایرانیوں کے مردہ قالب میں ایک تازہ روح پھونک دی امام غزالی بھی تاریخ اسلام کے لئے حجت اورزینت ہونے والے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ بڑا آدمی زمانہ کا پیداوار ہو مگرایک مجدد! زمانہ سے بہت آگے ہوتا ہے۔ اور اپنی پیش روی کے باعث وہ بہت ہی انوکھی ہستی تصور کیا جاتا ہے۔ رفتار زمانہ سے سازش کر لینا بہت معمولی کام ہے۔ پھر وہ کس دل ودماغ کے مالک ہوتے ہوں گے جواسلام اور جاہلیت و حق و باطل میں کسی قسم کی مصالحت کا خیال بھی نہیں کرسکتے۔ جو دودھ سے پانی کے تمام اجزا چھانٹ کر الگ کر دینا چاہتے ہیں۔ اورجن کا مقصد حیات ہی یہ ہو کہ وہ زندگی کے خفیف سے خفیف جزمیں بھی حق و باطل کے امتزاج کے روادار نہ ہوں۔ امام غزالی کی شخصیت وہ ہے جس پر ہزاروں نے کافرو زندیق ہونے کی تہمت لگائی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ علما زمانہ وزاہدان عصر نے ان کے دستارہائے ادب کو ان کے قدموں تلے رکھنا فخر و مباہات بھی سمجھا ہے۔ امام موصوف نے ایک تو کفر والحاد و عقلیات اورضعف الاعتقادی کے بڑھتے ہوئے طوفان کا سدباب کیا جس کے جراثیم یونانی فلسفہ کے ذریعہ اسلامی معاشرت میں ہیضہ کی طرح سرعت سے پھیل رہے تھے۔ دوسرے قلب ونظر کی سرسبز و شادابی

Marfat.com

ـاٹی کی طرف رہنمائی کی جہاں پہونچ کر الہیات کے سارے بھید انسان کے ذہن پر
ـشکارا ہو جاتے ہیں۔ جہاں رسائی حاصل کر کے منصور حلاج انا الحق پکار اٹھتا ہے
ـفاراشدین کے بعد اسلام عقلیات و علم کلام کے گورکھ دھندھوں میں الجھ کر ظاہریت
ـا ایک عجیب معجون مرکب بن گیا تھا۔ چونکہ سارا دینی جذبہ علم کلام و مناظرات کی
ـکل میں زبان پر آگیا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کے دل روحانیت سے خالی
ـوتے جا رہے تھے۔ پیغمبر کی نورانی شخصیت کا اثر صحابہ۔ تابعین و تبع تابعین سے
ـزر کر نومسلم کے دلوں سے اٹھتا جا رہا تھا۔ امام غزالی نے بہت حد تک اس
ـی کو پورا کیا۔ اس طرح امام موصوف نے اسلام کی کشتی کو جو غیر اسلامی تھپیڑوں
ـے ٹکرا کر بہت جلد فنا ہو جاتی ایک بار بچا لیا۔

دنیا میں سینکڑوں اور ہزاروں دین کے عالم اور فلسفہ کے ماہر پیدا ہو چکے ہیں۔ لیکن امام غزالی کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ ان کی زندگی اور تصانیف میں اس درجہ گہرا ربط قائم ہے کہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کر سکتے۔ امام صاحب نے جو کچھ تصنیف کیا ہے تقلید کی راہ سے ہٹ کر اپنے ذاتی تجربوں کی بنا پر لکھا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ان کی باطنی ترقی کی طرف متوجہ ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ اپنی روحانیت کے ارتقا کے متعلق انہوں نے خود ایک رسالہ تصنیف کیا تھا جسکا انگریزی نام (Confessions of Al-Ghazali) ہے۔ اس میں انہوں نے سوانح نگاری کے طرز پر اپنی شروع کی قلبی و ذہنی کیفیات و پھر نور ایمان کے حاصل ہو جانیکا صاف صاف اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے یہ بتلایا ہے کہ کسی دہریہ کی بے اعتقادی نہ تو علم کلام کی سطحیت سے دور کی جا سکتی ہے اور نہ فلسفیانہ موشگافیاں ہی اسکے

دل میں نور ایمان پیدا کر سکتی ہیں۔ بلکہ انہوں نے علم العقاید کی بنیاد باطنی معر
پر رکھی ہے۔ جو ماورائے عقل ہے۔ یہیں سے تصوف کی باضابطہ ابتدا ہوتی ہے۔ ا
غزالی نے پرانی بنیادوں پر ایک بڑی عظیم الشان عمارت بنا کر کھڑی کر دی۔ ا
انہیں کے زمانہ سے تصوف شریعت اسلام کا مویدو مددگار بن گیا ان تمام باتو
باخبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ امام صاحب کی زندگی کے حالات زیادہ تفصیل
بیان کئے جائیں۔

سنہ ۱۰۵۹ء میں امام صاحب خراسان کے مشہور و معروف شہر طوس میں پیدا
ہوئے۔ ان کے پدر بزرگوار ایک پاک باز درویش تھے جو بقول ایک عرب مور
"محض اپنی کمائی پر گذراوقات کرتے وہ فقیہوں کی صحبت میں اکثر آتے جاتے جب کبھی
وہ ان کے مناظرات کو سنتے زارزار روتے اور دعا کرتے کہ خدا مجھے ایک ایسا لڑ
عطا کر جو فقیہہ ہو۔" وہی مورخ لکھتا ہے کہ" خدا نے اس کی دعاؤں کو قبول کیا اور الغزا
فقیہوں کا سردار اور اپنے زمانے کا امام بن گیا" غرض کہ وہ بچپن ہی سے ایک مذہ
ماحول میں تربیت پاتے رہے۔ اگر انکا ماحول مذہبی نہ ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ وہ بہ
بڑے متشکک فلسفی اور نیچری ہوتے۔ امام صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی امام
غزالی کی تعلیم ان کے باپ کے انتقال کے بعد ایک صوفی دوست کی نگرانی میں ہ
کچھ دنوں بعد وہ جرجان کو کوچ کر گئے۔ جہاں ابوالنصر اسمٰعیلی کے سامنے زانوئے شاگ
تہ کیا آخر کار ان کی بےچین طبیعت اور تعلیمی اضطراب نے انہیں امام الحرمین کی شاگرد
کا بھی شرف بخشا۔ جو اس زمانہ میں دارالعلوم نظامیہ کے ایک معزز استاد تھے۔
غزالی ذاتی قابلیت اور استعداد رکھنے کی وجہ سے "بحرالعلوم" کہلاتے تھے۔ اس زما

Marfat.com

یہ رواج تھا کہ استاد اپنا درس ختم کرنے کے بعد کسی ایک ذہین شاگرد کو منتخب کرلیتا۔ جس کا کام یہ ہوتا کہ وہ اپنے استاد کے بتائے ہوئے درس کو اپنے ہم سبق طالبعلموں کے سامنے دہرادے تاکہ مضامین اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں۔ یہ منصب جس کو حاصل ہو جاتا وہ "معید" کہلاتا تھا۔ امام صاحب کو اپنے دور طالبعلمی ہی میں یہ شرف حاصل تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ اپنے استاد کی اور دوسری حیثیتوں سے بھی مدد کیا کرتے تھے۔ نشاپور میں انہوں نے فقہ۔ سائنس۔ فلسفہ۔ اخلاقیات۔ منطق۔ صوفیانہ اصولوں میں مہارت پیدا کی۔ اسی اثنا میں انہوں نے خود تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع کردیا۔ اور غالباً اسی زمانہ سے انھیں علم ویقین کی حقیقت اور ماہیت میں بھی شک ہونے لگا۔ امام صاحب اپنی طالبعلمانہ زندگی ہی میں ایک بلند شخصیت کے مالک تھے۔ امام الحرمین کو انپر ناز تھا۔ اور جب تک زندگی نے امام الحرمین سے وفا کی غزالی بھی ایفائے صحبت میں پیچھے نہ ہٹے۔ ۱۰۸۵ء میں اپنے استاد کے انتقال کے بعد لازماً انہیں نشاپور کو ترک کرکے زندگی کے میدان میں قدم رکھنا پڑا۔ اس وقت اسلامی دنیا میں کوئی بھی علم وفضل کے اعتبار سے انکا ہمسرو ہمرتبہ نہ تھا۔

یہ زمانہ وہ تھا جب کہ خاندان عباسیہ رو بہ انحطاط ہو چکا تھا اور سارے اسلامی عالم کی باگ ترکوں کے ہاتھ میں آچکی تھی۔ خاندان سلجوق ترکی حکمرانوں کا بہت ہی معزز اور طاقتور خاندان رہ چکا ہے اور انکا سب سے شاندار فرمانروا ملک شاہ سلجوقی خیال کیا جاتا ہے جس کے متعلق ابن خلقان تعریفانہ انداز میں لکھتا ہے۔

"ملک شاہ کی سلطنت نے وہ وسعت حاصل کی کہ کوئی سلطنت اس حد تک نہیں پہنچی۔ اس کی سلطنت طول میں کاشغر سے لیکر جو ترکستان کا سب سے آخری شہر ہے

اور جس کی سرحد چین سے ملتی ہے بیت المقدس تک عرض میں قسطنطنیہ سے لیکر خزر تک پھیلی ہوئی تھی۔ نظام الملک طوسی جو امام صاحب کے ہموطن تھے اس عظیم سلطنت کے عظیم الشان و باصولت وزیر اعظم رہ چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطنت سلجوقیہ کی ساری ترقی اس مرد بزرگ کی ذاتی حکمت وقابلیت کی وجہ سے تھی۔ اس شخص کی داد و دہش عفو و انصاف اور علم نوازی کی وجہ سے سلطنت سلجوقیہ کا دارالخلافہ علم وفضل رکھنے والی ہستیوں کا مرکز بن گیا تھا۔

امام غزالی کا مزاج ابتدا میں جاہ پسند تھا۔ دربار سلجوقیہ میں علماء کی قدر ومنزلت کا سماں دیکھ کر انہوں نے بھی اسی کا رخ کیا۔ امام صاحب اور نظام الملک کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ دوسرے یہ کہ ان کی علمی شہرت عالمگیر ہو چکی تھی۔ غرضکہ نظام الملک طوسی نے ان کا تعظیم وتکریم سے استقبال کیا۔ اس زمانہ میں شاہی دربار علماء دین کے مناظرات کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا امام صاحب کو بھی دربار میں اپنی علمی قابلیت کا رعب بٹھانے کے لئے اسی خشک اور لاحاصل راستے سے گذرنا پڑا۔ مگر وہ ہمیشہ اپنی زور تقریر وتبحر علم کی وجہ سے اپنے حریفوں کا منہ بند کر دیتے۔ امام صاحب علم کا ایک جنس بے بہا لیکر نکلے تھے! اسی لئے انہوں نے ان بلند ترین مراتب تک ترقی کی جس کا تصور اس زمانہ میں کوئی عالم کر سکتا تھا۔ یعنی دنیا کی سب سے بڑی اسلامی درسگاہ نظامیہ بغداد کے وہ ۳۴ برس کی عمر میں شیخ مقرر ہوئے۔ یہ ایسا فخر تھا جو امام صاحب کے سوا کسی اور کو حاصل نہ ہوا۔ فخر الاسلام شاشی جو بہت پایہ کے فاضل تھے جب ۵۰۵ھ میں نظامیہ کے مدرس مقرر ہوئے اور مسند پہ جا کر بیٹھے تو ان پر بے اختیار رقت طاری ہو گئی اور بار بار عربی کا ایک

Marfat.com

شعر پڑھے جس کے معنی یہ ہیں۔

"ملک بڑوں سے خالی ہو گیا تو میں ہی سردار بنا۔ اور میرا سردار بنا ملک کی بدنصیبی ہے" نظامیہ کی مدرسی کا منصب ایسا عظیم الشان رتبہ تھا کہ درحقیقت بڑے بڑے اہل کمال و علماء دین تا زندگی اس کی آرزو کرتے رہے مگر ان کی آرزو کبھی شرمندۂ معنی نہ ہوئی۔ اس جلیل القدر منصب پر فائز ہو جانے کی وجہ سے مذہبی۔ علمی۔ سیاسی حیثیت سے انکا مرتبہ بہت ہی بلند ہو گیا۔ اس زمانہ میں خاندان سلجوق و آل عباس جاہ و جلال کے صرف دو ہی مرکز تھے۔ امام صاحب دونوں دربار میں محترم اور معتمد تصور کئے جاتے تھے۔ سیاسیات میں اس قدر دخل حاصل تھا کہ پیچیدہ سے پیچیدہ سیاسی مسائل میں ان کی رائے کو بڑی اہمیت دیجاتی تھی۔ ایک دفعہ ترکان خاتون اور آل عباس میں خطبہ و سکہ کے متعلق اختلاف رونما ہوا۔ آل عباس کسی طور سے بھی اس امر پر راضی نہ ہوتے تھے کہ سلطنت سلجوقیہ میں آل سلجوق کا خطبہ و سکہ رائج ہو۔ یہ مسئلہ طول کھینچ گیا۔ جب جنگ و جدال کی نوبت پہونچ گئی۔ تو امام صاحب کو سفیر بنا کر روانہ کیا گیا۔ انہوں نے اپنے حسن تقریر کے اثر سے خاتون کو راضی کر لیا۔ اور اس طرح ایک بڑا فتنہ فرد ہو گیا۔ مذہبی معاملات میں بھی ان کی رائے کو وقعت حاصل تھی۔ اسی زمانہ میں فرقہ باطنیہ نے اتنا زور پکڑا کہ اسلام کے مستقبل کے لئے ایک مہیب خطرہ پیدا ہو گیا۔ امام صاحب نے جو شافی مذہب تھے خلیفہ مستظہر باللہ کی فرمائش پر فرقہ باطنیہ کو باطل کرنے کیلئے ایک کتاب تصنیف کی جس کو خلیفہ مذکور کے نام سے منسوب کیا۔ اور اس کا نام مستظہر رکھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب کو شاہی خاندانوں میں کس درجہ اثر و رسوخ حاصل تھا۔

Marfat.com

بغداد میں درس و تدریس کا سلسلہ ظاہری حیثیت سے بہت کامیاب تھا لیکن اس زمانہ میں امام صاحب فلسفہ کا بہت دقیق مطالعہ کرتے رہے، ٹی۔ جی۔ ڈی بوئیر نے تاریخ فلسفہ اسلام میں لکھا ہے "انکا تحصیل فلسفہ کا محرک خالص ذوق علم نہ تھا بلکہ عقلی شکوک کو حل کرنے کی تمنا ان کے دل میں بسی ہوئی تھی۔ ان کا مقصود نہ تو آفرینش عالم کا سراغ لگانا اور نہ اپنی قوت خیال کی ماہیت معلوم کرنا۔ بلکہ اطمینان قلب و معرفت الٰہی حاصل کرنا تھا" غرضکہ انہوں نے ابن سینا و فارابی کا گہرا مطالعہ کیا۔ جنہوں نے یونانی نظام فلسفہ کو بعینہٖ عربی میں ترجمہ کر دیا تھا۔ اس فن میں کمال حاصل کرنیکے بعد انہوں نے ایک فلسفیانہ قاموس لکھی جو دوسروں کے افکار و خیالات کا ایک مرقع تھی اس کتاب میں انہوں نے اپنی رائے کو ذرہ بھی دخل نہیں دیا۔ اس طرح انہوں نے فلسفہ کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے ایک ہموار پس منظر تیار کیا۔ لیکن فلسفہ کی باریکیاں بھی ان کے شکوک و شبہات کا خاطر خواہ حل تلاش نہ کر سکیں۔ علم کلام و مناظرہ سے وہ پہلے ہی برگشتہ خاطر ہو گئے تھے دوسری طرف یہ جاہ و جلال اور نمود و نمائش کی زندگی ان کی بلند حوصلگی اور عالی ظرفی کو کسی طرح بھی پسند نہ آئی۔ انہوں نے خود اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اُس وقت میرے دل میں ایک پیہم کشمکش جاری تھی۔ کبھی شاندار عہدے کی طرف رغبت ہوتی اور کبھی دنیا کے گورکھ دھندھوں سے متنفر ہو جاتا اور خیال آتا کہ اس زندگی کو ترک کر کے باطنی زندگی کی طرف رجوع کیا جائے ضمیر انہیں بار بار پکارتا کہ تم اس کمینی اور ذلیل دنیا کو ترک کر دو۔ تمہارا مقام اس سے بہت بلند ہے۔ تم اس گندے سمندر کی شناوری کے لئے نہیں بنائے گئے ہو بلکہ تمہارا فرض کچھ اور ہی ہے

Marfat.com

...ری زندگی کے بہت کم دن باقی رہ گئے ہیں۔ مسند سے اُٹھ پڑو کمر باندھ لو۔ کیونکہ عاقبت ...راہ بہت دشوار گذار ہے۔

اس روحانی اضطراب کے اثر سے ان کی تندرستی خراب ہو گئی۔ بھوک جاتی ...ں! اور قوت ہاضمہ نے جواب دیدیا اس ذہنی تذبذب کے باعث وہ کچھ دنوں تک ...ب لفظ بھی نہ بول سکتے تھے۔ اسی حالت میں وہ بغداد کی زندگی کو خیرباد کہہ کر ...م اسلامی کے سفر پر روانہ ہو گئے اور دس برس کی مسلسل سیر و سیاحت میں عالم ...لانوں کی زندگی کا گہرا مطالعہ کیا۔ اپنا سارا اثاثہ و مال و دولت چھوڑ کر سب ...، پہلے شام کا رخ کیا۔ دمشق پہونچکر دن رات مجاہدہ و مکاشفہ میں مشغول رہتے ...ن اس کی وجہ سے ان کی علمی سرگرمیوں کو زیادہ نقصان نہیں پہونچا۔ ایک دن ...ی ایک درسگاہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں دیکھا کہ ایک معزز استاد انکی ...نیفات کو بطور سند پیش کر رہے ہیں۔ یہ سوچکر مبادا ان کے دماغ میں غرور پیدا نہ ...جائے دمشق سے یروشلم کو کوچ کر گئے۔ دوران سفر میں مقام خلیل پر پہونچکر انہوں نے ...، تین باتوں کا عہد کیا جس پر تمام عمر وہ عامل رہے۔

(۱) بادشاہوں سے ترک تعلق کرنا۔

(۲) بادشاہوں کی وظیفہ خواری سے پرہیز کرنا۔

(۳) مناظرہ و مباحثہ سے احتراز کرنا۔

اس اپنے سیاحت سے لوٹنے کے بعد انہوں نے صرف ان مذکورہ بالا باتوں ...ے تو یہ نہ کی بلکہ ان تمام اداروں کی ذمہ داری سے بھی انکار کر دیا۔ جو سرکاری ...ئزمیں ہوں۔ یا جن کو حکومت کی طرف سے عطیات ملتے ہوں۔ لیکن انہوں نے

Marfat.com

اپنے مشن اور خیالات کی تبلیغ کے لئے طوس میں خود اپنا آزاد ادارہ قائم کیا جہ
وہ چند افراد کو ایک خاص طرز کی تعلیم و تربیت دیکر اپنے مقصد کے لئے تیار کرنا چا
تھے۔ مگر ان کی یہ اسکیم اپنے انقلاب انگیز مقاصد کے لحاظ سے زیادہ بار آور نہ ہو
کیونکہ اجل نے انہیں چھ سال سے زیادہ کام کرنے کی مہلت نہ دی۔

عمر بن عبد العزیز کے بعد سیاست و حکومت کی باگ مستقل طور پر جاہلیت کے
ہاتھوں میں آگئی تھی۔ خلفاء راشدین کے بعد بنی امیہ اور بنی عباس کا راج قائم ہوا ان
کے زمانہ میں اگرچہ وہ صدیقانہ شان اور فاروقی قوت باقی نہ تھی۔ مگر پھر بھی غنیمت تھ
کیونکہ خلیفہ وقت اسلامی عقائد اور اسلامی علوم سے بہرہ ور ہوتا تھا۔ اگرچہ ان
میں سے بیشتر عمل کے میدان میں بالکل کورے تھے۔ لیکن ترکی النسل بادشاہوں کے
با اقتدار ہونے کی وجہ سے اسلام کو سخت نقصان پہونچا۔ ظاہراً تمام ترک بادشا
مسلمان تھے مگر وہ علوم دینی سے ناواقف تھے۔ ان میں اتنی بھی صلاحیت نہ تھی کہ
قضا و افتا کے عہدوں کے لئے اہل آدمی کو منتخب کر سکتے۔ اس کے علاوہ تمام ترکی با
اسلامی جمہوریت و حریت سے یکسر بیگانہ تھے، اس لئے انہوں نے با اقتدار ہو
کے بعد مطلق العنانی طرز حکومت کو اختیار کیا۔ اس صورت میں ان کے ذاتی مفاد
اسلامی سے عموماً ٹکراتے تھے۔ پس ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ آزادی و حریت
چشموں کو ہمیشہ کے لئے خشک کر دیا جائے۔ اجتہاد ہی ایسا طریقہ ہے جو مسلمانوں
دلوں میں نیا خون اور تازہ تخیل پیدا کرتا ہے اور آنے والی نسلوں کو تقلید جا
سے دور رکھتا ہے۔ مگر عیش پرست شاہان وقت کے لئے تقلید جامد ہی کار
موزوں تھا۔ مشرق سے لیکر مغرب تک اخلاقی انحطاط رونما ہو گیا جس کے

کوئی طبقہ خالی نہ رہا۔ امراء وقت تو لہو و لعب کے گرداب میں پھنس ہی چکے تھے، علماء
نے بھی بادشاہوں کی ہوا خواہی میں اسلام کا صحیح راستہ چھوڑ دیا۔ ان میں
ادی بے باکی اور اجتہادانہ قوت سلب ہو چکی تھی۔ شاہی درباروں۔ خاندانوں
حکمرانوں کی عیاشانہ زندگی کی وجہ سے رعایا کی حالت بتاہ ہو رہی تھی۔ ان پر
روں قسم کے ناجائز ٹیکس لگائے گئے۔ وہ فنون جو درحقیقت قوم کو ترقی کی طرف
ہنمائی کرتے ہیں سرے سے غائب تھے، اور ان کی جگہ ان فنون کا زور تھا جو دربار
اہی میں قدر و منزلت رکھتے تھے۔ جو سراسر مخرب اخلاق تھے اور جن سے انسانوں
پستہمتی۔ بزدلی۔ اور بے غیرتی پیدا ہوتی ہے۔ ان حکومتوں نے اگر کوئی خدمت
ام دی تھی، تو بس یہ کہ ایک طرف یونان روم و عجم کے جاہلی فلسفوں کو جوں کا توں
سلام میں پھیلا دیا۔ اور دوسری طرف اپنی دولت کے ذریعہ اسلامی معاشرت میں
ہلی علوم و فنون کو جاری کیا۔

یونانی فلسفہ کی اشاعت سے اسلام کی بنیادیں متزلزل ہونے لگیں۔ چونکہ
المان دین علوم عقلیہ سے واقف نہ تھے۔ لہٰذا انہوں نے اس الحاد کو طاقت کے
ریعہ روکنا چاہا۔ جو علوم عقلیہ سے واقف بھی تھے وہ تمام کے تمام ارسطو اور افلاطون کے
ہنی غلام تھے۔ انہوں نے جتنی کتابیں لکھیں یا جتنے ترجمے کئے وہ سب حرف بہ حرف
ونانی فلسفہ سے ملتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے اسلام کا لبادہ پہن لیا تھا مگر ان کی
وح یونانی تھی۔ ان میں بعض تو ارسطو کو اپنا پیغمبر مانتے تھے۔ محمدؐ کی پیروی کو خیرباد
ہہ کر ارسطو کی سیادت ان کے لئے مایۂ ناز تھی۔

مذہب ان کے خیال میں صرف ایک قانون تھا اور فلسفہ ایک علم کا بجز خارہ

Marfat.com

اس لئے وہ ایسے علما سے بری طرح نفرت کرتے جو مذہب کے سامنے بلا چوں وچرا
کے بجائے اس کے سمجھنے کی کوشش کرتے۔ فلسفی مذہبی احکام کی پابندی سے بالاتر
تھا کیونکہ وہ اشیار کی حقیقت کا پتہ رکھتا ہے۔ مصنف تاریخ فلسفہ اسلام ابن رشد
کے خیالات اس انداز میں پیش کرتا ہے "شرع کے احکام وریاست کے قوانین
عامۃ الناس کے لئے واجب العمل ہیں۔ محمدؐ کا مقصد یہ تھا کہ بدویوں کو مہذب بنائیں
.... اسی مقصد کے لئے انہوں نے علاوہ اور باتوں کے حشر اجسام کی
تعلیم دی .... سچے خدا پرست روحانی بحث میں عوام و زہاد دونوں
سے برتر ہیں۔ یہ سوائے ذات احدیت کے کسی اور چیز کی تمنا نہیں رکھتے اور امید و
سے آزاد ہیں۔ ان کے حصہ میں عقل کی آزادی آتی ہے .... لیکن یہ
عوام پر ظاہر کرنے کا نہیں ہے فلسفی اسے صرف اپنے عزیز شاگردوں کو تعلیم دیتا ہے"
ابن رشد کا خیال یہ ہے کہ مذہب و فلسفہ کا امتزاج کسی طرح بھی برداشت نہیں کیا
جا سکتا۔ مذہبی اصول و فلسفہ کے مقاصد کا مختلف ہونا ہی انکا اتحاد ہے۔ کیونکہ مذہب
ایک ظاہری چیز ہے۔ اور حق کی اعلیٰ صورت و مذہب کی برتر شکل فلسفہ ہے۔ فلسفہ
ہیں ان اشیار کی معرفت حاصل ہوتی ہے جو حقیقی وجود کی مالک ہیں۔ یونان زدہ
فلسفی اسلامیات پر بحث کرنے سے پیشتر ہی فلسفہ کو ایک صداقت مان لیتے ہیں
وہ اسلامی اصولوں کو توڑ مروڑ کر اسے فلسفہ سے تطبیق دینا چاہتے ہیں۔ ابن سینا
نے یہی طریقہ اختیار کیا تھا مگر ابن رشد[1] تو اپنے کو اسلام سے قطعاً آزاد خیال کرتا تھا

---

[1] :۔ ابن رشد کا دور غزالی کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ یہ فلسفی فلسفہ کو اسلام پر ترجیح دیتا تھا
اس کا خیال یہ تھا کہ جو کچھ قرآن میں ہے اسے عوام کو بغیر کسی چوں چرا کے مان لینا چاہئے۔ اسی کو
بقیہ حاشیہ صفحہ

...سے بحث کرنے کا طرز بھی عجیب تھا۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ قرآن حق ہے اور فلسفہ بھی
...ہے۔ لیکن صداقت محض ایک ہو سکتی ہے اس لئے قرآن و فلسفہ کو مماثل ہونا چاہئے۔
...ل الہیات کو فلسفہ کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں
...لی گئی۔ اس سلسلہ میں بصرہ کے اخوان الصفا اور فرقہ معتزلہ کی کوششیں نمایاں ہیں
...ن الصفا کے اراکین ایک رسالہ بھی شائع کرتے تھے۔ جو فلسفیانہ مضامین پر
...مل ہوتا تھا۔ مگر مضمون نگار عقوبت سے بچنے کے لئے اپنا نام ہمیشہ خفیہ رکھتے تھے۔
اخلاقی پستی کا یہ عالم تھا کہ اس وقت سیکڑوں فرقے اسلامی دنیا میں معرض
...میں آ چکے تھے۔ کچھ کے پیش نظر عقائد کی اصلاح تھی جیسے معتزلہ۔ اشعری۔ اور
اخوان الصفا۔ لیکن یہ فتنہ اکثر سیاسی اختلافات کی وجہ سے بھی کھڑا ہو جاتا
ساری اسلامی دنیا میں مذہبی و سیاسی تعصب کا عالم طاری تھا۔ حقیقت یہ ہے
ہر بزرگ ہستی کے انتقال کے بعد ان کے مریدین اپنے سیاسی وقار کو قائم رکھنے
لئے ایک الگ فرقہ کی طرح ڈالدیتے تھے، آہستہ آہستہ اسے مذہبی رنگ بھی دیدیا
...نا۔ تنگ نظری کی وجہ سے منافرت کی خلیج روز بروز وسیع سے وسیع تر ہو جاتی
...ماً ایک فرقہ دوسرے کی مخالفت میں کھڑا ہو جاتا۔ جیسے فاطمیہ عباسیہ کی مخالفت میں
...ہر یہ فرقہ کے پیرو کار باطنیوں کو کافر تصور کرتے۔ اسماعلیہ فرقہ کے لوگ کسانیہ و زیدیہ
...ز کے لوگوں پر کافر و زندیق ہونے کی تہمت لگاتے۔ ان کی ساری سیاست اور انکا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۸

...ہی۔ لیکن یہ ایسا حق ہے جو طفل طبقے لوگوں کیلئے موزوں ہے اور اسکی وقعت قصہ کہانیوں سے زیادہ نہیں ہے
...سفہ ایک بلند چیز ہے اور وہ حقیقی وجود کا پتہ دیتا ہے۔

Marfat.com

سارا مذہبی جنون تعمیری کاموں کو بالائے طاق رکھ کر تخریب پر اتر آیا تھا۔ یہ تھی ال
سیاست کی نوعیت۔

اسلام جب عرب کی سرزمین سے نکل کر مختلف ممالک میں پھیلا تو اسے ایس
قدیم تہذیبوں سے دوچار ہونا پڑا۔ جو اپنے اندر مکمل نظام زندگی لئے ہوئے تھیں ہن
فلسفہ کا اثر یہ ہوا کہ قرامطہ اور سبایہ فرقہ کے لوگ مسئلہ تناسخ کو اپنے عقائد کا
اہم جز سمجھنے لگے۔ فلسفہ ایران و یونان کے امتزاج کی وجہ سے اسلامی تصوف نے
رہبانیت کی شکل اختیار کر لی۔ رہبانی تقدیر پرستی اور پستی انسان کی بے بساطی
کم مائیگی کا نغمہ یونانی سازنے چھیڑا۔ توکل کے معنی بے کار ہونا ایرانی فلسفہ کی تعبیر
ہمارے شاعروں نے آسمان کے جور و ظلم و زمانہ کی سخت گیری پر لاکھوں مرثیے کہ
ڈالے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انکی ساری معماری تخیل ہی اسی طلسم پر قائم ہے۔ ان
دیوانوں کا ماحصل صرف یہ ہے کہ آسمان کے اشارہ سے آسیائے زمانہ نے انہیں
بری طرح پیس ڈالا ہے۔ آسمان کو قوت ارادی سے بغیر کرنا مسلمانوں نے اولاً یو
سے سیکھا ہے۔ گرچہ ظاہراً اس قسم کے خیالات میں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ لیکن
مہلک اثر سے ہماری غیرت و شجاعت کی تلوار میں زنگ لگ چکی ہے۔ ہم یہ سمجھ
ہر تلخ گھونٹ کو پی جاتے ہیں کہ یہ اپنا نہیں بلکہ زمانہ کا لایا ہوا ہے جس پر ان
کا کوئی اختیار نہیں۔ یہ خیال ایک غلام قوم کو غفلت کی نیند سلا دیتا ہے۔ تصو
کے میدان میں رہبانی تقدیر پرستی نے اسدرجہ زور پکڑا کہ آجکل ایسا معلوم ہوتا
کہ یہ بھی اسلامی عقاید کا ایک جز لاینفک ہے۔ درحقیقت ایرانی و یونانی فل
نے اسلام کی مستحکم بنیاد کو کھوکھلا کر دیا تھا لوگوں کے عقاید کمزور ہونے لگے

ت۔ دیدار ذات الٰہی۔ جبر و تقدیر۔ قدم عالم۔ صفات، ذات باری تعالےٰ۔
ت قرآن۔ اور اس قسم کے سیکڑوں مسائل زبان زد عوام بن گئے تھے۔ جنہیں
سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ لوگوں کو خدا کی ذات اور عقل کی ماہیت پر شک
نے لگا۔ تصوف نے بھی دیگر فرقوں کی طرح ایک الگ فرقہ کی صورت اختیار
شروع کیا۔ خلفاء راشدین کے بعد اسلام کے سیاسی میدان میں
جدال کا بازار گرم ہو گیا تھا۔ اس انارکیت کی میں غیر جانبدار پاک طینت
صلح پسند مسلمانوں کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔ وہ خود یہ محسوس کرنے
تھے کہ اسلامی معاشرت کو اب ان کی چنداں ضرورت نہیں پس خیر و شر سے
کے لئے وہ لوگ الگ گوشہ تنہائی و گمنامی میں بیٹھ گئے تھے یہیں سے تصوف
راغ ملتا ہے۔ مگر رفتہ رفتہ صوفیوں کی شکست خوردہ ذہنیتیں رہبانیت کے
سکون عناصر سے متاثر ہو کر رہبانیت سے بہت قریب ہو گئیں ...... یہ تھا
ماحول جس میں امام صاحب نے پرورش پائی تھی۔ مگر جیسا کہ معلوم ہے کہ
وہ ہمیشہ اپنے زمانہ سے متنفر ہوتا ہے اور وہ پیدا ہی اس لئے کیا جاتا ہے کہ زنگ
وہ نظام معاشرت کو صیقل دیکر چمکا دے۔ امام غزالی کی متشکک اور آزاد
یت کا شعلہ کبھی بھی ماحول کے خس و خاشاک سے نہ بجھ سکا۔

اس جگہ امام صاحب کی ذہنی و روحانی ارتقا کو علمی انداز میں پیش
ان کی شخصیت کو زیادہ نمایاں کردے گا۔ ان کی بغداد کی زندگی اور بعد کے
سالہ سیر و سیاحت ہی ان کے علمی انقلاب کا زمانہ ہے۔ پس یہ ظاہر کرنا
ت ضروری ہے کہ انہیں ابتدا میں فلسفہ یونان سے کس قدر ذوق تھا۔ ان کے

بعد تشکک آمیز خیالات نے ان پر کس طرح حملہ کیا۔ اس کا ردعمل ان کی علمی
پر کیا ہوا۔ پھر خضر ہدایت نے کس طرح ان کے دل کو نور ایمان سے منور کیا۔
انہوں نے فلسفہ کے متعلق درمیانی راستہ کیوں اختیار کیا۔ اور آخر وہ کیا
تھی کہ دنیاوی۔ معاملات کو ترک کرکے تصوف کی طرف ضرورت سے زیادہ
ہوگئے۔ امام صاحب سے اکثر اسی قسم کے سوالات کئے جاتے تھے مثلاً یہ کہ وہ
وملت کے اسرار و رموز کی تہہ تک کس طرح پہونچے؟ انہوں نے عالم کی پیچید
سے کس طرح نجات حاصل کی۔ اور تقلید کی خندق سے نکل کر تحقیق کی بلند چو
تک کس طرح پہونچے۔ ان سے یہ بھی دریافت کیا جاتا تھا کہ ان عقاید کی حقی
کیا ہے جس میں انسان بری طرح جکڑا ہوا ہے۔ عموماً لوگ امام غزالی کے
نظامیہ (بغداد) سے کنارہ کشی اختیار کرلینے پر سخت متعجب تھے۔ لیکن کچھ ہی
بعد طوس میں انکا ذاتی مدرسہ قائم کرنا اس سے زیادہ حیرت کی بات تھی۔
سوالات خود اپنی زبان سے غزالی کی ذہنی و روحانی ارتقا کا پتہ دیتے ہیں
معمولی سمجھ کا آدمی بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ انکا ذہنی ارتقا متکلم کی حیثیت سے شر
ہوا اور صوفیت پر جاکر ختم ہوگیا اس دوران میں انہیں تالمیت و فیلسوفیت
بھی مراحل طے کرنے پڑے۔

امام صاحب نے اپنی ذہنی کشمکش سے متعلق ایک کتاب تصنیف کی۔
اس میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں "تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ میں
علم کلام اور اصول تالیمہ (فرقہ باطنیہ کا دوسرا نام ہے۔ خود امام صاحب نے اپنی تص
میں کئی جگہ اس اصلاح کو فرقہ باطنیہ کیلئے استعمال کیا ہے) سے کیا حاصل کیا

نے نظام فلسفہ کو کیوں رد کیا اور آخر میں صوفیوں کا طریقہ کیوں اختیار کیا۔
تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں حقیقت کے اس سرمایہ سے آشنا کر دوں جو مجھے
ن خیالات کے مطالعہ سے ملا ہے۔"

جیوں ہی ان میں سیاسی بصیرت بیدار ہوئی اور علم کی آنکھوں نے مذہبی
ل کا مطالعہ کیا۔ انہیں محسوس ہوا کہ ساری اسلامی دنیا تفرقہ بازی کے مہلک
سے تشنج کے عالم میں تڑپ رہی ہے۔ عقاید کے اختلاف کو وہ ایک سمندر سے
بیہ دیتے ہیں جس میں ہزاروں جوئیدگان حق غرق ہو چکے ہیں۔ چند ہی ایسے
ن قسمت لوگ ہیں جو اس ورطہ بلا سے صحیح وسلامت واپس لوٹ آئے ہوں

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار ۔۔۔ نیا مد ازاں تختۂ بر کنار

انہیں محسوس ہوا کہ ہر شخص اپنے فطری مذہب پر نہیں چلتا بلکہ بچہ پیدا
تے ہی اپنے والدین کے مذہب کو بلا چوں وچرا اختیار کر لیتا ہے۔ پس وہ فطرت
قی معلوم کرنے کی طرف منعطف ہوئے۔ وہ خود رقمطراز ہیں کہ "میں ان تفرقہ
زیوں کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہونچا کہ چونکہ میرا مقصد تلاش حق ہے! اس لئے سب سے
لے ضروری ہے کہ ایمان کے مبادیات کا تعین کر لیا جائے۔" ایمان کے متعلق ان کی
تی رائے یہ ہے "ایمان اس یقین راسخ کو کہتے ہیں جو معجزہ کے باوجود بھی اپنی جگہ سے
متزلزل نہ ہو۔" اس کی آسان مثال اس طرح دی گئی ہے۔ فرض کرلو مجھے یقین ہے
دس تین سے بڑا ہے۔ لیکن ایک آدمی آتا ہے۔ ہاتھ میں پتھر لیکر اسے سونا بنا دیتا
ہے۔ یا ایک عصا پھینکدیتا ہے اور وہ سانپ میں تبدیل ہو جاتا ہے پھر وہ کہتا ہے
میرے کہنے پر ایمان لاؤ کہ تین دس سے بڑا ہے۔ لیکن اگر مجھے یقین ہے کہ دس

Marfat.com

تین سے بڑا ہے تو میں اس خرق عادت کو دیکھنے کے بعد بھی کبھی اپنی پچھلی رائے سے
انحراف نہ کروں گا۔ اس مقررہ معیار پر انہوں نے اپنے تمام علم کو پرکھنا شروع کیا
حسیات و بدیہات سے حاصل ہونے والے علم کے علاوہ باقی تمام علم یقین کے
معیار پہ نہ اتر سکے۔ لیکن کچھ غور و خوض کے بعد انہیں اپنے حسی شعور پر بھی اعتبار نہ رہا
اس کے لئے وہ جو ثبوت پیش کرتے ہیں بہت فیصلہ کن ہے۔ حواس خمسہ میں بصیرت سب
سے زیادہ قابل اعتبار ہے۔ نظر ایک سایہ کو دیکھ کر فیصلہ کرتی ہے کہ وہ ساکت ہے۔ لیکن
تجربے اور مشاہدے بتلاتے ہیں کہ سایہ کبھی بھی یکبارگی حرکت نہیں کرسکتا۔ جس سے یہ
نتیجہ نکلا کہ سایہ کی قوت حرکت کبھی بھی سلب نہیں ہوسکتی۔ حسیات سے اعتماد اٹھ جانے
کے بعد وہ بدیہات کی طرف رجوع ہوئے۔ انکا خیال یہ تھا کہ ہوسکتا ہے کہ وہ عقلی
نتائج جو بنیادی اصولوں پر تعمیر ہوتے ہیں صحیح ہوں۔ لیکن عقل کی قطعیت کا کون فیصلہ
کرسکتا ہے۔ عقل کے ناقص ہونے کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ انسان نیند کی
حالت میں جبکہ اس کی عقل کام کرتی رہتی ہے بے سرو پا خواب دیکھتا ہے جن کا سرے
سے وجود ہی نہیں، لیکن نیند کی حالت میں وہی غلط خواب۔ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ لیکن
عقل انسان کی قطعی رہنما نہیں ہوسکتی۔ اس کے ماورا بھی ایک طاقت ہے جو ہماری
عقل کو ٹھوکر کھانے سے بچاتی ہے۔ اگر وہ ظاہر نہیں ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ وجود
بھی نہیں رکھتی۔ اسی پوشیدہ طاقت کا نام خدا ہے۔

خدا کی معرفت حاصل کرنے کے بعد اب وہ محققین ذات الٰہی کے علم و عمل
کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک محققین علم کی تین قسمیں ہیں (جس میں ہر ایک نے
منزل مقصود تک پہونچنے کیلئے الگ الگ راستہ اختیار کیا ہے)

(۱) متکلم۔
(۲) فلسفی۔
(۳) صوفی۔

ام اور علم کلام | خلفاء اسلام کے دور میں اسلامی مبلغین اور مجاہدین نے ۔ مین عرب ہی پر کیا منحصر ساری عجم اور افریقہ کی وادیوں کو اپنا حلقہ بگوش کر لیا تھا اس یاسی وسعت سے جہاں اسلام کی تبلیغ میں سہولتیں پیدا ہوئیں وہیں اسے نئے ، معاشرتی و تمدنی و اعتقادی مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ علماء اسلام کو ضرورت یس ہوئی کہ اسلامی اصولوں کو پیش نظر رکھ کر ان نئے مسائل کی گتھیوں کو سلجھایا ئے۔ علاوہ ازیں جہاد کی ضرورت آہستہ آہستہ کم ہوتی جارہی تھی۔ اسلامی حکومتیں ا ہو گئی تھیں۔ حکومت کی مشینیں آرٹ اور تمدن کے روز افزوں پیدا وار میں کوشاں ں۔ لوگ فلسفہ و سائنس علم و حکمت کی طرف زیادہ دھیان دینے لگے تھے۔ اسلئے لیات نے زور پکڑا۔ کچھ دنوں تک اپنے حالت طفلی میں عقلیات نے مذہب کی اطاعت ناری پر قناعت کی۔ مگر یہ طفل بے زمام جوان ہو کر مذہب اور احکام شرعیہ سے بغاوت نے لگا۔ علم فقہ و علم کلام کی طرح اسی زمانہ میں ڈالی گئی ہے۔ امام غزالی کو ان کے نی خلفشار کے زمانہ میں یہ علم کسی طور سے بھی راس نہ آیا۔ کیونکہ ان میں جن مقدمات :۔ استدلال کیا گیا ہے ان کی بنا تقلید، اجماع یا قرآن و حدیث کے نصوص ہیں۔ ن کا دائرہ عمل بہت ہی محدود ہے پھر بھلا ایک ایسے متشکک دماغ کو اس سے کیا سکین حاصل ہو سکتی تھی۔ جو بدیہات کے سوا اور کسی چیز کا قائل ہی نہیں۔

لسفہ | غزالی کا بے چین دل علم کلام کی بے مائیگی سے ناامید ہو کر فلسفہ کی طرف

Marfat.com

رجوع ہوا۔ اس سے قبل انہوں نے ایسے متکلمین کی بے حساب تصانیف کا مطالعہ کیا تھا جنہوں نے فلسفہ کے خلاف علی الاعلان جہاد کیا تھا۔ لیکن فلسفہ سے ناواقفیت کے باعث ان کے مضامین میں عامیانہ سطحیت پائی جاتی تھی۔ ان کے مضامین فاش غلطیوں سے پُر تھے۔ امام صاحب نے محسوس کیا کہ فلسفہ کے خلاف جہاد کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس فن کا عمیق مطالعہ کیا جائے۔ غرضکہ انہوں نے دو سال کے اندر اس فن میں بھی تبحر حاصل کر لیا۔ اس کا ثبوت ان کی وہ ہر دلعزیزی ہے جو فلاسفہ یورپ کے درمیان پائی جاتی ہے۔ (افسوس کہ عجم کے جامد دماغ نے ان کے فلسفیانہ کتابوں کی قدر نہیں کی۔) انہوں نے تمام فلسفیوں کو تین گروہ میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) مادہ پرست۔ (Materialist) یہ لوگ خدا کے وجود کے منکر ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا علت و معلول کا ایک حلقہ ہے۔ ہر چیز مادّہ سے پیدا ہوئی ہے۔

(۲) نیچری (Naturalist) یہ گروہ خدا کے وجود کا قایل ہے ایک ایسا خدا جو اس کائنات کے مقصد و اس کے آغاز و انجام کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔ لیکن انکا استدلال یہ ہے کہ چونکہ جسم فنا ہو جاتا ہے اس لئے قوت تخیل و ادراک کو بھی فنا ہو جانا چاہئے۔ اسی لئے وہ روح کی بقا کے منکر ہیں۔ اور قیامت و اس کے لوازمات کے بھی قائل نہیں ہیں۔

(۳) خدا پرست (Theist) اس گروہ کا سردار سقراط ہے۔ انکے عقیدے قطعاً غیر اسلامی ہیں۔ منطق انکا مسلک ہے۔ امام صاحب نے ابی سینا

Marfat.com

فارابی کا بھی اسی گروہ میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ارسطو کے مرید ہیں۔ جو اگرچہ سقراط و افلاطون سے بہت حیثیتوں میں مختلف ہے مگر کفر و الحاد کی صف میں انکے ابر نظر آتا ہے۔

اسی طرح امام صاحب نے علم فلسفہ کو بھی چھ حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) علم الحساب۔

(۲) منطق۔

(۳) سیاست۔

(۴) طبیعات (Physics)

(۵) ما فوق الطبیعات (Metaphysics)

(۶) فلسفہ اخلاق (Ethics)

ان میں سے شروع کے چار علوم کو مذہب کی مخالفت سے کوئی بھی سروکار نہیں۔ کیونکہ ان کے اور مذہب کے مقاصد و نیز دائرہ عمل میں زمین آسمان کی دوری پائی جاتی ہے۔ لیکن ما فوق الطبیعات اور اخلاقیات کا علم ایسا ہے جس میں فلسفی کے گمراہ ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ ارسطو کا فلسفہ اسلام سے قریب ہے مگر اس نے بھی چوبیس غلطیاں کی ہیں۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

(۱) حشر اجساد کا مسئلہ یعنی یہ کہ قیامت کا عقیدہ صحیح ہے یا نہیں۔ اور اگر بالفرض قیامت ہوتی بھی ہے تو کیا انسان جسمانی حالت میں قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ یا خدا انہیں ایک روحانی شکل عطا کریگا۔

(۲) تقدیر کا مسئلہ۔ وہ کہتے تھے کہ خدا ہر خاص و عام پر نظر نہیں رکھتا ہے

بلکہ اس کے علم میں صرف مخصوص چیزیں ہیں۔

(۳) وہ تمام منفرد چیزوں کو فانی مانتے ہیں جس کے مطابق انسانی افراد کے بقائے نفس کا عقیدہ ختم ہو جاتا ہے۔

(۴) تمام دنیا کے واقعات کو علت و معلول کے سلسلے کا پابند سمجھنا جس سے خرق عادت و معجزہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

(۵) مادّی دنیا اور اس کے حرکت دینے والے عقول کو قدیم ماننا وغیرہ وغیرہ

امام صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ان تمام شکوک کا جواب پرزور طریقہ پر آدیا۔ انہوں نے ان مسلمان فلسفیوں کا بھی منہ توڑ جواب دیا جنہوں نے یونانی فلسفہ سے استفادہ کر کے نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے۔ وہ ایک ایک کو لیکر رد کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یونانی فلسفی نہ تو خدا کی ذات کو ثابت کر سکتا ہے۔ اور نہ تو اس کے پاس اس کا کوئی ثبوت ہے کہ خدا ایک ہے۔ یا کئی ایک یا سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس کے بعد امام صاحب اپنے خاص رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں جہاں مسلمانوں کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ انہیں نظام فلسفیوں کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے مگر میانہ روی کی صورت بہتر ہے۔ حقیقت کسی راہ پڑی ہوئی ملے اٹھا لینا چاہیئے۔ فلسفہ و سائنس سے قطعاً انحراف کرنا صریحاً جہالت ہے۔ مثلاً سورج۔ چاند و زمین و نباتات و حیوانات کے متعلق سائنس کے جو تجربے ہیں ان سے انکار کرنا سراسر حماقت ہے۔

تصوف ۔ غرضیکہ فلسفہ ان کی ذہنی پیاس کو پوری طور پر نہ بجھا سکا۔ انہیں کسی ایسے مشعل سرمدی کی تلاش تھی جو ان کے قلب کو منور کر دے۔ اس دوران

Marfat.com

میں انہیں خدا کی ذات روز جزا اور حال (Inspiration) میں کامل یقین پیدا ہو گیا تھا۔ مگر ان کے دل میں یہ بات اچھی طرح سما گئی تھی کہ محض علم کی خشکی روحانی ارتقا کو پایہ تکمیل تک نہیں پہونچا سکتی۔ بلکہ معراج حقیقت تک پہونچنے کے لئے علم کے دوش بدوش عمل صالح کی بھی ضرورت ہے۔ اسی جذبہ کے ماتحت انہوں نے اپنی شان وشوکت کی زندگی کو ترک کرکے سیاحت عالم کا بیڑہ اٹھایا تھا۔ ان کا دل صوفیوں کے روحانی اوراد و وظائف کی طرف مائل ہو گیا۔ کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ یہی ایک ایسا گروہ ہے جو مذہبی و روحانی حیثیت سے افضل ترین ہے۔

کار تجدید کی نوعیت

عموماً لوگ منصب تجدید کی نوعیت سے واقف نہیں ہیں۔ ورنہ انہیں مجدد اور انقلابی میں کوئی فرق نظر آتا ہے۔ ایک انقلابی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اخلاقی و روحانی حیثیت سے بھی بلند پایہ رکھتا ہو۔ اور یہ کہ وہ اسلام کے اصولوں پر عامل بھی ہو۔ لیکن مجدد ہونے کا شرف صرف انہیں کو حاصل ہو سکتا ہے جو اپنے فکر صحیح کے ساتھ ساتھ اسلامی اخلاق کے بھی مالک ہوں۔ جن کا ظاہر اور باطن اسلام کا آئینہ دار ہو۔ جس کا ظاہر بقول اقبالؒ قاری ہو، باطن قرآن۔ عمل صالح کا پایا جانا پہلی شرط ہے۔ دوسری سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ایک مجدد اسلام اور جاہلیت میں کسی قسم کی مصالحت نہیں کر سکتا۔ وہ مسائل پر بیباکانہ تبصرہ کریگا۔ ایسے اپنے جان ومال۔ عزت و آبرو کو اسلام کے نام پر قربان کردینی پڑے گی۔ مجدد نبی نہیں ہوتا اس سے غلطیوں کے سرزد ہونے کا امکان ہے۔ وہ علوم دینیہ کا امام ہوتا ہے۔ اور جو کچھ وہ کہتا ہے۔ علوم دینیہ کے ماتحت۔ لیکن اس کا زمانہ قرآن کی طرح ابدی نہیں ہے۔ اس کے اجتہادانہ کارنامے ایک

Marfat.com

محدود وقت تک انسانیت کے لئے فلاح وبہبودی کا باعث ہوسکتے ہیں۔ اس لئے اسلام کے ظہور کے بعد مجدّدین کا ایک سلسلہ قائم ہوگیا ہے۔ مجدّد مزاج نبی سے قریب تر ہوتا ہے! وراس میں اعتدال۔ تعصب سے نفرت اور صحیح ذہن پایا جاتا ہے۔ لیکن نبی کے برخلاف مجدّد پر اعتقاد نہ رکھنے سے مذہب کے اس کو کوئی نقصان نہیں پہونچتا۔ مجدد اجتہاد فی الدین کرکے اسلامی معاشرت کی گمراہیوں اور بدعتوں کو نکال باہر کرتا ہے۔ تقلید جامد اس کی ضد ہے۔ اس کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اسلامی شریعت کے مطابق تہذیب وتمدن کے فرسودہ نظام کو اس طرح ردوبدل کردے کہ اسلامی روح قائم رہے! سلام کو مٹانے والے عناصر کے خلاف جہاد کرے اور وہ اسلامی حکومتوں کو بھی یہ موقع نہ دے کہ وہ جاہلی طرز حکومت پر عمل کرسکیں۔

مجدّد کا سب سے بڑا طرہ امتیاز یہ ہے کہ وہ پیہم عالمگیر انقلاب کی کوشش کرتا ہے۔ وہ موجودہ اسلامی حکومتوں پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ساری دنیا میں اصلاح وہدایت کی آواز پھیلا دی جائے۔ اور ساری دنیا کے تمدنی نظاموں سے جاہلیت کے عناصر کو نکال کر انہیں اسلامی اصولوں پر لے آنے کی کوشش کی جائے۔ اسلام رسمیات محض کا ایک خوشنما قانون نہیں بلکہ ایک زندہ قوت ہے۔ یہ زندہ قوت جب عملی شکل اختیار کرلیتی ہے تو آن کی آن میں اقوام وملل کی تقدیریں پلٹ جاتی ہیں۔

جیسا کہ بیشتر بیان کیا جاچکا ہے کہ امام صاحب نے یونانی فلسفہ کی بڑی طرح تردید کی ہے۔ لیکن ان میں سب سے بڑی خوبی یہ پائی جاتی ہے کہ انہوں نے دونوں کو ان کے مقام سے آشنا کردیا۔ فلسفہ مذہب کا ماتحت ہے! انہوں

Marfat.com

متکلمین وعلا دین کی بھی مخالفت کی ہے جوفلسفہ کی تردید میں انتہا تک پہونچ گئے
ہیں۔ امام صاحب نے مسلمانوں کے سامنے صحیح عقاید کو پیش کیا ہے۔ اس مسئلہ کو
حل کرنے کے لئے وہ عقاید کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) وہ عقاید جن پر زبان اور دل سے ایمان لانا عین اسلام ہے۔ مثلاً
وجود ذات باری تعالیٰ۔ وحدانیت۔ قرآن۔ رسالت۔ قیامت۔ فرشتہ۔ وغیرہ۔

(۲) وہ مسائل جن پر ایمان لانے یا نہ لانے سے اسلامی اعتقاد پر کوئی
اثر نہیں پڑتا مثلاً قرآن حادث ہے یا قدیم۔ حشر اجساد وغیرہ۔

(۳) وہ مسائل جن پر اعتقاد رکھنا اسلام میں مخالفت کرنا ہے۔ مثلاً
قدمائے عالم۔ نفی روح۔ وغیرہ۔

لیکن امام صاحب نے سیاسی میدان میں عملی قدم نہیں اٹھایا۔ وہ اچھی
طرح محسوس کرتے تھے کہ ان کے عہد کی اسلامی حکومتوں میں غیر اسلامیت بری
طرح غالب آچکی ہے۔ نصاریٰ شام اور اس کے گرد و نواح میں قوت کی تحصیل کے
لئے پیہم جنگ آزمائی کر رہے تھے۔ لیکن امام صاحب نے اس کی طرف ذرہ بھی
توجہ نہ کی۔ انہوں نے جہاد کے لئے ایک قدم بھی نہ اٹھایا۔ اور نہ کوئی ان کی طرف
سے ایسی ہمہ گیر تحریک اٹھائی گئی جو بعد میں۔ اس خدمت کو انجام دے سکتی لیکن
ان کی تصانیف و مجموعہ خطوط سے پتہ چلتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنے زمانہ کے نظام حکومت
پر تبصرہ کیا ہے۔ بادشاہان وقت وان کے سربرآوردہ وزیروں کے پاس انکی
طرف سے ذاتی خطوط بھی ارسال کئے گئے تھے۔ جس میں وہ پیہم اصلاح کی طرف توجہ
دلاتے رہے۔ اپنی قلم کے ذریعہ عوام کو یہ احساس دلانا چاہا کہ وہ ظلم وجبر کے آگے

Marfat.com

سر تسلیم خم نہ کریں بلکہ انہیں مخلصانہ نکتہ چینی کا حق حاصل ہے۔ وہ بذات خود وقت کو بری طرح نفرت کرتے تھے' احیاء العلوم میں ایک جگہ لکھتے ہیں "کہ ہمارے یں سلاطین کے تمام یا اکثر مال حرام ہیں" درباروں سے احتراز اس بات کا ہے کہ وہ ساری عمر اپنے قول پر ڈٹے رہے۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ نصاریٰ مسلم کے سروں پر پہونچ چکے ہیں مگر مسلمان بادشاہ اپنے عیش و عشرت میں مشغول ہیں۔ دوسرے یہ کہ بیچاری رعایا پر مختلف قسم کے غیر شرعی ٹکس لگا دئے گئے تھے جن سے ان کی حالت تباہ ہو رہی تھی۔ اس صورت میں امام صاحب کی اسلامی غیرت کب گوارا کر سکتی تھی کہ وہ شاہان وقت کے خزانوں سے متمتع ہوں اور رعایا ان کے آسیائے ظلم و جبر میں پستی رہی۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں" ان سلاطین کو نہ اپنی صورت دکھانی چاہیئے اور نہ ان کی صورت دیکھنی چاہیئے۔ انسان کے لئے لازم ہے کہ ان کے ظلم سے بغض رکھے اور ان کے بقا کو پسند نہ کرے۔ ان کی تعریف نہ کرے۔ ان کے حالات سے کوئی واسطہ نہ رکھے۔ ان کے رسائی رکھنے والوں سے دور رہے"

کہا جاتا ہے کہ ان کے ایک شاگرد عبداللہ نے ان کے کہنے کے مطابق اسپین میں موحدین کی حکومت قائم کی تھی۔ لیکن اگر سچ پوچھا جائے تو یہ کہنا پڑیگا کہ امام کی سیاسی خدمات بہت ہی ضمنی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ امام صاحب نے درس و تدریس و علم و ادب سے کبھی قدم آگے نہیں رکھا۔ وہ ایک فاضل عرفان تنا اور بزرگ صوفی تھے۔ جو آنے والی نسلوں کے لئے اپنی تصانیف کا بیش بہا سرمایہ چھوڑ گئے ہیں سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز یہ ہے کہ وہ جس فلسفہ کے طلسم کو توڑ

(بقیہ صفحہ ۲۱۳ پر)

Marfat.com

(۱)

مختصر سیرۃ محمدؐ بن عبدالوہاب

(از جناب مولانا مسعود عالم صاحب ندوی)

یوں تو بنوامیہ کے دورِ حکومت ہی میں حجاز کی مرکزیت ختم ہو چکی تھی۔ دمشق کے شاطروں نے حرمین کو پیرزادوں کی خانقاہ بنا دیا اور پھر ابومسلم خراسانی کی تلوار نے عربوں کی سیاسی قسمت ہی کا فیصلہ کر دیا۔ (سنہ ۱۳۲ھ) معتصم (۲۱۸ھ ۸۳۳ء - ۲۲۷ھ ۸۴۲ء) کے دور میں ترکوں نے زور پکڑا، اور پھر تخت و تاج نے ان کے قدیم لئے مسلمانوں کے عروج کی ان صدیوں میں بغداد اور قرطبہ کی علمی درس گاہیں قائم ہوئیں، ازہر، زیتونہ (تونس)، اور قرویین (فاس) کی مسجدوں سے علم و عمل کے چشمے جاری ہوئے۔ ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کیا۔ سلیمان اعظم نے وائنا کی دیوار ہلا دی۔ مغلوں نے ہندوستان کو زیر و زبر کیا........ لیکن عرب کا شتربان اپنے صحرا میں آرام کی نیند سوتا رہا۔ عثمانی سلاطین نے حجاز پر صدیوں حکمرانی کی، لاکھوں کروروں کے چڑھاوے دئے۔ مجاوروں اور متولیوں کے لئے بیش قرار وظیفے مقرر کئے..... پر عرب کے ریگستان میں کہیں علم کا چشمہ جاری نہ ہوا۔ اور عرب کا بادیہ نشین ایام جاہلیت

Marfat.com

کے نونہ پر لوٹ کھسوٹ کی زندگی بسر کرتا رہا۔ (۲)

محمد بن عبدالوہاب بالآخر جب دنیا پھر تاریکی میں مبتلا ہوگئی، مسلمان کتاب وسنت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے، ایک اللہ کی جگہ سینکڑوں معبود بنالئے گئے اور معبود حقیقی کی درگاہ کو چھوڑ کر، مسلمان ہر شجر وحجر کے آگے جھکنے لگے ـــــ جب یہ حالت ہوگئی تو پھر اسی بے آب وگیاہ سرزمین پر پہلے پہل تذکیر وہدایت کا آفتاب ضوفگن ہوا اور خاک عرب کے وہ ذرے جو جہل وشرک کی طغیانی کے باعث ماند پڑ گئے تھے، پھر چمک اٹھے، اور نجد کی وادی سے توحید وصراط مستقیم کی ایسی خوشبو پھیلی۔ جس نے تمام عالم کو زعفران زار بنا کر چھوڑا، میری مراد بارہویں صدی ہجری کے مجدد شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی سے ہے۔ جنھوں نے اپنی مسلسل اور انتھک کوششوں سے مسلمانوں کو توحید کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ اور جہاں تک ان کی آواز پہنچ سکتی تھی انہوں نے تبلیغ کا فرض ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔

ابن عبدالوہاب کی پیدائش کے وقت دنیائے اسلام کی حالت یوں تو اسلامی دنیا کا فکری زوال آٹھویں صدی ہجری کے اختتام پر اپنی آخری حد کو پہنچ چکا تھا، اجتہاد ونظر کے دروازے عرصہ ہوا بند ہوچکے تھے لیکن بارہویں صدی ہجری کے آغاز میں یہ انحطاط اس حد کو پہنچ چکا تھا۔ کہ غیر مسلم بھی عہد صحابہ کے حالات سے اس دور کے مسلمانوں کا موازنہ کرتے تو انھیں تعجب وافسوس ہوتا۔ آئیے، ہم آپ کو ایک امریکن غیر مسلم مبصر (Lathrop Stoddard) کے موئے قلم کا تیار کردہ نقشہ دکھائیں چشم عبرت وا کیجئے اور دیکھئے، اس آئینہ میں مسلمانوں کے جو خط وخال نظر آتے ہیں وہ آج بھی بڑی حد تک صحیح ہیں یا نہیں؟ امیر شکیب ارسلان کی رائے میں بڑے

Marfat.com

...ا دقیق النظر عالم بھی بارہویں صدی ہجری کے مسلمانوں کی اس سے زیادہ اور واضح تصویر نہیں کھینچ سکتا۔[۱]

" مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا، تصوف کے طفلانہ توہمات
" کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا مسجدیں ویران
" وسنسان پڑی تھیں، عوام جہال ان سے بھاگتے تھے۔ اور تعویذ گنڈے
" اور مالا میں پھنس کر گندے فقرا اور دیوانے درویشوں سے اعتقاد
" رکھتے تھے، اور بزرگوں کے مزارات پر زیارت کو جاتے تھے، اور انکی
" پرستش بارگاہ ایزدی کے شفیع اور ولی کے طور پر کی جاتی تھی، کیونکہ
" ان جاہلوں کا خیال تھا کہ خدا کی برتری کے باعث وہ اس کی طاعات
" بلا واسطہ نہیں ادا کر سکتے۔ قرآن کریم کی تعلیم نہ صرف پس پشت ڈال
" دی گئی تھی بلکہ اس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی۔ افیون اور شراب
" خواری عام ہو رہی تھی، زنا کاری کا بازار گرم تھا۔ اور ذلیل ترین
" اعمال کھلم کھلا بے حیائی کے ساتھ کئے جاتے تھے، یہاں تک کہ مقامات
" مقدسہ (مکہ و مدینہ) بداعمالیوں کے مرکز بن گئے تھے، اور حج جس کو
" رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرائض میں تعلیم کیا تھا، بدعات کی
" وجہ سے حقیر ہو گیا تھا۔ فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی اور محض بے
" روح رسمیات اور متبذل وہم پرستیوں کے سوا کچھ نہ رہا تھا۔ اگر محمد (صلی اللہ
" علیہ وسلم) پھر دنیا میں آتے تو وہ اپنے پیروں کے ارتداد اور بت پرستی

---

[۱] حاضر العالم الاسلامی جلد اول صفحہ ۲۶ (حاشیہ)

پرہیزاری کا اظہار فرماتے ہیں

(جدید دنیائے اسلام (The New World of Islam

بارہویں صدی ہجری کے آغاز میں اسلامی دنیا | نجد ابن عبدالوہاب سے پہلے

مقامات مقدسہ کا جو حال تھا، اس کا ہلکا سا اندازہ سٹاڈرڈ کے بیان
ہوا ہو گا۔ لیکن جزیرۃ العرب کے قلب (نجد) کی حالت اور بھی خراب تھی!
خرابیوں میں اہل نجد حد سے گذر چکے تھے، اور بھلائی برائی کا کوئی معیار قائم
رہا تھا۔ مشرکانہ عقائد صدیوں کے تسلسل سے اس طرح دلوں میں گھر کر چکے تھے
ایک بڑا طبقہ انھیں خرافات کو "دین صحیح" کا نمونہ جاننے لگا تھا۔

جُبَیلہ (وادی حنیفہ) میں زیدؓ بن خطاب کی قبر کی پرستش ہوتی تھی، د
میں بھی بعض صحابہ کے نام سے منسوب قبریں اور قبے عوام کی جاہلانہ عقیدت کے
ہو گئے تھے، وادی غبیرہ میں ضرارؓ بن ازور کا قبہ بدعتوں کی نمائش گاہ ہو رہا تھا،
سے بڑھکر یہ کہ بلیدۃ الفدا میں ایک پرانے درخت کے ساتھ جوان مرد اور عورتیں
سلوک کرتی تھیں، ان کے بیاں سے زبان قلم عاجز ہے۔ خلاصہ یہ کہ مایوس عورتیں
کی تمنا میں اس درخت سے ہم کنار ہوتیں۔ درعیہ کے پاس ایک غار تھا۔ جہاں حا
شرم ناک برائیاں ہوتی تھیں الخ الخ۔

یہ سب کچھ دین اور مذہب کے نام پر ہوتا تھا، علم یا تو تھا نہیں اور
چار فقہ و حدیث سے بہرہ ور تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اپنے میں ہمت
پاتے تھے، آخر علمار نجد دنیا کے علمار سے الگ تو تھے نہیں!!

سیاسی حالت اور بھی خراب تھی۔ خانہ جنگی اور بد حالی عام تھی

Marfat.com

جبل شمر) میں قبیلہ طے اور حسا میں بنو خالد کا زور تھا۔ عینیہ بنو تمیم کا مرکز تھا، اور
معلوم ہوتا ہے کہ عینیہ کی امارت حسا کے بنو خالد کا اقتدار، مانتی تھی، درعیہ
قبیلہ عنیزہ کے قدم جم رہے تھے، درعیہ سے قریب منفوحہ میں دواس کی الگ
ریاست قائم ہوگئی تھی۔

نجد کا چھوٹا سا علاقہ ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا،

ونما | اس پُر آشوب دور اور نا موافق ماحول میں محمد بن عبد الوہاب نے آنکھیں
میں، عینیہ[۱] کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے (۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء) اور اپنے والد ماجد
شیخ عبد الوہاب قاضی عینیہ کے آغوش میں تربیت پائی۔

محمد بن عبد الوہاب آغاز طفولیت ہی سے ذہانت اور قوت حافظہ میں ممتاز
دس برس کی عمر سے پہلے قرآن مجید کے حفظ سے فارغ ہوگئے، اپنے والد سے فقہ
حنبلی کی کتابیں پڑھیں اور بچپن ہی میں حدیث و تفسیر کی کتابیں بہ کثرت مطالعہ کیں
ان کے والد عبد الوہاب، ان کی اس ذہانت اور استعداد علم سے متعجب ہوتے، انکا
بیان ہے کہ محمد کی تدریس کے دوران میں وہ خود بھی اپنے ہونہار بچے کی ذہانت اور
وسعت معلومات سے مستفید ہوئے، شیخ عبد الوہاب اپنے بیٹے کے علم سے اس قدر
متاثر تھے کہ نوعمری کے باوجود وہ انھیں امامت کے لئے آگے بڑھاتے، کم سنی ہی میں
شادی ہوئی، اور فریضہ حج سے مشرف ہوئے، مدینہ منورہ میں دو ماہ قیام کے بعد
عینیہ[۲] واپس ہوئے اور اپنے والد ماجد سے تحصیل علم میں معروف ہوگئے، یادداشتیں

---

[۱]: حاشیہ صفحہ ۷ پر۔
[۲]: عینیہ، عین (چشمہ) کی تصغیر ہے، پہلے اس مقام پر کوئی چشمہ تھا، اب اسے شیخ الاسلام کی نسبت سے بلد الشیخ بھی کہتے ہیں۔

Marfat.com

اور علمی کتابیں نقل کرتے۔ اتنی محویت ہوتی کہ ایک ایک نشست میں بیس بیس لکھ جاتے۔

علم کی راہ میں

محمد بن عبدالوہاب فطرت کی طرف سے ایک حساس دل لے کر تھے، اپنے اردگرد نجد کے شہروں اور بستیوں کی حالت دیکھ دیکھ کر وہ کبیدہ خاطر عام لوگوں کا تو ذکر ہی کیا۔ خود اہل علم کی حالت ناگفتہ بہ تھی، محمد اپنے باپ (عبدالو سے (جو نجد کے علما میں ممتاز تھے) جو کچھ حاصل کر سکتے تھے، اس میں کوئی کسر نہ اٹھا لیکن ہونے والے مصلح کی پیاس دو چلو پانی سے کس طرح بجھ سکتی تھی؟ حج سے مشر ہو چکے تھے، حجاز کی مرکزیت دل میں گھر کر چکی تھی، طلب علم کا خیال آتے ہی حجاز ارادہ ہوا، پرجوش نوجوان کی عمر کوئی بیس برس ہوگی، کہ لیلائے علم کے شوق میں اس نے دشت نوردی کی ٹھانی اور حجاز کا رخ کیا۔ دوبارہ حج بیت اللہ اور مسجد نبوی کی زیارت سے مشرف ہو کر علماء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحصیل علم میں ہمہ تن ہو گئے، خاص طور پر شیخ عبداللہ بن ابراہیم کی صحبت سے مستفیض ہوئے، ان کی وساطت سے شیخ محمد حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ) کی شاگردی کا بھی شرف حاصل ہوا، شام کے مشہور عالم شیخ علی داغستانی (م ۱۱۹۹ھ) نزیل مدینہ سے بھی روایت کی۔

مدینہ منورہ سے شیخ نے بصرہ کا قصد کیا اور وہاں متعدد علماء سے حدیث اور لغت کا درس لیا۔ شیخ محمد مجموعی کے درس میں خاص طور پر حاضر ہوتے رہے،

لہ: ۔ محمد بن عبدالوہاب کے والد شیخ عبدالوہاب اور دادا شیخ سلیمان بن علی بن مشرف اور اہل خاندان کے حالات السحب الوابلہ علی ضرائح الحنابلہ میں مذکور ہیں۔

بھی ارادہ رکھتے تھے، لیکن زادِ راہ کی کمی کے باعث کامیاب نہ ہوئے، اور احساء ہو کر حریملا (نجد) کو لوٹ آئے، جہاں ان کے والد ۱۱۳۹ھ میں منتقل ہو گئے تھے۔

دعوت و تبلیغ | ابن عبدالوہاب بچپن ہی سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف مائل تھے، ابھی عیینہ میں فقہ و حدیث کی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے، کہ بدعات ان کی آنکھوں میں کھٹکنے لگیں اور جہاں کوئی عمل اصول دین کے خلاف پاتے، فوراً نہی عن المنکر کے فریضہ سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرتے۔

مدینہ منورہ میں محمد حیات سندھی اور علی داغستانی سے استفادہ کے بعد حدیث پر نظر ہوئی، اور پھر چاروں طرف نگاہ اٹھا کر دیکھی، تو انھیں دنیا گمراہی کی سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی نظر آئی، جہاں تک پتہ چلتا ہے، شیخ نے سب سے پہلے اسی زمانہ میں استغاثہ کے خلاف آواز اٹھائی، رسول کریم (ص) کی قبر اطہر کے پاس جاہلوں کی حرکتیں دیکھ دیکھ کر ان سے ضبط نہ ہو سکا۔

بصرہ میں یہ جذبہ تیز ہو گیا۔ نہی عن المنکر بلا خوف و خطر کرتے، جس کے پاداش میں انھیں قسم قسم کی تکلیفیں سہنا پڑیں اور آخر انھیں بصرہ چھوڑنا پڑا۔ یہی نہیں، بلکہ ان سے تعلق اور ہمدردی کے جرم میں، شیخ مجموعی کو بھی ستایا گیا۔ بصرہ سے بھاگے ہوئے سخت گرمیوں میں بڑی مصیبتوں سے زبیر[1] اس حال میں پہنچے، کہ پیاس کے سبب سے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے، آخر ایک با خدا انسان ابو حمیدان نامی نے دست گیری کی، اور ان کی پیاس بجھائی۔

---

[1]:۔ زبیرؓ۔ بصرہ سے قریب ایک قصبہ ہے، جو حواری رسول حضرت زبیرؓ بن عوام کے نام پر آباد ہے اس وقت بھی اس کے باشندے اتباع سنت میں ممتاز ہیں۔

Marfat.com

یہ سب دعوت کی ابتدائی منزلیں اور تمہیدی کام تھے، حریملا واپسی کے بعد انہوں نے بدعات کے استیصال اور توحید داخلاق کے عام کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ دعوت کی بنیاد توحید کی پاکیزگی پر رکھی اور عبادت، کسی قسم کی ہو، صرف اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص کرنے پر زور دیا کلمہ لا الٰہ کا بول بالا' ان کا شعار تھا صدیوں کے بگڑے ہوئے اخلاق کی اصلاح کا بیڑا اٹھانا کوئی بچوں کا کھیل نہیں' جاہلوں کے عقائد کی اصلاح اور انھیں معبودان باطل' قبہ و قبرے ہٹاکر' پھر معبود حقیقی کے درگاہ میں لاکھڑا کرنا ان کا مقصود تھا، پھر یہ ہر کس وناکس کے بس کی بات نہ تھی۔ اس کے لئے ایمان خالص اور سچی عزیمت کی ضرورت تھی' اس راہ میں شیخ کو جن صبر آزما تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑا اور جس خندہ پیشانی کے ساتھ انھوں نے مصائب کا استقبال کیا، اس سے پتہ چلتا ہے، کہ وہ ان اوصاف سے پوری طرح متصف تھے۔

توحید کی دعوت دی، غیر اللہ کے آگے جھکنے' قبروں، ولیوں' سے مدد مانگنے' نیکو کار بندوں کو معبود ثانی بنانے سے روکنے کی کوشش کی' قبروں کی زیارت میں مسنون طریقہ کے خلاف جو بدعتیں رائج ہو گئی تھیں، ان کے مٹانے کو عملی قدم اٹھایا' بس پھر کیا تھا۔ مخالفت کا سیلاب امنڈ آیا، اعزا' اقربا، درپے آزار ہو گئے' خود باپ کو بھی یہ ادا نہ پسند آئی' شیخ نے باپ کا ادب اور استاذ کی عزت کا پورا لحاظ رکھا' لیکن جو قدم آگے بڑھ چکا تھا وہ پیچھے نہ ہٹا' ایذا رسانی حد سے بڑھ گئی' پر صبر و عزیمت کا کوہ وقار اپنی جگہ سے نہ ٹل سکا تمام رکاوٹوں کے باوجود انھوں نے اپنی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا' اور عارض[1] کے تمام قصبات حریملا' عیینہ' درعیہ' ریاض وغیرہ میں ان کی

---

[1] :- عارض :- ایک پہاڑی کا نام ہے، اسے جبل یمامہ بھی کہتے ہیں اور اس کے گرد و نواح کی زمین

(بقیہ صفحہ ۲۰۱ پر)

Marfat.com

پھیل گئی اور تعلیمات کی اشاعت ہونے لگی۔

تبلیغ کا سلسلہ جاری تھا، لیکن والد ماجد کی مخالفت کے باعث رفتار سست
۱۱۵۳ھ میں والد کا انتقال ہوا، تو پھر دعوت و تبلیغ میں گرمی پیدا ہوگئی، علی الاعلان
ع سنت اور ترک بدعات کا وعظ کہنے لگے۔ حریملا کے کچھ لوگ متأثر ہوئے اور
ان کے پرجوش معاون ہوگئے، شیخ کے درس میں حاضر ہونے لگے اور ان کے مواعظ
مستفید ہوئے۔

شیخ کی مشہور تصنیف کتاب التوحید اسی دوران میں تالیف ہوئی۔

میں | دعوت و تبلیغ کی ابتدائی منزلیں طے کرنے پر شیخ کو احساس ہوا کہ اس
نفری میں کہ ہر ناحیہ کا حاکم الگ ہے، کامیابی دشوار ہے، خود حریملا میں دو خاندان
اری کے لئے دست بہ گریبان تھے، ان حالات میں کوئی موثر قدم اٹھانا مشکل
انھوں نے پورے نجد کو ایک حاکم کی امارت اور ایک جھنڈے کے نیچے جمع کرنے کا
ہ کرلیا، وہ سمجھتے تھے کہ کسی امیر (حاکم یا صاحب نفوذ و قوت) کی ہمدردی حاصل
غیر دعوت کو دور و نزدیک جلد از جلد پھیلانا آسان نہیں، ان خیالات کے پیش نظر
ں نے عثمان بن حمد بن معمر، امیر عیینہ سے خط و کتابت کی، امیر کو قبول حق پر آمادہ

صفحہ ۲۰۰ کا) وادی حنیفہ اور یمامہ کہلاتی ہے، یہ قصبات اسی وادی میں واقع ہیں جو نجد کے قلب
ثیت رکھتے ہیں، آلوسی نے تاریخ نجد (ص ۶ - ۲۶) میں بلاد نجد کا مفصل جغرافیہ دیا ہے، مختصر طور پر یہ
کہ نجد کے تین بڑے حصے ہیں (۱) شمالی مغربی حصہ، جس کا نام شمر ہے اسکے مشہور شہر حائل اور القصر ہیں (۲)
مشرقی حصہ جس کا نام القصیم ہے اسکے مشہور شہر عنیزہ اور بریدہ ہیں (۳) جنوبی حصہ جو العارض کہلاتا ہے
مشہور شہر ریاض ہے، جو آج حکومت سعودیہ کا پایۂ تخت ہے،

۱: عثمانی حکومت کے دور میں ملک کی تقسیم، انتظامی سہولت کے لحاظ سے ان چار حصوں میں کی جاتی تھی۔
(صوبہ) لوآء (کمشنری) قضاء (ضلع) ناحیہ (تحصیل یا سب ڈویژن) عارض کا شمار ناحیہ میں تھا۔

Marfat.com

پاکر وہ خود بھی عینیہ منتقل ہو گئے، امیر نے اچھی طرح آؤ بھگت کی اور شیخ کو سر آنکھ
بٹھایا۔

عثمان کی امداد کے سہارے شیخ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کھلم کھلا
دعوت دینا شروع کی، اس علاقہ میں بعض درختوں کی توقیر کی جاتی تھی، انھیں بیخ و بن
سے اکھاڑ پھینکا، زید بن خطاب کے نام سے ایک قبر تھی اور اس پر قبہ، اس کا بھی خاتمہ
کیا، امیر ابن معمر کو نماز باجماعت کے اجبار کی تاکید کی، اور متخلفین کے لئے سزائیں تجویز
حکام قسم قسم کے ٹیکس وصول کرتے تھے، شیخ نے تمام ٹیکس اڑا دیے اور صرف زکوٰۃ
وصول کرنے پر آمادہ کیا اور شرعی حدود کا نفاذ بھی شروع ہو گیا۔ شیخ نے ابن معمر کے
سے یہ دو کام اچھے کرائے، اس پر بھی ان کے دشمن طرح طرح کے الزامات دیتے تھے۔

درعیہ میں ۱۱۵۷ھ | عینیہ میں کامیابی قدم لینے کو تھی اور اصلاح کی مہم مکمل ہوتی جارہی
کہ قدرت نے ایک شر پیدا کیا، جس میں ہزاروں برکتیں پنہاں تھیں۔ احساء کے حاکم ا
اس کے حواریین کو یہ تبدیلیاں بری لگیں، اس نے ابن معمر کو کہلا بھیجا۔

"اس فقیہ کو قتل کردو، ورنہ تمہارا سالانہ خراج ہم بند کئے دیتے ہیں" خراج
کی مقدار ۱۲۰۰ دینار تھی، عثمان میں نہ حاکم احساء سے لڑنے کی طاقت تھی، نہ شیخ کو اپنے
گھر میں تہ تیغ کرنے کی جرأت، اس نے شیخ کو اطلاع دی کہ ہم سلیمان حاکم احساء سے
لڑنے کی سکت نہیں رکھتے" شیخ نے کہا:۔

"اگر تم میری پشت پناہی کرتے ہو، تو سارا نجد تمہارے قدموں کے نیچے ہے"
اس پر بھی عثمان تیار نہ ہوا اور شیخ کو عثمان کے ایک سپاہی کی ہمراہی میں، اس کے
حدود اقتدار سے باہر چلا جانا پڑا۔ ابن معمر کے حدود اقتدار سے نکل کر شیخ نے درعیہ میں

پناہ لی، جہاں امیر محمد بن سعود کی ریاست تھی جو ابن عبدالوہاب کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے سے پہلے بھی حسن اخلاق میں مشہور تھا، ایک خوش بخت انسان عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن سویلم کے گھر مہمان ہوئے، بیچارہ عربی اخلاق سے مجبور ہو کر کچھ نہ بولا، پر امیر کے خوف سے اس کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ شیخ نے نصیحت کی اور تسکین دی اور امیر کی رضامندی کی امید دلائی۔

محمد بن سعود کی معاونت ابن سویلم کے گھر ٹھہرے، تو وہ دعوت توحید کا مرکز بن گیا۔ لوگ چھپ چھپ کر آنے لگے، اہل علم خاص طور پر مستفید ہوتے، لیکن یہ صورت قابل اطمینان نہ تھی۔ شیخ نے امیر سے سلسلہ جنبانی کرنا چاہی، اور امیر کے بیٹے مشاری اور ثنیان سے گفتگو کی، انہوں نے پہلے امیر کی بیوی موضی بنت ابی وحطان سے، جو نہایت ذی فہم اور متدین عورت تھی، شیخ کے علم و فضل کی تعریف کی اور اسے امیر سے سلسلہ جنبانی پر آمادہ کیا۔ قدرت کو یونہی کرنا تھا، راہ بھی کھل گئی موضی کے دل میں خود بخود شیخ کی ہیبت بیٹھ گئی، اس نے امیر سے عرض کی:۔

"اللہ نے یہ نعمت تمہارے ہاں بھیج دی ہے، اس کی مدد کرو، تمہاری دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی۔"

امیر محمد بن سعود کے دل میں بھی شیخ کی محبت اتر گئی، اور سب کے مشورہ سے شیخ سے ملنے میں اس نے خود پہل کی اور اخلاق و عقیدت سے پذیرائی کی۔ شیخ نے جواب میں اپنی دعوت کے اہم حصوں (کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، جہاد) پر مختصر سی تقریر کی اور اہل نجد کی برائیوں سے آگاہ کیا اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔

Marfat.com

امیر متاثر ہوا اور بے ساختہ بول اٹھا:۔

" اے شیخ! یہ تو بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین
" ہے، میں آپ کی امداد اور مخالفین سے جہاد کے لئے تیار ہوں۔ لیکن میری دو شرطیں
" ہیں: (۱) اگر ہم نے آپ کی امداد کی اللہ نے ہمیں فتح دی، تو آپ ہمارا ساتھ نہ
" چھوڑیں (۲) اہل درعیہ سے فصل کے وقت خراج لیتا ہوں۔ آپ مجھے اس سے
" نہ روکیں"

شیخ نے جواب دیا۔

"پہلی شرط بسر و چشم منظور ہے (الدم بالدم والھدم بالھدم: میرا تمہارا زندگی بھر کا ساتھ ہے)، رہی دوسری شرط، سو انشاء اللہ، تمہیں فتوحات میں اتنی غنیمتیں ملیں گی کہ اس خراج کا خیال بھی دل میں نہیں آئے گا"

امیر نے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عہد کیا، جہاد اور کتاب و سنت کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنے کی آمادگی ظاہر کی۔ یہ ۱۱۵۸ھ کا ذکر ہے، امیر کا بیعت کرنا تھا کہ جوق جوق لوگ استفادہ اور تجدید ایمان و اعمال کے لئے آنے لگے، عینیہ کے پرانے فیض یافتہ اور ہم نشیں، جن کے دلوں میں شیخ کی دعوت گھر کر چکی تھی، درعیہ آ گئے، ان آنے والوں میں خود عثمان بن معمر، رئیس عینیہ کے بعض عزیز بھی تھے۔

ابن معمر کی زود پشیمانی

دعوت کی روز افزوں عمومیت اور مقبولیت کی خبر پا کر ابن معمر سے نہ رہا گیا، اسے اپنے سابق طرز عمل پر بڑی پشیمانی ہوئی اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی ساتھ ساتھ عینیہ واپس چلنے کی درخواست بھی کی شیخ نے جواب میں صاف کہا۔

"اب یہ امیر محمد بن سعود کے اختیار میں ہے، ان کی اجازت ہو، تو تیار ہوں

Marfat.com

ورنہ" انھیں چھوڑ کر کسی دوسرے کی رفاقت اب منظور نہیں"۔

یہ واضح جواب پاکر ابن معمر نے خود میزبان امیر ابن سعود سے اجازت طلب کی، لیکن وہ اس نعمت کو اپنے گھر سے کسی دام پر الگ کرنے کو تیار نہ تھے۔

۱۱۵۷ھ کے بعد دورِ عمل ۴۴-۱۷۴۳ء

شیخ کی تشریف آوری سے پہلے درعیہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا، جہاں جہالت کی گرم بازاری تھی۔ شیخ نے سب سے پہلے درس و وعظ کے حلقے قائم کئے اور خود صبح سے شام تک آنے والوں کو کتاب و سنت کی تعلیم دیتے، اور اپنی دعوت، دعوتِ توحید، واخلاص فی عبادۃ اللہ، کے اہم اجزا ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے۔ شیخ کی جاذب شخصیت اور دعوت کی سچائی نے فوری اثر دکھایا۔ مجالس وعظ و تذکیر سے یہ فائدہ پہنچا، کہ دلوں سے "ما الفینا علیہ آباءنا" کا زنگ دور ہونے لگا اور رسم و رواج کی خرافات کو وہ صرف قرآن وحدیث کی روشنی میں دیکھنے لگے۔

ان مجالس کی کشش دور دور سے تشنگانِ علم کو درعیہ لے آئی، کبھی کبھی شاگردوں اور عقیدت مندوں کی زیادتی اور ان کی میزبانی کے باعث شیخ کو مقروض ہونا پڑا، پر دعوت میں روز بہ روز ترقی ہوتی رہی، اور آنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔

دعوت کی وسعت

اہل درعیہ تو شیخ کے آتے ہی عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے، لیکن وہ اس پر قانع نہ تھے۔ نجد کے مختلف علاقوں اور ان کے سرداروں کو ترغیب دیتے۔ یمن اور شام تک دعوت پہنچانے کی کوششوں میں لگے رہتے۔ آہستہ آہستہ ثمرات نمودار ہونے لگے ۱۱۵۸ھ میں امیر عینیہ نے درعیہ آکر بیعت کی اور حدود شرعیہ کے نفاذ کا عہد کیا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد اہل حریملا نے بھی بیعت کی۔ ادھر امیر محمد بن سعود کی معاونت کا یہ عالم تھا، کہ خمس اور زکاۃ کی تمام رقمیں شیخ کے ہاتھ میں دی جاتیں

Marfat.com

اور وہ انھیں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے، امیر ابن سعود اور ان کے بیٹے امیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود۔ جو ۱۱۷۹ھ ۱۷۶۶ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد جانشین ہوئے ــ شیخ کی اجازت کے بغیر ادنیٰ تصرف روا نہیں رکھتے۔ با ایں ہمہ شیخ کی للہیت کا یہ عالم تھا، کہ اپنے پاس ایک حبہ نہ رکھتے، اور جو کچھ آتا، سب اللہ کی راہ میں صرف کر دیتے۔

ابن دواس اور دوسرے مخالف

درعیہ کی اقامت کے تیسرے سال (۱۱۵۹ھ) دھام بن دواس حاکم ریاض کی زیادتیوں نے شیخ اور امیر کو اپنی طرف متوجہ کیا، ریاض اور منفوحہ کے موحدین کو اس نے محض اتباع شیخ کے جرم میں سزائیں دیں۔ مجبوراً امیر محمد بن سعود کو جنگ کرنا پڑی، جس کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا اور آخر پچیس تیس سال کی مسلسل چھیڑ چھاڑ کے بعد ۱۱۸۷ھ ۱۷۷۳ء میں ریاض پر امیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود کا قبضہ ہوا۔

اسی دوران میں آس پاس کی دوسری طاقتیں بھی حملہ آور ہوئیں، عثمان بن معمر نے بار بار دھوکا دیا۔ اہل نجد اور شیخ کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر مخالفوں نے اوچھے ہتھیار استعمال کرنا شروع کئے، سلیمان بن محمد بن سحیم نے شیخ پر بہتان طرازیاں کیں اور ان کی طرف رنگ برنگ کی برائیاں منسوب کیں۔ دوسری جانب چھوٹے چھوٹے علاقوں کے رئیس، اپنی خود مختاری کے بچاؤ کی خاطر، ان افترا پردازوں کا ہاتھ بٹانے لگے۔

پر ان تمام رکاوٹوں کے باوجود دعوت کا حلقہ وسیع ہوتا گیا، اور مطوع[۱] درعیہ سے

---

[۱] :- نجد کی زبان میں معلم و مبلغ کو مطوع کہتے ہیں، مطاوعہ جمع کا صیغہ بکثرت آتا ہے، "موحدین" کی نئی برادری اخوان میں بھی مبلغین کی جماعت مطاوعہ کہلاتی ہے۔

Marfat.com

ر نجد کے تمام علاقوں میں پھیل گئے، تا آنکہ کم از کم قلب جزیرہ میں رسول کریم (صلی اللہ
علیہ وسلم) کی تعلیمات اپنی اصلی صورت میں جلوہ گر ہو گئیں۔

وفات | شیخ نے پچاس ساٹھ سال مسلسل دعوت و تبلیغ کے بعد ذی قعدہ ۱۲۰۶ھ
(۱۷۹۲ء) میں رحلت کی۔ دنیا و مافیہا سے بے نیاز، عجیب پاک باز ہستی تھی۔ کم لوگوں
کو زندگی میں ایسی مقبولیت حاصل ہوئی ہوگی۔

اولاد و احفاد کا ایک سلسلہ بلکہ سلسلۃ الذہب ہے جو اب تک جاری
ہے خدمت دین و علم میں مصروف ہے، جس طرح شیخ کی جائے سکونت و ولادت
بلد الشیخ کے نام سے مشہور ہے، اسی طرح ان کی اولاد آل الشیخ کہلاتی ہے
یہی ان کا نسب ہے۔

(۳)

سیاسی برتری | شیخ کی دعوت کے ساتھ ساتھ آل سعود کا نام بھی وابستہ ہو گیا
۔ اس لئے ہم اجمالی طور پر آل سعود کی تاریخ کے ان اہم حصوں کو پیش کر دینا چاہتے
ہیں جن کا اس تحریک سے خاص اور بلا واسطہ تعلق ہے، شیخ کی زندگی میں اور ان کی
وفات کے بعد نجد اور اطراف نجد میں جو خوش گوار تبدیلیاں ہوئیں، وہ سب نتیجہ
تھا، شیخ الاسلام کی دعوت اور ان کے اخلاص کا، حقیقت یہ ہے کہ شیخ نے
اہل نجد کی زندگی عقائد۔ اخلاق میں ایک غیر معمولی اصلاح نہیں، بلکہ کایا پلٹ کر دی
خوش قسمتی سے شیخ کو محمد بن سعود (م ۱۱۷۹ھ / ۱۷۶۶) عبد العزیز بن محمد سعود (۱۱۷۹ھ / ۱۷۶۶ -
۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳) اور سعود بن عبد العزیز (۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ - ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴) جیسے اولوالعزم مجاہد
فرماں روا ملے، جنہوں نے شیخ کے کام کی تکمیل میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔
یہ انھیں کی مسیحا نفسی کا کرشمہ ہے، کہ آج بھی نجد کی دینی حالت دوسرے

مسلم علاقوں سے ہزار گو نہ بہتر ہے، اور کم از کم یہ دنیا کا ایک ایسا خطہ ہے، جہ
شرعی حدود بے کم وکاست نافذ ہوتے ہیں۔

محمد بن سعود | (ا) امیر محمد بن سعود (— م ۱۱۷۹ھ / ۱۷۶۶ء) نے دعوت کے پھولتے
ہی حرمین کو ایک وفد بھیجا، جس نے شریف مسعود بن سعید (۱۱۴۶ھ / ۱۷۳۳ء — ۱۱۶۵ھ / ۱۷۵۲ء)
حج کی عام اجازت طلب کی اور علمائے حرمین سے مختلف فیہ مسائل پر گفتگو کی۔ "مف
حرم" کا رویہ افسوس ناک رہا اور ان کے فتوی کے بموجب وفد کے اراکین گرفتا
کرلئے گئے، بعضوں نے مشکل سے اپنی جان چھڑائی، شریف مسعود کے اس رویہ
بعد پھر اس کے دور میں امیر بن سعود نے زیارت حرمین کی کوشش نہیں کی۔

عبدالعزیز بن محمد بن سعود | (ب) مساعد کے بعد اس کا دوسرا بھائی احمد بن س
مقرر ہوا، (۱۱۸۴ھ / ۱۷۷۰ء) تو امیر درعیہ نے علماء کا ایک وفد بھیجا، جس نے علماء مکہ سے
اور انھیں مطمئن کرنے کی کوشش کی، لیکن اس نے بھی حج کی اجازت نہ دی، اس
کے سرگروہ نجد کے مشہور عالم شیخ عبدالعزیز الحصین تھے، ان کے ساتھ امیر مح
ہدیے اور تحفے بھیجے تھے، نیز خود شیخ الاسلام نے دست خاص سے لکھ کر ایک
تھا، جس میں اپنی دعوت کی توضیح کی تھی۔

(ج) ۱۱۸۶ھ / ۱۷۷۳ء میں سرور بن مساعد نے مکہ مکرمہ کی گورنری حاصل کی،
اہل نجد نے سلسلہ جنبانی کی، اس نے اذن حج کے معاوضہ میں اہل ایران کی
ان سے بھی نذرانہ حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن موحدین نے رشوت دے
کرنا قبول نہ کیا۔

(د) سرور بن مساعد کی وفات (۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۸ء) کے بعد اس کا بھائی غال

مقرر ہوا، تو اس نے ۱۲۰۴ھ (۱۷۹۰ء) میں، یعنی شیخ کی وفات سے دو برس پہلے عبدالعزیز بن سعود سے دریافت حال کے لئے ایک نجدی عالم کی فرمائش کی، جو شیخ کی دعوت سے پوری طرح باخبر ہو۔ امیر ابن سعود نے قاضی عبدالعزیز بن عبداللہ الحصین کو شیخ کا خط دے کر روانہ کیا، شریف غالب قبول دعوت پر مائل تھا، لیکن فقہاء نے منع کیا اور نجدی اقتدار کے ہوتے نے اسے قبول حق سے باز رکھا، جس کا خمیازہ تمام دنیائے اسلام کو بھگتنا پڑا۔

(ہ) ۱۲۱۱ھ میں شریف غالب والی مکہ مکرمہ نے امیر عبدالعزیز سے پھر ایک نجدی عالم کی فرمائش کی، جو حرم شریف کے عالموں سے مختلف فیہ مسئلوں پر دو باتیں کر سکے، عبدالعزیز نے شیخ احمد بن ناصر بن عثمان حنبلی کو ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا۔ فریقین میں خوب خوب مناظرہ ہوا، حرم کے عالموں کی طرف سے عبدالملک حنفی پیش پیش تھے، وعظ و بحث کی یہ مجلسیں رجب ۱۲۱۱ھ (جنوری ۱۷۹۷ء) میں منعقد ہوئی تھیں، شیخ احمد بن ناصر کے جوابات ایک رسالہ کی صورت میں چھپ گئے ہیں۔

(و) یوم شنبہ ۸ محرم الحرام ۱۲۱۸ھ (اپریل ۱۸۰۳ء) کو سعود بن عبدالعزیز مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوا، تو بقول ایک پادری (**Hughes**) کے

”حرم کی تقدیس کے باعث باشندوں کو ادنیٰ گزند نہیں پہنچا اور اہل نجد کے صاحب امر ہونے کے بعد مسجدیں اس طرح آباد اور معمور ہوئیں کہ عہد نبوت کے بعد بلاد اسلام میں طاعت و زہد کی یہ مثال پھر دیکھنے میں نہیں آئی۔“

(ڈکشنری آف اسلام صفحہ ۶۶۰)

(ز) عبدالعزیز بن محمد بن سعود ایک ایرانی شیعہ کے ہاتھ، عصر کی نماز پڑھتے ہوئے

Marfat.com

شہید کئے گئے، (۱۸ رجب ۱۲۱۸ھ = ۴ نومبر ۱۸۰۳ء) اس وقت عبدالعزیز کی عمر ۸۲ سال کی تھی، جو یکسر جہاد و خدمت میں بسر ہوئی۔

سعود بن عبدالعزیز | (ح) سعود بن عبدالعزیز (۱۲۱۸ھ ۱۸۰۳ء تا ۱۲۲۹ھ ۱۸۱۴ء) کے دور میں مصریوں اور ترکوں سے جنگ[۱] و پیکار کا سلسلہ جاری رہا اور اس دوران میں بڑے معرکے ہوئے اور افسوس ناک واقعات پیش آئے اس سلسلہ میں نجدی اور ترکی فوجوں کا باہمی فرق اور طرز عمل معلوم کرنے کے لئے ایک مصری مورخ کا بیان نقل نامناسب نہ ہوگا۔

جبرتی ۱۲۲۶ھ کے حوادث کے ضمن میں مصری نجدی جنگ کا ذکر کرتے ہوئے ایک مصری فوجی افسر کا بیان نقل کرتا ہے۔

ہمیں فتح کیسے نصیب ہو؟ ہماری فوج کا بڑا حصہ بے دین ہے اکسی آئین کی پابندی نہیں۔ بکس کے بکس مسکرات سے بھرے ہوئے ساتھ ہیں۔ ہماری چھاؤنی میں اذان سنائی نہیں دیتی نہ فرائض کی پابندی ہے؛ ان کے دلوں میں دین اور شعائر دین کا خیال بھی نہیں آتا۔

---

[۱] یہ لڑائیاں زیادہ تر ۱۲۱۸ء سے ۱۲۳۴ھ تک ہوئیں، اشراف مکہ نے پہلے طرح دی، پھر وہ چھڑ گئی، آستانہ سے لگائی رہی، درمیان میں صلح بھی ہوئی اور نجد سے علماء کے وفود بھی آتے رہے، کبھی ایسا ہوا کہ عرصہ تک اہل نجد کو حج سے روک دیا گیا لیکن سخت معرکے دراصل مصریوں ہی کے ساتھ پیش آئے، باب عالی نے تنگ آکر محمد علی پاشا خدیو مصر کو اہل نجد کی "سرکوبی" پر مامور کیا (۱۲۲۶ھ ۱۸۱۱ء) "سانپ مرا اور لاٹھی نہ ٹوٹے" کا موقع پر کہا گیا ہے۔ محمد علی پاشا اور ان کے صاحبزادوں ابراہیم اور طوسون نے خوب خوب کارہائے نمایاں انجام دے۔ افسوس کہ امرائے نجد کی تاریخ اور جنگوں کی تفصیل اس خلاصہ کی گنجائش سے باہر ہے ورنہ کچھ عرض کرنے کی جرأت ہوتی۔

"اور یہ قوم (یعنی نجدی۔ عربی تعبیر والقوم ہے) وقت ہوتے ہی اذان دیتی ہے ایک امام کے پیچھے خشوع اور خضوع کے ساتھ صف بندی کرتی ہے۔ اگر جنگ کے اثنا کہیں نماز کا وقت آگیا، تو موذن فوراً اذان دیتے ہیں اور نماز خوف پڑھتے یعنی جماعت آگے بڑھتی ہے، پھر دوسرا گروہ نماز کے لئے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور ہماری سپاہ حیرت سے منہ تاکتی ہے، ان بیچاروں نے دیکھنا تو درکنار، سنا بھی نہیں

فھم لم یسمعوا بہ فضلاً عن رؤیتہ" (جلد ۴ ص ۱۴۰۔ حوادث ۱۲۲۷ھ)

(مطبوعہ مصر ۱۲۹۷ھ)

اس پر کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

عبداللہ بن سعود

(ط) امیر سعود کی وفات (۸ جمادی الاول ۱۲۲۹ھ = ۲۷ اپریل ۱۸۱۴ء)

اس کا بڑا بیٹا عبداللہ جانشین ہوا۔ جو اپنے باپ سے گو بہادر زیادہ تھا، لیکن حزم و تجربہ کی اس میں کمی تھی۔ مقابلہ کی تاب نہ لاسکا اور اپنے کو ابراہیم پاشا کے قدموں پر ڈال دیا، محمد علی نے اسے آستانہ بھیج دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے باب عالی سے جان بخشی کی سفارش کی تھی، لیکن قضا صحن مسجد میں لکھی تھی، ایا صوفیہ کے سامنے اسے قتل کیا گیا (۱۲۳۴ھ = ۱۷ دسمبر ۱۸۱۸ء) اس کے ساتھ ساتھ خاندان کے دو دیگر رکن بھی تہ تیغ کئے گئے۔

(ی) ابراہیم پاشا اور مصریوں کا نجد سے براہ راست تعلق جنگ کے بعد گویا ختم ہو گیا لیکن مصری فوج اپنی "رحم دلی" اور "مسلمانیت" کا غیر فانی نقش چھوڑ گئی۔ آخری فتح کے بعد (۱۲۳۴ھ ۱۸۱۸ء) جب کہ عبداللہ ہتھیار ڈال چکا تھا، محمد علی پاشا نے اپنے صاحبزادے ابراہیم پاشا (سپہ سالار) کو کہلا بھیجا کہ درعیہ (آل سعود کا پہلا پایہ تخت) برباد کر دیا

جائے، درخت اور باغات اجاڑ دئے جائیں، پھر کیا تھا، بوڑھے بچے، کمزور
سب یکساں عتاب کا شکار ہوئے۔ تمام شہر کھود کر پھینک دیا گیا اور چند ہفتہ
لہلہاتا ہوا باغ جل کر خاک بھسم ہو گیا ....

(......... ملخص از تاریخ نجد (آلوسی) صفحہ ۲۴-۲۶) یہ وہ درعیہ ہے، جو
کے قیام سے پہلے (۱۱۵۷ھ) ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، شیخ کی دعوت نے اسے مر
بخشی اور آل سعود کی کوششوں اور حوصلہ افزائیوں سے تھوڑے عرصہ میں ایک
اور خوش حال شہر بن گیا۔ عثمان بن بشر نے درعیہ کی خوش حالی رونق اور
مرکزیت کا خاص طور پر تذکرہ کیا ہے اور سعود بن عبدالعزیز کے دور حکومت
چشم دید تاثرات قلم بند کئے ہیں۔

"یہ سارا کرشمہ تھا بے خبری کا۔ اللہ سے بے خبری، دین سے بے خبری، اپنے
مسلمانوں سے بے خبری، بلکہ خود اپنے نفس سے بے خبری کا۔"

عبداللہ کے ساتھ ساتھ شیخ کے تربیت کردہ اور اصلاح یافتہ نجد کی سی
برتری کی پہلی کوشش ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہم اس سلسلہ کو یہیں ختم کر کے
ہوتے ہیں۔

یہ مختصر تحریر شیخ الاسلام کی سیرت کے پہلے دو بابوں (ذاتی حالات ا
برتری) کا خلاصہ ہے، جو بالکل ادھورا ہے، خیر حالات تو کچھ آبھی گئے ہیں، لیکن شیخ
دعوت" اور تصنیفات وغیرہ کا تو بالکل ذکر بھی نہ آسکا، اصل کتاب میں یہ چیز
ملیں گی

Marfat.com

حاشیہ صفحہ ۲۲)

(۱) ص ۲۲ نجد جدید کی تاریخ کے تین دور ہو سکتے ہیں۔

(۱) درعیہ اور ریاض کے سربلندی سے لے کر ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء تک جب کہ مصریوں کے باعث ان کی قوت تتر بتر ہوگئی۔

(۲) ترکی اور فیصل کی بازیابی کی کوششوں (۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء) سے شروع ہو کر ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء جب کہ محمد بن عبداللہ آل الرشید (۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۹ء - ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء) نے حائل اور ریاض دونوں ریاستوں کو اپنے جھنڈے کے نیچے مجتمع کرلیا۔

(۳) تیسرا زریں دور ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء سے شروع ہوتا ہے، جب کہ موجودہ فرماں عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود نے آل الرشید سے ریاض واپس لے لیا۔

(بقیہ صفحہ ۱۹۲ کا)

تھے اس کے طلسم سے ساری زندگی متاثر رہی۔ یعنی وہ ساری عمر اپنے ذہن اغ کو یونانی فلسفہ کے اثر سے پورے طور پر آزاد نہ کرسکے۔ ان کی عملی زندگی میں کا بہت ہی گہرا اثر پڑا۔ وہ ضرورت سے زیادہ تصوف کی طرف مائل ہوگئے۔ طرح انہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ گوشہ تنہائی میں گذار دیا۔

Marfat.com

علامہ سید جمال الدین افغانی

(مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی مدیر برہان)

انیسویں صدی عیسوی کا ایک عظیم المرتبہ مفکر و مجاہد اسلام جس طرح کسی قو
کے افراد تاریخ پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح تاریخ بھی افراد کی تخلیق کرتی ہیں ہے انیسو
صدی عیسوی کو ہم اس لحاظ سے دنیائے اسلام کے لئے ایک مبارک صدی کہہ سکتے
ہیں کہ اس صدی میں عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں بڑے بڑے نامور مفکر ا
عظیم المرتبت علماء و زعماء اسلام پیدا ہوئے۔ جنھوں نے اپنی تحریروں اور تقریرو
سے۔ اور ان سے زیادہ اپنے خلوص۔ اور عملی جد وجہد سے مسلمانوں میں ایک فکر
و ذہنی انقلاب پیدا کر دیا۔ مسلمانوں کے اس ذہنی انقلاب کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ آ
مسلمان دنیا کے مختلف حصوں میں ایک لائق ذکر قوم کی حیثیت سے زندہ ہیں ا
بین الاقوامی سیاسیات میں نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں۔ ورنہ مغربی طاقتو
کی وسیلہ کاریاں عیسائی مبلغین کی سرگرمیاں۔ اور یورپین تہذیب و تمدن کا عا
اثر و نفوذ۔ اور خود مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت کا فقدان و انہدام۔ ان سب کا
نتیجہ یہ ہوتا کہ آج کرۂ ارضی پر مسلمان کا وجود بحیثیت مجموعی برائے نام ہی ہوتا۔

ولادت | اس وقت ان مفکرین و ابطال اسلام میں سے علامہ سید جمال الد
افغانی کا نام نامی ہمارے مقالہ کا موضوع بحث ہے۔ آپ سنہ ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۸ء
میں افغانستان کے ایک موضع اسعد آباد میں (جو کنڑ کے قریب ہے) پیدا ہوئے

Marfat.com

ماجد کا نام سید صفدر تھا جو ایران کی ایک ولایت مازندران کے رہنے والے ایرانی سپاہ میں ملازم تھے۔ اسی ملازمت کے باعث کسی کام کی وجہ سے حکومت ان کے حکم سے افغانستان آئے۔ یہاں کی ترب و ہوا ایسی موافق آئی کہ یہیں تقل قیام کر لیا اور شادی بھی کر لی۔ جمال الدین مرحوم انھیں خاتون سے پیدا ئے۔

ب وحسب | علامہ مرحوم کا تعلق مشہور محدث امام سید علی ترمذی کے خاندان سے ا۔ اس لئے افغانستان میں ان کا خاندان نہایت معظم و مکرم سمجھا جاتا تھا ۔ [۱]

لیم و تربیت | سید صفدر نہایت بیدار مغز اور روشن خیال بزرگ تھے' انھوں نے پنے ہونہار فرزند کی تعلیم و تربیت پر غیر معمولی توجہ کی ہر علم و فن کی تعلیم کیلئے اُس ۔سی نامور استاد کی خدمات حاصل کیں۔ ادھر استعداد اور صلاحیت فطری اور ہانت و ذکاوت بلا کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آٹھ برس کی عمر میں بسم اللہ ہوئی تھی ٹھارہ برس کے سن میں عربی، عقلی اور شرعی علوم و فنون کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔ ارنج کیٹنٹے کا بیان ہے کہ علامہ نے ان علوم و فنون کے علاوہ فوجی تعلیم و تربیت بھی اصل کی تھی۔

یحان پیمائی | ان علوم و فنون سے فارغ ہو کر آپ ہندوستان آئے اور یہاں ایک ۔ال مقیم رہکر کچھ یورپین علوم و فنون کا اور اُن کے اسالیب و طرق کا مطالعہ کیا۔ پھر

۱۔: سید جمال الدین مرحوم کے موضع پیدائش میں اختلاف بہت ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ سعد آباد میں پیدا ہوئے جو فارس کا ایک شہر ہے اور ہمدان کے قریب ہے۔ مگر علامہ کے شاگرد رشید مفتی محمد عبدہٗ المصری جو ہم نے اوپر تحریر کیا! اور دنیائے اسلام کے نامور مفکر و اہل قلم امیر شکیب ارسلان نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔

Marfat.com

یہاں سے حجاز چلے گئے لیکن ایک سال تک عربی ممالک میں سیاحت کرتے رہے ۱۲۷۳ھ
میں مکہ معظمہ پہونچے اور حج وزیارت کعبہ سے مشرف ہوئے یہاں سے واپس ہوکر آپ پھر
افغانستان آئے، اور مختلف مناصب پر فائز رہے۔ پھر امیر شیر علی کے عہد حکومت میں فضا
کو بھی خیر آباد کہکر آپ ہندوستان آئے۔ یہاں حکومت برطانیہ کی سخت نگرانی میں
کچھ دنوں رہنے کے بعد مصر چلے گئے۔ مصر میں چالیس دن قیام کرکے حجاز آئے۔ اور حجاز
سے ٹرکی گئے۔ یہ واقعہ ۱۲۸۷ھ کا ہے۔ یہاں چھ مہینہ قیام کرنے کے بعد مجلس معارف کے
ایک رکن منتخب ہوگئے۔ اس زمانہ میں مجلس کے صدر عالی پاشا تھے، کچھ دنوں بعد
ٹرکی کا شیخ الاسلام علامہ کا دشمن ہوگیا۔ تحریروں اور تقریروں میں علانیہ مخالفت کا
مظاہرہ ہونے لگا۔ جمال الدین بھی دبنے والے نہ تھے۔ ہنگامہ زیادہ گرم ہوا تو ترکی
حکومت نے آپ کو جلاوطن کردیا، اب آپ ۱۲۸۸ھ کے اوائل میں پھر مصر آئے۔
اسماعیل پاشا کا عہد تھا، حکومت مصر نے علامہ کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور ایکسو بیس
گنی سالانہ محض حق ضیافت کے طور پر دینا منظور کرلیا۔ علامہ کئی سال تک مصر میں مقیم
رہے۔ طلبا کو اپنے مکان میں درس دیتے تھے۔ اُن کو خطابت اور تحریر کی مشق کراتے
تھے اور سب سے بڑھکر یہ کہ اپنے لکچروں اور تقریروں کے ذریعہ عام مسلمانوں میں اور
طلباء میں دونوں میں ایک انقلابی اور آزاد ذہنیت پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔
علامہ کی لیاقت وقابلیت اور اُن کے ساحرانہ طرز خطاب وانشا نے انھیں بہت جلد
مصر کی ایک نمایاں اور ممتاز ترین شخصیت بنا دیا۔ اب حکومت کو کچھ خطرہ پیدا ہوا،
اس لئے اس نے انگلستان کے قونصل جنرل کے ایماء پر علامہ کو مصر سے چلے جانے
کا حکم دیدیا۔ چنانچہ آپ اپنے ایک ملازم ابو تراب کے ہمراہ ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء

Marfat.com

مصر کو الوداع کہکر حیدر آباد دکن آئے یہاں کے یکسالہ قیام میں ایک رسالہ فارسی
زبان میں لکھا جس میں سرسید احمد خان اور ان کے گروہ کے مذہبی خیالات کی پُر
زور تردید کی گئی تھی۔

حیدر آباد سے کلکتہ آئے۔ اور کلکتہ سے لندن چلے گئے۔ پھر کچھ دنوں قیام
کرنے کے بعد پیرس چلے گئے۔ پیرس میں ان کا قیام ۱۸۸۳ء کے آغاز سے ۱۸۸۵ء تک
رہا۔ العروۃ الوثقیٰ کا اجرا دوران قیام میں یہاں سے انہوں نے اور انکے تلمیذ رشید محمد عبدہ المصری
نے ملکر عربی زبان کا ایک ہفتہ وار پرچہ نکالنا شروع کیا جس کا نام العروۃ الوثقیٰ تھا۔
پیرس اور لندن میں قیام کرنے کے باعث ان کے تعلقات یورپ کے بڑے بڑے
ماہرین سیاسیات و ادبیات اور نامور فلاسفۂ زمانہ سے ہو گئے تھے۔ مشہور فلسفی رینان
نے ان کے متعلق لکھا ہے۔

"میں جب جمال الدین افغانی سے بات چیت کرتا تھا تو بڑے بڑے فلاسفہ
اسلام مجھکو یاد آجاتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابن سینا یا ابن رشد سے
گفتگو کر رہا ہوں"

العروۃ الوثقیٰ کے مضامین نہایت پُرجوش اور ولولہ انگیز ہوتے تھے اسکا
مقصد عالم اسلام میں ذہنی بیداری اور فکری انقلاب پیدا کرنا تھا۔ یہ پرچہ تمام
مشرقی اور مغربی ممالک میں جاتا تھا۔ مصر اور ہندوستان میں ہی اس کی اشاعت
ہوئی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ قیمتی مجلہ آٹھ ماہ میں اٹھارہ پرچے شائع کر کے ہی ختم ہو گیا۔

حاشیہ:۔ دیباچہ العروۃ الوثقیٰ ص ۹۔

Marfat.com

آخری اشاعت ذی الحجہ ۱۳۰۱ھ میں ہوئی تھی۔

۱۳۰۳ھ میں علامہ نے ایران کا رخ کیا۔ شاہ ناصرالدین قاچار کا عہد حکومت تھا، اور علامہ خود شاہ کے بلائے ہوئے گئے بھی تھے۔ یہاں حکومت کی جانب سے بڑا اعزاز واکرام ہوا۔ یہاں تک کہ اہم ملکی معاملات میں شاہ ایران آپ سے بھی مشورہ کرتا تھا۔ مگر ایران کی سرزمین بھی آپ کے لئے ناسازگار ثابت ہوئی تو آپ نے روس کا عزم کیا۔ یہاں آپ کی بڑی آؤ بھگت ہوئی، عام جلسوں میں تقریریں کرائی جاتی تھیں۔ بڑے بڑے موقر جرائد واخبارات آپ کے مضامین و سیاسی افکار اہتمام سے شائع کرتے تھے، ۱۸۹۹ء میں آپ نے پھر پیرس کا رخ کیا، ارادہ یہ تھا کہ وہاں کی عظیم الشان نمائش میں شریک ہوں، راستہ میں "میونک" میں شاہ ناصرالدین سے ملاقات ہوگئی۔ شاہ نے بیحد اصرار کیا کہ علامہ ایران چلیں۔ آپ نے پہلے تو انکار اور عذر واعتذار کیا۔ مگر بعد میں رضامند ہوگئے۔ افسوس ہے کہ اس مرتبہ بھی سید جمال الدین مرحوم نے اردگرد اصلاح طلب نوجوانوں کا بڑا وسیع حلقہ قائم کیا۔ تو شاہ کو ان کی ہر دلعزیزی سے خطرہ پیدا ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن جب کہ سید مرحوم علیل تھے۔ شاہ نے پانسو مسلح سپاہی بھیجکر آپ کو ایران کی سرحد سے باہر نکالدیا

اب علامہ بصرہ آئے۔ اور ایک مدت یہاں مقیم رہکر اصلاح کا کام کرتے رہے۔ علامہ کی سحر طرازیوں نے نوجوانان ایران کی رگوں میں حریت طلبی کا گرم خون دوڑا دیا تھا۔ اور ادھر شاہ اپنی اغیار نواز پالیسی، اور سرمایہ دارانہ نظام حکومت سے باز نہیں آتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن اسے اپنے سر سے ہی سبکدوش ہونا پڑا۔

۱۸۹۲ء میں آپ پھر لندن آئے، آٹھ مہینہ قیام کیا۔ دوران قیام میں یہاں

Marfat.com

ایک ماہانہ مجلہ "ضیاء الخافقین" شائع کرنا شروع کیا۔ یہ مجلہ عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔

لندن کے قیام کے زمانہ میں سفیر ترکی مقیم لندن کی وساطت سے سلطان عبدالحمید نے علامہ سید جمال الدین کو آستانہ آنے کی دعوت دی۔ علامہ نے بوجوہ انکار کر دیا۔ لیکن سلطان نے پھر دوبارہ بڑے اصرار کا خط لکھا۔ علامہ اس سے متاثر ہوئے۔ انہوں نے شرط پیش کی کہ اچھا! جب کبھی میں ترکی سے یورپ آنا چاہوں گا مجھکو اس کی اجازت دیدی جائے گی اور کوئی روک ٹوک نہ کی جائے گی" سلطان نے اس شرط کو منظور کر لیا، تو اب علامہ ٹرکی کے لئے روانہ ہوئے۔ قسطنطنیہ میں قیام کا انتظام کیا گیا۔ رہائش کے لئے ایک عظیم الشان اور پُرفضا مکان کے علاوہ ۷۵ گنی ماہوار بطور وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ بظاہر علامہ کو یہاں ہر قسم کا آرام تھا اور ان کی خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا تھا، لیکن ۱۸۹۶ء میں ایک جرمنی کے سیاح نے علامہ مرحوم سے ملاقات کرنے کے بعد یہ رائے ظاہر کی تھی۔

"علامہ کا یہاں کا قیام ایک طرح کی اسارت ہے جس پر سونے کی ٹیپ ٹاپ ہو رہی ہے۔"

وفات پانچ سال یہاں قیام کرنے کے بعد آپ مرض سرطان میں مبتلا ہو گئے جس سے جان بر نہ ہو سکے اور آخر کار بروز سہ شنبہ ۹ مارچ ۱۸۹۶ء کو جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انتقال کے بعد فوراً سلطان نے اپنے آدمی بھیجکر علامہ مرحوم کے کاغذات اور اُن کے مولفات پر قبضہ کر لیا جامع تشویقیہ میں نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور اس کے قریب ہی ایک قبرستان میں دفن ہوئے۔

Marfat.com

ذاتی اخلاق وعادات | علامہ جلیل القدر عالم وفاضل ہونے کے علاوہ اخلاق فاضلہ کے بھی مالک تھے ۔ خودداری ۔ اور غیرت وحمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔ فیاضی اور سیرچشمی حد درجہ تھی ۔ کھانا کم کھاتے تھے ، البتہ چار اور سگریٹ کے بہت عادی تھے ، عمر بھر مجرد رہے ۔ کبھی شادی نہیں کی ، جو بات کہتے تھے بے دھڑک اور بے خوف تردید کہتے تھے ۔ اظہار حق میں کسی بڑی سے بڑی دنیوی طاقت کا رعب داب ان کے لئے مانع نہیں ہوتا تھا ۔

تصنیفات | علامہ کتابوں کے مطالعہ کے بڑے شوقین تھے ۔ شہر بشہر اور ملک بملک پھرتے رہنے کے باوجود کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ اُن کے ساتھ رہتا تھا اور انہیں خواہ کوئی حالت ہو ، جب کبھی موقع ملتا تھا بڑے غور وخوض اور توجہ وانہماک سے مطالعہ کرتے تھے ، مختلف رسالوں اور اخباروں میں مضامین بھی کثرت سے لکھتے تھے العروۃ الوثقیٰ میں جو مقالات سپرد قلم کیئے وہ کتابی شکل میں بیروت سے شائع ہوچکے ہیں ۔ ان مضامین کے علاوہ علامہ کی اقلمی یادگار "نیچریوں کی تردید میں" ایک رسالہ ہے جو فارسی زبان میں لکھا گیا تھا ، مفتی محمد عبدہ مرحوم نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا ، اور شروع میں علامہ کے حالات وسوانح پر مشتمل ایک فاضلانہ مقدمہ بھی لکھا ۔ امیر شکیب ارسلان فرماتے ہیں کہ مرحوم نے افغانیوں کی ایک تاریخ بھی لکھی تھی " ۔[۱]

علامہ اور تحریک اتحاد اسلامی | علامہ سید جمال الدین مرحوم کے بہت ہی مختصر حالات زندگی جو اوپر بیان ہوئے ان سے آپ کو یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ علامہ نے کسی ایک ملک

---

[۱] حاضر العالم الاسلامی ج ۱ ص ۳۰۱ ۔

Marfat.com

میں زندگی بسر نہیں کی، بلکہ وہ عمر بھر ایک ملک سے دوسرے ملک میں اور دوسرے سے تیسرے ملک میں پھرتے اور سفر کرتے رہے۔ اس کی وجہ سیر و سیاحت کا شوق نہیں تھا۔ بلکہ دراصل اُن کے دردمند دل میں دنیائے اسلام کے عام انحطاط و تنزل کا بڑا رنج تھا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ہندوستان میں مغل سلطنت و حکومت کا ٹمٹماتا ہوا ایک چراغ تھا وہ بھی گل ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ ایران۔ افغانستان۔ ٹرکی۔ اور مصر میں جو اسلامی حکومتیں قائم ہیں وہ کہنے کو تو آزاد ضرور ہیں۔ لیکن یورپین سیاست کے بازیگروں نے ان کو بھی اپنی حرص و آز کا جولانگاہ بنا کر ان میں اپنا سیاسی نفوذ و اثر قائم کرنا شروع کر دیا ہے، پھر زیادہ افسوس اور شرم کی بات یہ ہے کہ یورپین حکومتیں اپنی شاطرانہ چالوں میں پوری سرگرمی اور جوش و خروش کے ساتھ مصروف ہیں۔ مگر خود اسلامی حکومتیں غفلت کی نیند سو رہی ہیں اور انہیں گویا خبر ہی نہیں ہے کہ دشمنوں نے ان کی جمعیت کو پریشان کر دینے کے کیا کچھ منصوبے قائم کر رکھے ہیں۔ علامہ بیدار مغز، روشن ضمیر، اور صاحب تدبیر و سیاست بزرگ تھے انہوں نے اسی وقت محسوس کر لیا کہ اسلام سیاسی طاقت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس اگر یورپین قوموں کی وسیسہ کاریوں۔ اور ادھر اسلامی حکومتوں کی سہل انکاریوں کا عالم بھی رہا تو اس کا نتیجہ بجز اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ یورپین حکومتیں ایک دن تمام اسلامی ممالک پر پورے طور پر قابض ہو جائیں گی! و پھر مسلمان یہودیوں کی طرح ذلیل و خوار زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائیگا۔

دنیائے اسلام کی عام زبوں حالی اور اس کے مستقبل کے متعلق ان شدید خطرات کا احساس تھا جو علامہ کو ایک گھڑی چین سے نہیں بیٹھنے دیتا تھا، انہوں نے

Marfat.com

واقعی طور پر محسوس کیا کہ مسلمانوں کے بچنے کی صورت بجز اس کے کچھ اور نہیں ہے کہ دنیائے اسلام کے تمام ملکوں میں ایک گہرا اور مضبوط رشتہ اتحاد و مواخات پیدا کیا جائے اور اُن میں جو لا مرکزیت پیدا ہو گئی ہے اُس کو فنا کر کے سب کو ایک مرکز خلافت سے وابستہ کر دیا جائے۔ بالفاظ مختصر کہا جا سکتا ہے کہ علامہ کی زندگی کا واحد مقصد اور اہم نصب العین اسلامی ملکوں میں عالمگیر اتحاد پیدا کرنا۔ اور ان کو سیاسی اعتبار سے اتنا طاقتور بنا دینا تھا کہ یورپ کی کسی حکومت کو ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے تک کی جرأت نہ ہو۔

یہی وہ عظیم الشان مقصد تھا جس کو لئے ہوئے وہ ادھر سے ادھر پھرتے رہے۔ اخبارات میں آرٹیکل لکھے۔ شہر بشہر تقریریں کیں۔ مصر اور آستانہ اور ایران میں عرصہ تک قیام کر کے درس دیا۔ اور اس طرح ان ملکوں کے نوجوانوں میں حریت فکر، استقلال وطن اور جوش عمل کی نئی اور تازہ روح پھونک دی اور اس نہج سے ایک عام اسلامی انقلاب کے لئے راہ ہموار کر دی۔ علّامہ مرحوم پر جیسا کہ عام طور پر مصلحین قوم کے ساتھ کیا جاتا رہا ہے۔ بد باطن علماء کی طرف سے الحاد و زندقہ کے فتوے لگائے گئے ان کے خلاف مخالفت و عداوت کے شدید ترین ہنگامے اٹھائے گئے۔ کئی مرتبہ انہیں قید و بند سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ اور عالم نے کسی و کس مپرسی میں جلا وطنی کی زہرہ گداز صعوبتیں بھی انگیز کرنی پڑیں لیکن اسلامی انقلاب کے اس علمبردار کے عزم و ہمت میں ذرا تنزلزل اور ضعف پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس ہوا تو یہی کہ۔

تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوق گنہ یاں سزا کے بعد

Marfat.com

...وم کے ادنیٰ سے ادنیٰ مفاد کے مقابلہ میں انہوں نے اپنے بڑے سے بڑے ذاتی مفاد کی
بھی پروا نہیں کی۔ جب کبھی اعلان حق۔ اور اظہار صواب کا موقع آیا۔ انہوں نے بےتامل
ورعواقب ونتائج سے بے پروا ہوکر اس فرض کو ادا کیا اور آفات وآلام کی حوصلہ
ںلکن شدت ایک لمحہ کے لئے بھی ان کے قدم استقلال میں لغزش پیدا نہیں کرسکی۔

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خوں چکاں
ہرچند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

اسلامی ملکوں کے علاوہ علّامہ مرحوم یورپین ممالک میں اورخصوصاً لندن
ور پیرس میں بھی کافی عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ اس کا بھی مقصد یہی تھا۔ کہ یورپ
ں رہکروہ یورپین سیاست اور اس کے پوشیدہ پہلوؤں سے واقفیت بہم پہونچائیں
دران لوگوں کی ذہنیت۔ سیاسی ارتقا۔ فکری۔ اورعام میلانات ورجحانات سے
اخبر رہیں۔ نیز جہاں تک ہوسکے باہمی تبادلۂ خیال اور مذاکرہ کے ذریعہ اسلام اور
سلمانوں کی نسبت جو غلط فہمیاں یورپ میں پھیلی ہوئی ہیں ان کو دور کریں۔

مرحوم نے مفتی محمد عبدہ کی شرکت میں جو ہفتہ وار مجلہ پیرس سے اور ماہانہ
رسالہ لندن سے نکالا تھا۔ ان کے مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ علّامہ کا نصب العین
سلام کی طرف سے مدافعت اور مسلمانوں کو سیاسی اعتبار سے دنیا میں سب سے زیادہ
طاقتور بنانے کے سوا کوئی اور چیز تھی ہی نہیں۔ فرنچ انسائیکلو پیڈیا میں مشہور مستشرق
ڈولڈزیر سید جمال الدین پر اپنے مقالہ میں لکھتا ہے۔

جمال الدین کے تمام حرکات واعمال کا واحد مقصد یہ تھا کہ اسلامی ملکوں
کو یورپین تسلط سے اور اجنبی استیلاء واقتدار سے بالکل آزاد کرالیا جائے اور پھر ان

ملکوں میں آزاد ادارے قائم کر کے انھیں اس قابل بنا دیا جائے کہ یہ اپنے داخلی کا انصرام و انتظام کسی بیرونی مدد کے بغیر خود ہی کر سکیں۔ علّامہ جمال الدین چاہتے کہ تمام اسلامی ملکوں کو خلافت اسلامیہ کے ارد گرد جمع کر دیں اور اس طرح عالمگیر اسلامی کی اساسی قائم کر دیں۔ بس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جمال الدین اپنے اور زبان سے اتحاد اسلامی کے نظریہ کے زبردست حامی اور مؤید تھے۔"[1]

علّامہ کو دنیا سے رخصت ہوئے ۸۴ سال کے قریب ہو گئے۔ لیکن غور کر و طویل مدت پہلے اسلامی ممالک سے متعلق علّامہ نے جو خطرات محسوس کئے تھے۔ آج کس طرح ایک ایک کر کے صحیح ثابت ہو رہے ہیں، کہنے کو آزاد ہیں۔ مگر جمال الدین کی روح اب بھی ان سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی!!!

پھر اس پر بھی غور کرو کہ کیا ان تمام مصائب و آفات کا بنیادی سبب نہیں ہے کہ عالمگیر اتحاد اسلامی کا وہ خواب جو اسلامی حکومتوں نے ۱۹۳۷ء میں میثاق سعد آباد کے روپ میں دیکھا تھا وہ یورپ کی مسلط کی ہوئی لعنت "وطنیت" کے سامنے ایک خواب پریشان ہو کر رہ گیا؟

سعید احمد اکبر آبادی ایم۔اے۔

---

[1] بحوالۂ حاضر العالم الاسلامی ج ۱ ص ۳۰۲۔

Marfat.com

جمال الدین افغانی

(از جناب اسلوب احمد انصاری متعلم بی۔ اے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

ماضی قریب میں ملّتِ اسلامیہ کی تاریخ سازی کا بہت بڑا حصہ جمال الدین افغانی کی گہری شخصیت سے وابستہ ہے اُنہوں نے اپنے وجدان اور بصیرتِ سیاسی سے ایک نظر میں ماضی کی سربلندی، حال کی زبوں حالی اور مستقبل کے امکانات کا جائزہ لیکر دماغ میں خلش، قلب میں حرکت اور عمل میں ذوق و شدت پیدا کی۔ اسلامی سیاست کو ایک بلند تر اور قوی تر نہج پر لانے کے لئے اپنی زبان و قلم کی پوری طاقت صرف کر دی مدبرین کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر آمادۂ عمل کیا۔ علماء کے جمود اور قدامت پسندی، تنگ نظری اور تن آسانی پر کاری ضرب لگائی۔ مسلمان سلاطین کی شہنشاہیت اور مطلقیت کے طلسم کو ایک "ضرب کلیمی" سے توڑ دیا۔ بے حس اور بے جان مشرق کو جو غیر شعوری طور پر اپنے آپ کو مغرب کی وسیع استعماریت میں جذب کرتا چلا جا رہا تھا۔ بآوازِ بلند للکار کر اس خطرہ سے آگاہ کر دیا۔ احساس اور حمیتِ قومی کی۔ جو نیم سوختہ چنگاریاں سطح کے نیچے چمک رہی تھیں، اُنہیں پوری طرح سلگا دیا۔ اور مسلمانوں کے ہیولے قومی کو گوشت و خون عطا کیا۔ اغیار کے منصوبے ایک طرف، اور اپنی غفلت اور بے حسی دوسری طرف، قریب تھا، کہ اسلامی سیاست کا رہا سہا زور بھی ختم ہو جائے۔ مگر جمال الدین افغانی کی پُر شور نوا سے شوق نے اس دھارے کا رخ موڑ دیا۔ اور اس خزاں دیدہ چمن کو پیامِ بہار دیکر اسے برگ و بار سے آراستہ کیا۔ ان کی شخصیت اور پیام کے اثرات اتنے دور رس اور آفاق گیر ثابت ہوئے، کہ انہوں نے مسلمانوں کے زاویۂ فکر و نظر میں زبردست تغیر پیدا کر دیا۔ مصر، ترکی اور ایران کے انقلابات

Marfat.com

کی تاریخ جمال الدین افغانی کی سیاسی بصیرت کا ایک پرتو ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ اپنی زندگی میں اپنے مشن کی پوری کامیابی نہ دیکھ سکے۔ مگر ان کے طریق فکر نے اسلامی ذہن میں جو تخم ریزی کی تھی۔ اُس کی دمیدگی اور بالیدگی آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ ہر ملک اور ہر قوم کی تاریخ کے پیچھے اُس زمانہ کی شخصیتیں کام کیا کرتی ہیں اسی سے تاریخی حقائق عالم وجود میں آتے ہیں۔ ذہنی اور علمی، اخلاقی اور سماجی انقلابات کی بنیاد پڑتی ہے۔ قومی فضا کا رنگ بدلتا ہے! ور اجتماعی شعور میں تیزی اور ذکاوت پیدا ہوتی ہے۔ جمال الدین افغانی کی شخصیت عالم اسلامی میں یہی درجہ رکھتی ہے۔ اور ان کے کارناموں کے ساتھ اُس زمانہ کی تاریخ کا دامن بندھا ہے اسلامی ممالک کی موجودہ سیاسی بیداری اور تنظیم کا ماخذ اُس پیام میں تلاش کیا جا سکتا ہے جسے جمال الدین افغانی کی شعلہ نوائی نے ہر سمت میں منتشر کر دیا۔

ممالک اسلامی کے سیاسی اضمحلال اور دول یورپ کے استعماری رجحانات کا تانا بانا جمال الدین افغانی کے کارناموں کا تاریخی پس منظر ہے۔ جس طرح کائنات کا ایک نظام کہن دوسرے نظام نو کے لئے جگہ پیدا کرتا ہے۔ جہاں ایک پتی پژمردہ ہونا شروع ہوتی ہے۔ اُس کے پاس ہی دوسری کونپل پھوٹ آتی ہے، ہر شکستہ درخت کو پیوند کرنے کے لئے قوی عناصر اُبھر آتے ہیں۔ اور کائنات کا نظام متوازن رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب کسی قوم میں انحطاط کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ تو دوسری قومی ترقی میں اُس پر چھا جاتی ہیں۔ اور اپنی عظمت و جبروت کا سکہ بٹھا دیتی ہیں تیرھویں صدی میں جب ہلاکو نے اسلامی تہذیب و تمدن کے مرکز بغداد کو اپنی چنگیزیت کا ہدف بنایا۔ اور اسلامی جاہ و حشم کی آخری یادگاروں کو سپرد خاک کر دیا۔ اسپین

Marfat.com

یہاں ایک عرصہ تک اسلامی علوم وفنون اور خیالات پلے اور بڑھے تھے مسلمانوں
ملت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور اُن کے ہاتھوں سے زمامِ حکومت نکل گئی۔ پھر ۱۶۰۲ء
جب ترکی کا سیاسی اقتدار جو شمعِ سحر کے مانند عرصہ سے لرز رہا تھا تنزل کی آخری
پہونچ گیا۔ تو یورپ میں استعماری خیالات پرورش پانے لگے۔ مغربیوں کے
ل میں عزائم کا طوفان موجیں مارنے لگا۔ اسلامی ممالک کی بے کسی اور بے بسی کو
کر اُن کا ولولۂ حیات تازہ ہو گیا۔ سوئی ہوئی امیدیں جاگ اٹھیں۔ جذبۂ عمل
نہیں بڑھایا اور ابھارا۔ ۱۶۵۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا آغاز ہوا۔ شروع میں
کے مقاصد زیادہ تر تجارتی تھے۔ مگر بعد میں فضا ساز گار دیکھ کر اسی کمپنی نے
ست اور حکومت کی قبا پہن لی۔ اور انگریزی قوم کی حرص و آز کے لئے نئے نئے
ن تلاش کرنا شروع کئے۔ انگریزی، فرانسیسی اور ڈچ مقبوضات کی وسعت نے
سیاست اور ملک گیری کا حوصلہ پیدا کر دیا۔ اور وہ نقوش جو ابھی تک دماغوں
دھندلے اور پھیکے تھے، گہرے اور صاف ہونے لگے۔ اٹھارویں صدی میں جبرالٹر
انگریزوں کا قبضہ ہو جانے سے مغربی استعماریت کا زور بہت بندھ گیا۔ ادھر مسیحیت
سوتے سے چونک گئی! ور اس کی تبلیغ کا سلسلہ بھی پہلو بہ پہلو چلنے لگا۔

اسی انقلابی دور میں جب کہ مغربی سیاست اور مسیحیت کے اثرات
المگیر ہوتے جا رہے تھے۔ بونا پارٹ کی فتوحات نے اِن قوموں کی انانیت کو
دمہ پہنچایا۔ اور اس بڑھتی ہوئی رفتار میں کچھ عرصہ کے لئے مزاحمت پیدا ہو گئی۔
۱۸ء میں برطانیہ نے جنوبی افریقہ میں کیپ ٹاؤن پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۱۴ء میں
روم اور مصر کی سیاست بھی اُن کے زیرِ اثر آ گئی۔ ۱۸۱۹ء میں بحرِ ہند اور بحرِ احمر کو

اپنے لئے محفوظ کر لیا۔ ۱۸۳۱-۴۰ء میں فرانس کے اثرات کو مصر سے خارج کر کے
حاکمیت کو مستحکم کر لیا۔ اگر اِن تمام قوتوں کے سیاسی پھیلاؤ کا جائزہ لیا جائے
معلوم ہو گا۔ کہ ۱۷۰۴ء سے ۱۷۹۵ء تک انہوں نے جبرالٹر، الجزائر، مرا
مقبوضات، شمالی امریکہ اور سیلون پر قبضہ کر لیا تھا۔ ۱۸۳۹-۴۲ء میں برطانیہ
کانگ کی بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔ اور اِس سے اگلے سال نیٹال پر تسلط قائم
رُوس بھی برطانیہ کی اس پیش قدمی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور اُس نے
بعید میں اپنے لئے راستہ نکالنا شروع کیا۔ اس سے برطانیہ کی آتشِ طمع اور بھڑ
اور اُس نے جزیرہ نمائے ملایا کی ریاستوں پر ہاتھ صاف کیا۔ انیسویں صدی کے
دور میں سب سے بڑی اسلامی سلطنت ترکی تھی۔ جسے برطانیہ، روس، فرا
جرمنی کی نگاہیں تاک رہی تھیں۔ اور اُن میں سے ہر ایک اپنا حصّہ بٹانا چاہ
۱۸۵۷ء کے انقلاب میں، جو ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم باب
تیموری کا ٹمٹماتا ہوا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔ اور مسلمانوں کی کشتی
جو اورنگزیب کے بعد منجدھار میں پھنس چکی تھی۔ قعرِ دریا کی نظر ہو گئی۔ ۱۸۷۶ء
ہندوستان پر برطانوی قبضہ مکمل ہو گیا۔

اس دور کے انگریزی مدبرین کی تحریریں پڑھنے سے معلوم ہوتا
برطانیہ کے توسیع مملکت کی خواہش دراصل تہذیب انسانی کی خدمت
جذبہ پر مبنی تھی۔ اُن کا مقصد مقبوضات حاصل کر کے اپنی قوت میں اضافہ
معاشی پیداوار پر قبضہ کر کے تجارت کو فروغ دینا نہیں تھا۔ بلکہ وہ چاہتے تھے
پس ماندہ ملکوں میں تمدن کی روشنی سے اجالا کر دیں۔ اور انہیں ناتراشیدہ

الت سے اونچا اٹھاکر تہذیب انسانی کے اعلیٰ معیار پر پہنچا دیں - یہ اور بات
، گر اس کی وجہ سے اُن کی استعماریت کی جڑیں مختلف حصصِ عالم میں پیوست
ں چلی گئیں۔ اور پھر اس جذبہ کے جو نتائج مقبوضہ ممالک کی ذہنی، معاشرتی اور
نی اضمحلال کی صورت میں مترتب ہوئے۔ انہیں اُن کی نیت کا کھوٹ نہیں کہا
لتا۔ قبضہ مکمل ہو جانے کے بعد پھر منظم طور سے تہذیب و تمدن کو فروغ دینے کا وقت
یعنی "تنظیمات" کا دور شروع ہوا۔ اور ۱۸۸۷ء میں پہلی کانفرنس منعقد کی گئی
انیہ کا یہ اقدام فرانس، اٹلی اور جرمنی کی نگاہوں میں کھٹک رہا تھا۔ چنانچہ
ں نے بھی شمالی اور جنوبی افریقہ پر دست درازی شروع کر دی۔

ادھر تو حکومت اور سیاست کا یہ کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ اور اُدھر دنیائے
لام پر مصیبت و ابتلا کی گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ ۱۷۶۲ء میں ترکی حکومت کی
وریوں کے خلاف احمد پاشا نے بغاوت کر دی۔ محمد علی پاشا نے مصر کو ترکی سے
اد کرا لیا۔ اور اسی وقت سے ترکوں کی سیادت کے خلاف عربوں کی تحریک بھی
وع ہوئی۔ مگر ظلمت اور نور، اندھیرے اور اجالا کا دامن بندھا ہے۔ خزاں کی آمد
ار کا پیش خیمہ ہے۔ سورج ڈوبنے کے بعد پھر ابھرتا ہے۔ قوموں کا عروج و زوال،
ا اور بقا، فطرت کا ایک لگا بندھا قانون ہے۔ اسی مایوسی اور ناامیدی، انحطاط
در انتشار کے پیچھے امید کی کچھ کرنیں چمک رہی تھیں۔ کاروانِ گم کردہ راہ کو منزل کے
ندھندلے نشانات نظر آنے لگے تھے، افق کے سامنے سے غبار ہٹنا شروع ہو گیا
ا۔ قوم کے جسدِ خاکی میں زندگی کا خون متحرک ہونے لگا تھا۔ ۱۷۷۶ء میں امریکی
آبادیوں کی جنگِ آزادی نے نیند کے ندیالوں کو چونکا دیا۔ اُس کے بارہ سال

Marfat.com

بعد انقلاب فرانس نے جو تاریخِ عالم کی ایک زبردست قوت سمجھا جاتا ہے
سے قلوب میں حرارت پیدا کی۔ اور جونہی انہیں اپنی قومی شخصیت کی تباہی کا
ہوا۔ اُن میں خودداری اور حمیت کے جذبات بیدار ہو گئے۔ ترکی اس سے
متاثر ہوا۔ اور وہاں قوم پرستوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی جس
استبدادی طرزِ حکومت کے خلاف اصلاحات کا مطالبہ کیا۔ جس کا نتیجہ ۱۸۲۶ء
سلطان محمد دوم کی "تنظیمات" کی صورت میں نمایاں ہوا۔

ممالک اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز محمدؐ بن عبدالوہاب کی تحریک
جو سرزمین نجد سے چشمۂ حیات کی طرح پھوٹی۔ اور جس نے مسلمانوں کے ریگ زا
کو سرسبز و شاداب کر دیا۔ اس چشمہ کا ایک سوتا ۱۸۴۲ء میں طرابلس میں
نے کچھ تو اپنے مخرج سے حاصل کیا اور کچھ اپنی طرف سے اضافہ کیا۔ اور اس لئے
میں زیادہ جوش اور قوت پیدا ہو گئی۔ یہ سنوسیوں کی تحریک تھی۔ ایران میں
محمدؐ علی باب کی تحریک اٹھی۔ شام میں قوم پرستوں کی جماعت ترکی کی مضمحل
سے عربوں کو آزاد کرانا چاہتی تھی۔ تونس میں خیر الدین پاشا کی تحریک چل
انیسویں صدی کے وسط میں الجیریا میں عبدالقادر کی تحریک شروع ہوئی۔
ایشیا میں رُوس کے خلاف نقشبندیہ تحریک کا آغاز ہوا۔ یہ ہلکی اور تیز لہ
عام قومی شعور کی غمازی کر رہی تھیں۔

ان مختلف تحریکات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے، کہ مغربی قو
خلاف اسلامی ممالک میں ایک عام ردّعمل شروع ہو چکا تھا جس کے مظا
ہر گوشہ میں نظر آتے تھے۔ اُس وقت افغانستان کی خاک سے اُٹھے ہو

Marfat.com

مردِ خود آگاہ نے آگے بڑھکر اسلامی مشرق کے مردہ جسم میں صورِ اسرافیل پھونک دیا۔ اس میں شک نہیں۔ کہ افغانی کی تحریک کے لئے میدان صاف ہو چکا تھا لیکن اس بنیاد پر انہوں نے اسلامی اتحاد کی جو شاندار عمارت اُٹھائی۔ وہ فی الحقیقت ان کی مساعی کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ سنوسیوں کے تبلیغی مراکز نے جنوبی افریقہ سے چین تک انکے مشن کا قومی احساس پیدا کر دیا۔ مگر یہ جمال الدین کا کارنامہ تھا۔ کہ انہوں نے بہت قلیل عرصہ میں اسلامی دنیا میں زبردست ذہنی اور عملی انقلاب کی بناد ڈال دی۔ اور اپنی "نوائے تلخ" سے ہر طرف ایک تلاطم اور جوش پیدا کر دیا۔ وہ جن حالات میں پیدا ہوئے اُن کا اقتضا ہی یہ تھا۔ کہ وہ اپنے آپ کو اس جد وجہد میں محو کر دیتے کچھ عرصہ تک تو وہ اپنے وطن مالوف میں بیٹھے افغانی سیاست کے مدّوجزر کا تماشہ دیکھتے رہے۔ قیامِ افغانستان کے زمانہ میں انھوں نے وہاں کی قومی زندگی میں حرکت پیدا کی۔ اور اصلاحات کی کوشش میں مصروف رہے۔ مگر بالآخر وہ شیر علی اور اس کے وزیر محمد رفیق سے بد دل ہو کر اپنے وطن کی سیاست سے ناامید ہو گئے! ور عالمِ اسلامی کے متعلق وہ خواب دیکھنے لگے۔ جس کی تعبیر میثاق سعد آباد کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ اس میں شک نہیں۔ کہ محمد رفیق اور شیخ کی کشمکش کا اگر کوئی خاطر خواہ فیصلہ ہو جاتا۔ تو افغانستان کی تاریخ اُن انقلابات سے پُر نہ ہوتی۔ جو خون ریزی، انتشار اور بے چینی پر منتج ہوئے۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ اس بے اطمینانی اور بدگمانی ہی سے عالمِ اسلامی میں شیخ کے شاندار کارناموں کا آغاز ہوا شیر علی نے خارجی سیاست کے رموز سے ناآشنا رہ کر انگریزوں کی مدد حاصل کی جس سے قومی سلطنت میں کمزوری پیدا ہو گئی۔ اپنے ملک کی خونریزیاں اور

کشمکش میں جمال الدین نے اپنے ارادوں اور حوصلوں کی تکمیل کے لئے کافی تجربہ
حاصل کر لیا تھا۔ انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ درباری سازشیں، انفرادی مفاد سیاسی
تدبر کا فقدان، باہمی نفاق اور کشمکش کس طرح قومی سلطنت کے لئے زہر ہلاہل
کا کام دیتے ہیں۔ اُن کے تجربہ، ایمان اور قوتِ عمل نے اُن کے پیام میں ہمہ گیری
حوصلوں میں بلندی، عمل میں شدت، شخصیت میں رفعت اور کردار میں استواری
پیدا کر دی۔

یوں تو جمال الدین افغانی کی زندگی اسلامی سیاست کے بعض اہم
پہلوؤں پر حادی ہے اور اُن کی زندگی کے واقعات کو ترتیب دینے سے اُس
زمانہ کی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔ مگر یہاں ہم صرف اُن معرکۃ آلارا اقدامات کا
ذکر کریں گے۔ جو تاریخی حیثیت سے ایک درجہ رکھتے ہیں۔ عثمانیوں کے ابتدائی
دور میں اور سترھویں صدی کے آخر تک بھی جب کہ سلطان محمد فاتح کے جانشینوں
میں کچھ سکت باقی تھی۔ یورپ کی سلطنتیں ترکی سے خائف رہیں۔ اور یورپ میں
اسلامی سلطنت کا وقار قائم رہا۔ مگر جب عثمانی سلطنت کمزور ہو گئی۔ اور عثمانی
سلاطین راگ اور رنگ میں کھوئے گئے۔ تو پھر یورپین ریاستوں میں ترکی حکومت
کے حصے بخرے کرنے کے متعلق معاہدے ہونے لگے۔ دارالسلطنت میں "جان نثاروں"
کی قوت کو اتنا فروغ ہوا۔ کہ اصلاحات کے تمام دروازے بند ہو گئے۔ یورپ کی
ریاستوں نے اس انحطاط کو مکمل کرنے کے لئے بلقان کی ریاستوں سے سازباز شروع
کر دی اور انہوں نے ترکی کی اطاعت سے منہ موڑ لیا۔ مصر میں خدیو محمد علی خودمختار ہونے
لگا۔ عرب میں وہابی تحریک نے زور پکڑا۔ روس بحرۂ اسود اور بحرۂ روم میں اپنے

Marfat.com

راستہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اُس نے آبنائے باسفورس پر قبضہ کرکے اپنے
لے خاص خاص مراعات حاصل کرلیں۔ اُدھر اُس نے اپنے آپ کو یونانی کلیسا کے
یوؤں کا حامی ظاہر کرنا شروع کردیا۔ اور عالمگیر سلافی اتحاد کا فتنہ اٹھایا۔ تاکہ
لی سلطنت کی جڑ بنیاد کو ہلا دیا جائے۔ اس تحریک کے پیچھے مذموم قومیت کا جذبہ
م کر رہا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یونان بھی ترکی کی اطاعت سے آزاد ہوگیا۔ اور
ب یونانی اپنے جنگِ آزادی میں مسلمانوں کے شہر ٹری پولیتیزا میں داخل ہوئے
انھوں نے صلیب کی خوشی میں دو ہزار مسلمانوں کو جن میں عورتیں اور بچے بھی
امل تھے تہ تیغ کردیا۔[1]

۱۸۴۰ء میں عبدالمجید کا دورِ حکومت شروع ہوا۔ میں نے ترکی قوم کی
شاۃ ثانیہ کے سلسلہ میں سلیم ثالث اور محمود ثانی کو نظر انداز کرکے عبدالمجید کا ذکر
س لئے کیا۔ کیونکہ "تنظیمات" کا دور جس میں جمہور کی بیداری کی جھلک پائی جاتی
ہے۔ اُسی کے زمانہ میں شروع ہوا۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اُن اصلاحات کا نفاذ جو
خطِ شریف" کے نام سے تجویز کی گئی تھیں۔ عمل میں نہ آسکا۔ مگر انہوں نے ترکی کی
جدید تاریخ سازی میں قوتِ محرکہ کا کام دیا۔ اور ترکوں کو اس قابل بنا دیا۔ کہ وہ
اپنی جگہ کھڑے ہوسکیں۔ اور یورپین قوموں کے خلاف مدافعت کرسکیں۔ "تنظیمات"
لے بانیوں کے ذہن میں انفرادی آزادی کا جو تصوّر تھا۔ وہ فی الحقیقت ترکی کی موجودہ
بیداری اور قوت کا سبب بنا۔ ۱۸۶۱ء میں سلطان عبدالمجید کا انتقال ہوگیا۔

---

[1]:۔ ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش۔

Marfat.com

اور سلطان عبد العزیز تخت نشین ہوئے ۱۸۶۷ء میں انھوں نے لندن و پیر
کا سفر کیا۔ اور اُن کے اس سفر کے ساتھ ترکی کی قسمت کا ستارہ بالکل ہی ڈوب
مغربی طلسم زاروں کی اُس فضا نے جہاں کا چپہ چپہ فردوس بہ داماں اور کف گلفر
ہے۔ اور جہاں ہر ہر قدم پر رنگ و بو کا اہتمام رہتا ہے۔ عبد العزیز کے دماغ کو ا
(Epicureanism) کی طرف مائل کر دیا جس کے بعد اُس کا ذہ
رموزِ مملکت کی عقدہ کشائی کا کہاں متحمل ہو سکتا تھا۔

۱۸۷۱ء میں جب کہ ترکانِ احرار کی جماعت کا سنگِ بنیاد رکھا جا
تھا۔ شیخ جمال الدین افغانی ترکی پہنچے آپ کو امورِ معارف کی اصلاح کے لئے ا
معارف میں شریک کیا گیا۔ اور انجمنِ دانش کے رکن بھی بنائے گئے۔ اُس وقت تر
میں اسلامی مدارس کی حالت بہت سقیم تھی۔ مسلمان علما رارسطو کے فلسفہ پر ج
بیٹھے تھے! ور علم کی بنیاد استدلال پر رکھی تھی۔ تجربہ اور مشاہدہ کا، جس پر اسلام نے
اس قدر زور دیا ہے۔ اور جس کی وجہ سے اسلامی تعلیمات موجودہ دور کی سائ
روح کی ہمنوا ہیں۔ اُن کے یہاں کوئی دخل نہ تھا۔ اُن کے نصاب میں جدید علو
کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی۔ وہ یہ سمجھتے تھے۔ کہ یہ علوم اصلاح و ترقی کے منافی ہ
یہی وجہ ہے۔ کہ اسلام کی سادہ فطری تعلیم اور وسعتِ نظر پر جس میں علوم طبیع
کو جذب کرنے کی زیادہ سے زیادہ صلاحیت و استعداد موجود ہے۔ جمود طار
ہو گیا۔ اسلامی درسگاہیں وقت کے مطالبہ سے بہت پیچھے پڑی تھیں۔ اردو
تعلیم اور نقطۂ نظر کی غلطی کی وجہ سے وہ اس قابل نہ تھیں۔ کہ اِن علوم کی تہذ
اور نشو و نما میں حصہ لیکر ترقی کے میدان میں آگے بڑھتیں۔

Marfat.com

جمال الدین نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی۔ اور اپنی بے نظیر فصاحت و بلاغت سے ترکی کے نوجوانوں کے دماغوں کو بیدار کیا۔ اور اس "سحر القلوب" کی آواز اسلامی ممالک کے ہر گوشہ میں پہنچنے لگی۔ مگر ترکی کے قدامت پرست علماء خصوصاً شیخ الاسلام تحسین آفندی شیخ کے اجتہاد، وسعت خیال اور وقت نظر کی تاب نہ لا سکے۔ شیخ اپنی تقاریر میں شہنشاہیت اور مطلقیت پر بھی تنقید کیا کرتے تھے، جو شہنشاہیت پسند علماء کو مشتعل کرنے کا باعث ہوئی۔ اسی دوران میں شیخ نے دارالفنون میں تقریر کی۔ اور یہی تقریر ترکی سے اُن کے اخراج کا باعث ہوئی خالدہ ادیب خانم شیخ کے متعلق لکھتی ہیں۔

> انیسویں صدی کے وسط میں مذہب اسلام میں تجدید و اصلاح کی کوشش شروع ہوئی اور سنوسی، وہابی، بابی فرقے پیدا ہوئے۔ مگر وہ شخص جس نے سب سے زیادہ وضاحت کے ساتھ یہ ثابت کیا۔ کہ قدیم تعلیم کو کس حد تک مسلمانوں کے زوال میں دخل ہے۔ شیخ جمال الدین افغانی تھا۔ وہ افغانستان میں مدتوں سختیاں جھیلنے اور مصیبتیں اُٹھانے کے بعد اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے ترکی آیا۔ اور آتے ہی اُس نے اہل علم کو متوجہ کر لیا۔ اُس کی کوشش سے تعلیمی اصلاح کی کوشش شروع ہوئی۔ اور حکومت نے اُسے مجلس تعلیمی کا رکن مقرر کر دیا۔ وہ تعلیمیافتہ لوگوں کے مجمع میں تقریریں کیا کرتا تھا۔ ترکی علماء کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ شیخ الاسلام آفندی نے اُس کی تعلیم کو شریعت اسلام کے خلاف قرار دیا۔ ۱۸۷۰ء

Marfat.com

میں شیخ جمال الدین نے پیمبروں کے معاشرتی فرائض کے موضوع پر ایک تقریر کی۔ اس نے مخالفت کی آگ کو اور بھڑکا دیا۔ شیخ ترکی سے مصر چلا گیا۔
اور علماء اپنے مدرسوں میں وہی پرانے سبق رٹاتے رہے"[۱]

ترکی سے خارج البلد ہونے کے بعد شیخ مصر آئے۔ جہاں وہ ۲۲ مارچ ۱۸۷۱ء کو پہنچے۔ اُس وقت مصر میں خدیو اسمٰعیل برسرِ حکومت تھا۔ جس کی بے اعتدالیوں نے مصری حکومت کو تباہ کر ڈالا تھا۔ مصر پر قومی قرضہ کا بار بڑھتا جاتا تھا۔ رعایا پریشان اور مضطرب تھی۔ تجارت اور صنعت نہایت کس مپرسی کی حالت میں تھی خدیو انگریزوں کے اشاروں پر رقص کر رہا تھا۔ جو اُس کے ذریعہ مصر کا خون چوس لینا چاہتے تھے۔ خدیو کی خواہش صرف یہ تھی۔ کہ اُسے اپنی عیاشیوں کے لئے کافی روپیہ ملتا رہے۔ اُسے قومی مصائب سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ اس کی روح بدمستی سے چور تھی۔ وہ رقص و موسیقی کا دلدادہ تھا۔ ریاست کی کشتی اُس کے سامنے ڈوب رہی تھی۔ اور وہ ساحل پر کھڑا اس طوفان اور تلاطم کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اُس نے ملک کے وسائل دولت کو سخت نقصان پہنچایا۔ اس زمانہ میں نہر سوئیز کا افتتاح ہو گیا۔ اور یورپین سیاست پوری طرح مصر پر حاوی ہو گئی ۱۸۷۵ء اور ۱۸۸۰ء کا درمیانی زمانہ مصری قوم پر بہت کٹھن گذرا۔ اس وقت شیخ نے مصری قوم کو مطالبۂ حقوق اور عزتِ نفس کا سبق پڑھانا شروع کیا۔

ترکی بھی اُس وقت بسترِ مرگ پر پڑا ہوا تھا۔ روس کی فوجیں قسطنطنیہ کے دروازہ پر اس "مریض جاں بہ لب" کے دمِ واپسیں کا انتظار کر رہی تھیں۔ برلن میں

---

[۱]:۔ ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش۔

دول یورپ کی خفیہ کانفرنس اسلامی ممالک خصوصاً ترکی اور مصر کی قسمت کا فیصلہ کر چکی تھیں۔ قبرس پر برطانوی قبضہ تسلیم کیا جا چکا تھا۔ فرانس کو تونس پر قبضہ کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ شام میں فرانس کے حقوق کو برطانیہ نے قبول کر لیا تھا۔ مصر میں داخل ہوتے ہی جمال الدین کے فضل و کمال کا شہرہ تمام اطرافِ ملک میں پھیل گیا جامعہ ازہر کے طلباء نے شیخ سے درخواست کی۔ کہ وہ مستقل قیام کا ارادہ کر لیں۔ تاکہ وہ اُن کے خیالات سے استفادہ کر سکیں شیخ نے یہاں بھی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور اپنی تحریک کے لئے فضا تیار کرنے کی غرض سے نوجوان مصری طبقہ کے خیالات کی تہذیب کرنا شروع کی۔ تاکہ وہ اُس انقلابی مشن کو جامۂ عمل پہنا سکیں جو جمال الدین کے دماغ میں پرورش پا رہا تھا بلنٹ نے اس کے متعلق لکھا ہے:۔

"جمال الدین کی ذہانت و جدّت یہ تھی۔ کہ انہوں نے اسلامی ممالک میں مغربی خیالات رکھنے والوں کی ذہنیت کی اصلاح کی کوشش کی اور اس امر کی تبلیغ و تلقین کی۔ کہ اسلام کی موجودہ حالت پر نظرِ ثانی کی جائے۔ اور بجائے ماضی سے لپٹے رہنے کے جدید علوم کے ساتھ پرانی تہذیب کے بدلنے کی تحریک کو آگے بڑھایا جائے۔ قرآن و حدیث سے اُن کی وسیع واقفیت نے اُن کو اس کا موقع دیا۔ کہ وہ یہ بتائیں۔ کہ اگر قرآن و حدیث کے صحیح معنی پر غور کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ درحقیقت قرآن کے اندر وسیع تغیرات کی گنجائش موجود ہے .... اسلام ہر زمانہ میں انسانوں کی تمام ضروریات کا کفیل ہونیکا قائل ہے۔ اور عہدِ جدید کی تمام ضروریات کو پورا کر سکتا ہے۔ علماء کے

Marfat.com

تخیّل اور ضمیر کو وہ اُن زنجیروں سے آزاد کرانا چاہتے تھے۔ جن میں یہ لوگ صدیوں سے جکڑے پڑے تھے۔ اور بتانا چاہتے تھے۔ کہ اسلام ایک مردہ قالب نہیں ہے۔ بلکہ اُس کے اندر اتنی لچک ہے۔ کہ وہ ہر زمانہ کی بدلتی ہوئی ضروریات کا کفیل ہو سکتا ہے۔ . . . . مصر کی اِس ذہنی اور اخلاقی تاریکی کی حالت میں جمال الدین کی تعلیمات ایک عجیب روشنی لیکر ہویدا ہوئیں"۔[1]

شیخ کی تعلیمات نے ازہر کے نوجوانوں پر بڑا اثر ڈالا۔ اور وہ اُنکے معاونین بن گئے۔ اُن کے جوشِ عمل اور شدّتِ ذوق نے چند ہی روز میں مصر کی قومی زندگی کا نقشہ بدل دیا۔ اور شیخ نے عوام کی عروقِ مردہ میں جو تحریک پیدا کی تھی۔ اُسے اور تیز کر دیا۔ مصر میں شیخ نے بہت سی انجمنیں قائم کیں۔ اور اخبار نویسی اور اخبار بینی کا ایک عام شوق پیدا کر دیا۔ شیخ اخبار نویسی کو جمہور میں بیداری پیدا کرنے کے لئے لابدی سمجھتے تھے۔ اور اُن کا خیال تھا۔ کہ کوئی قومی تحریک اُس وقت تک سرسبز نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اُس کے پیچھے پریس کی طاقت نہ ہو۔ اور پوری تندہی کے ساتھ معاشرہ کے ہر فرد کے سامنے صحیح لائحۂ عمل نہ پیش کیا جائے۔ ایک بسیط مضمون میں انہوں نے اِس کے متعلق اظہارِ خیال کیا ہے۔ جس کا ایک مختصر اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

" امّا اخبار آں یگانہ صناعت است۔ کہ موضوع آں عموم احوال و اخلاق امم و غایتش اصلاح شئونِ خویش و جلبِ سعادت و رفاہیت

---

[1]:- آثارِ جمال الدین۔

وامنیت از برائے آں بلکہ از برائے جمیع اُمم میباشد۔ از آنستکہ جریدہ مسابقت مینماید در نشر فضیلت ارباب فضائل اولاً از برائے محمدت حقہ کہ جزائے صاحب فضیلت است۔ وثانیاً از برائے حث دیگراں بر اکتساب فضائل ومبادرت بکند بذکر رذائلیکہ ضرر ہائے آنہا متعدی است بجہت کج صاحب رذیلہ وزجر سائر ناس از ارتکاب مثل آں۔ منافع اخلاق جمیلہ را بدلائل واضحہ وبیانات شافعہ بہ نہج کہ عوام از آں فائدہ گیرد۔ وخواص نیز بے بہرہ نماند۔ ہر روزہ درا عمدہ خود دا مینماید۔ و مبادی صفات خسیسہ دانیہ را ومضرت آنہا را در عالم انسانی بعبارات دلپذیر شرح وبسط مے دہد۔ فوائد علوم را از برائے عموم جہاں بیان مے کند۔ کہ ہر کسے را یقین حاصل مے شود۔ کہ سعادت ہر اُمتے ورفاہیت وعزت آں بعلوم حقہ ومعارف حقیقہ بودہ است۔ نہ بغیر آنہا۔ وخسارت وزیان جہل را بطورے تقریر مینماید کہ ہر جاہل غبی اعتراف مے کند۔ کہ ہر بلیہ ومصیبت دگر ندے کہ اورا رسیدہ است۔ از شامت جہل بودہ است درجات شرف علوم را باندازۂ منافع آنہا در عالم انسانی یقین مینماید وحقدار لوازم ہر یک را مدلل ومبرہن مے سازد تا آنکہ نادانی بجہت فائدہ زہیدہ صرف عمر گرانبہارا نکند۔ واز فائدۂ جلیلہ ایکہ از اشتغال بعلم دیگر حاصل میشد۔ محروم گردید۔ وجوب صنائع را کہ نتائج علوم است۔ در عالم مدنیت تثبیت وبہ عدم حصول رفاہیت وسعادت بدوں ترقی در صناعات براہین قاطعہ میکند۔ ومعارف ضرورہ ایکہ ہر انسان را از برائے صدق

Marfat.com

اسم انسان برا دانستنش واجب ولازم است۔ چہ اولیاتِ جغرافیہ وچہ مبادئ طبیعیات وچہ انموزجِ فلکیات وچہ حوادث ......

وچہ لوازمِ زراعت وچہ مقتضیاتِ حرف وچہ ضروریاتِ طبیہ وچہ ترتیب منزل وچہ تنظیف بلاد۔ وچہ تربیت اولاد بہ توعیکہ عوام الناس ازاں بہرہ ورشوند۔ ذکرمیکند۔ تجدید انسان وشرحِ حقیقتِ انسان رانمودہ پس ازآں اغنیاء وارباب مکنت رابفضیلتِ انسانیت دعوت وبانشأ مکاتب عمومیہ ازبرائے علوم ومعارف وصنائع وبنائے دارالشفاء ترغیب وتشویق مینماید"[1]

برطانوی حکومت نے اسمٰعیل پاشا کو معزول کر دیا۔ اور ۲۶ رجون ۱۸۷۹ء کو خدیو توفیق نے زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ توفیق کی تخت نشینی کے بعد حقیقت بالکل بے نقاب ہو گئی۔ کہ توفیق تخت حاصل کرنے کی فکر میں قوم پرستوں کو دھوکا دے رہا تھا۔ اُس کا سارا جوش وخروش اور قوم پرستوں کے ساتھ ہمدردی اور تعاون' اپنی مقصد براری کے لئے تھا۔ چنانچہ جب وہ سریرآرائے حکومت ہوا تو اُس نے سب سے پہلے شیخ کو مصر سے خارج کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ انقلاب کا وہ پورا جو شیخ سرزمین مصر میں نصب کرنا چاہتے تھے۔ سرسبز وشاداب ہونے سے پہلے ہی سوکھ جائے۔ لیکن وہ غالباً اِس سے بے خبر تھا۔ کہ شیخ کے خیالات کس حد تک نوجوان مصریوں کے قلوب میں نفوذ کر گئے ہیں۔ اور عام معاشرتی حالات سے ہم آہنگ ہو کر کس قدر جلد یہ بجھی ہوئی آگ بھڑک اُٹھیگی !۔

---

[1]:۔ شرح حال وآثار سید جمال الدین۔

جب توفیق خدیو بنائے گئے۔ اور فرانس وانگلستان نے مصری حکومت کے اہم شعبوں پر قبضہ کر لیا۔ تو ہر طرف ایک شدید بے چینی پھیل گئی۔ اور یہ مطالبہ کیا جانے لگا۔ کہ سرکاری محکموں خصوصاً فوج میں سے یورپین عنصر خارج کر دیا جائے فلاحین کے رہنما اور نمائندے اعرابی پاشا تھے۔ جو شیخ کی تعلیمات سے متاثر ہو چکے تھے۔ انہوں نے ۸ ستمبر ۱۸۸۱ء کو قصر عابدین کے سامنے ایک زبردست فوجی مظاہرہ کرایا۔ خدیو کو مجبور کر کے شریف پاشا کو وزیر اعظم بنوایا۔ فوج کی تنخواہوں میں اضافہ کرایا۔ اور دارالامراء کا اجلاس منعقد کرانے کی اجازت حاصل کر لی۔ ۱۱ جولائی ۱۸۸۲ء کو اسکندریہ پر گولہ باری کی گئی۔ اور اس کے بعد برطانوی فوجوں نے طل الکبیر پر اعرابی کی فوج کو شکست دی۔ اِدھر تو مصر میں یہ شورش برپا تھی۔ اُدھر محمد احمد سوڈانی نے جو ۱۸۷۲ء میں قاہرہ میں شیخ جمال الدین افغانی سے آزادیٔ سوڈان کے مسئلہ پر گفتگو کر چکا تھا۔ ۱۸۸۱ء میں مہدیٔ موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اور جب ۱۸۸۲ء میں برطانوی فوجیں مصر میں داخل ہوئیں۔ تو مہدی کی فوجوں میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ۱۸۸۳ء میں جب برطانوی حکومت نے سوڈان کا تصفیہ کرنے کے لئے مصری جنرل عبدالقادر پاشا کو سوڈان سے مصری فوجیں ہٹانے کا حکم دیا۔ تو انہوں نے انکار کر دیا۔ خدیو نے جنرل گارڈن کو خرطوم کا گورنر بنا کر بھیجا خرطوم میں گارڈن کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد مہدی کا انتقال ہو گیا۔ مگر اس کا پیرو دغنہ برابر جہاد کرتا رہا۔ ۱۸۸۶ء میں کچنر خرطوم بھیجا گیا۔ ۱۸۹۱ء میں دغنہ نے آخری شکست کھائی۔ اور اس کے بعد سے مہدی کی تحریک کا خاتمہ ہو گیا۔ جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں۔ کہ سوڈان کی آزادی کے متعلق مہدی کی شیخ سے گفتگو ہو چکی تھی۔

مصر میں اعرابی پاشا کی بغاوت اور سوڈان میں مہدی کی شورش ایک ہی تحریک کے دو پہلو ہیں۔ سوڈانی کا مہدی ہونے کا دعوےٰ کرنا بھی ایک گہری حکمت عملی کا نتیجہ تھا۔ اس سے مقصد سوڈانیوں کی ہمدردی حاصل کرنا تھا۔ اور مسلمانوں کو ایک رشتۂ اتحاد میں منسلک کرکے برطانیہ کی قوت کو جو تمام اسلامی ممالک میں پھیلتی جا رہی تھی۔ دھچکہ پہنچانا تھا۔

مصر سے اخراج کے بعد ۱۸۸۳ء کے موسم بہار میں شیخ لندن پہنچے۔ اور چند ہی روز بعد پیرس چلے گئے۔ اور وہاں اخبارات و رسائل کے ذریعہ اپنے خیالات کی نشر و اشاعت میں مصروف ہوگئے۔ شیخ کے پیرس پہنچنے کے بعد شیخ عبدہٗ سعد زاغلول اور مرزا باقر ایرانی بھی جو شیخ کے معاونین میں تھے۔ اُن کے پاس آ گئے۔ ۱۸۸۳ء میں شیخ نے ہفتہ وار جریدہ عروۃ الوثقیٰ جاری کیا۔ اس کے اغراض و مقاصد کی تشریح ایک طویل تمہید کے بعد جسے ہم نظر انداز کرنے پر مجبور ہیں۔ شیخ ہی کے الفاظ میں سنئے۔

"یہ رسالہ بقدرِ امکان مشرقی قوموں کے لئے اِن ضروری کاموں کو صاف صاف بیان کریگا۔ جن میں کسی طرح بھی کمی کرنا، اُن کی بربادی اور کمزوری اور تباہی کا سبب ہے! اور اُن راستوں کی طرف علانیہ راہنمائی کرے گا۔ جن پر چلنا تلافیٔ مافات کے لئے ازحد ضروری ہے۔ نیز آئندہ مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کی صورتیں پیش کریگا۔ یہ رسالہ مشرق کے اعلیٰ طبقوں کی نگاہوں پر سے پردہ اٹھانے کی کوشش کریگا۔ اور اُن شبہات اور وہموں کو دور کرے گا۔ جن کی وجہ سے

Marfat.com

ہدایت اور کامیابی کا راستہ اُن پر ملتبس ہوگیا ہے۔ اُن کے ان وسوسوں کو رفع کریگا۔ جن کی بناء پر وہ مرض کے علاج وشفا کی طرف سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اور عام طور پر یہ سمجھنے لگے ہیں۔ کہ مصیبت اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ اور تدارک اور تلافی کا زمانہ گزر گیا۔ یہ رسالہ سمجھائیگا کہ تمام مشرقی قوموں کے لئے باہمی امداد اور اعانت کا طریقہ بہت ضروری ہے۔ اور یہی اُن کے سیاسی روابط اور وطنی تعلقات کا محافظ ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اسی طریقہ کے فقدان کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ آج قوی نے ضعیف کو دبا لیا ہے۔ یہ رسالہ اعدار مشرق کی محبت اور خیر خواہی کی اُس منقش چادر کو جو رنگارنگ ملاطفت اور نرم خوئی سے رنگین ہے۔ چاک کرکے جو کچھ پس پردہ ہے۔ اُس کو علانیہ دکھا دیگا۔ اور حریص وطماع مغرب مشرق کی تاریکی غفلت میں آہستہ آہستہ جس مخفی راہ سے چل رہا ہے۔ اُس پر کافی روشنی ڈالیگا۔ یہ رسالہ اس کی خاص کوشش کریگا۔ کہ مشرقی قوموں پر جو غلط الزامات لگائے جاتے ہیں۔ اور خاص کر مسلمانوں پر جو جھوٹی تہمتیں لگا کر اُن کو بدنام کیا جاتا ہے اُن کی اچھی طرح پردہ دری کرے۔ اور اصلی حقیقت کو سمجھائے۔ نیز بعض ناواقفوں کے اس خیال کی تردید کرے گا۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان کبھی ترقی وتمدن کی برکات سے اُس وقت تک مستفید نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ وہ انہی اصولوں پر کاربند رہیں گے جن پر آج سے سینکڑوں برس پہلے کاربند رہ کر اُن کے اسلاف نے فائدہ اٹھایا تھا۔

یہ رسالہ تمام مشرقی اقوام کو حوادثِ عامہ سے باخبر کرنے کی ہر وقت کوشش کرے گا۔ اور اُن کے متعلق سیاسی جماعتیں جو طرزِ عمل اختیار کرتی رہیں گی۔ اُن کے انکشاف اور پردہ دری سے غافل نہ ہوگا۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ تمام مشرقی قوموں کے باہمی تعلقات کی تقویت اور استحکام اور اُن کے افراد میں باہمی محبت و الفت کی تلقین کی خاص طور پر رعایت رکھے گا۔ اور اُن کے منافع مشترکہ کی تائید و حفاظت کو اپنا سب سے بڑا فرض سمجھے گا۔"

اس اقتباس پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ شیخ کے مسلک میں کس قدر وسعت تھی۔ اور ان کا نقطۂ نظر کتنا عالمگیر تھا۔ وہ افغانستان میں پیدا ہوئے مگر ان کا دل مصر، ترکی، ایران اور روس کے مسلمانوں کے لئے بھی اتنا ہی بے چین تھا۔ وہ اپنے آپ کو صرف افغانی سیاست کے اُتار چڑھاؤ تک محصور رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ انھوں نے مصر میں اعرابی پاشا کی بغاوت کی تحریک کی۔ سوڈان میں مہدی کو اُکسایا۔ ترکی میں جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں۔ ترکانِ احرار کی چھوٹی سی جماعت میں جذبۂ قومیت کو بیدار کیا۔ روس کے مسلمانوں کے لئے زارِ روس سے مراعات حاصل کیں۔ ایران میں تمباکو کی کاشت کے اجارہ کے خلاف احتجاج کر کے ایرانیوں کو قومی ہلاکت سے بچایا۔ ان کے دل میں ایک تڑپ تھی۔ قومی ادبار کی کسک اور خلش اُنہیں ہمیشہ آمادۂ عمل رکھتی تھی۔ اُن کا سینہ وفورِ جذبات سے پُر تھا۔ ہمدردیٔ نوعِ انسان کا ایک تخیّل تھا۔ جس میں ان کی روح ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ تمام مشرق کا درد اپنے قلب کی گہرائیوں میں رکھتے تھے۔ اور اُس کی آزادی اور قوت انہیں حد سے زیادہ عزیز تھی۔ ہر بڑے آدمی کا پیام

Marfat.com

ر ...تا ہے۔ جغرافیائی حد بندیاں اُس کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں اُسکا تخیّل
... تمام عالم پر حاوی ہو جانا چاہتا ہے۔ اُسے تمام اقوام عالم میں ایک روحانی
...دت اور یکسانیت نظر آتی ہے۔ وہ نسل اور رنگ کے امتیازات سے بلند ہوتا
... شیخ کی تحریک کا مقصد صرف اتحادِ اسلامی نہ تھا۔ بلکہ وہ مشرقی ممالک کو
...بی اقتدار و استحکام کے استیلائے سے آزاد کرانا چاہتے تھے۔ وہ نسل کی بنیاد پر
...ں۔ بلکہ ملت کی اساس پر یکجہتی کے قائل تھے۔ اور رنگ کے نقطۂ نظر سے نہیں
... عالمگیر اخوت کی بنیاد پر اقوامِ مشرق کو ایک لڑی میں منسلک کر دینا چاہتے۔
...۔ اُن کا اتحادِ اسلامی جارحانہ نہ تھا۔ بلکہ دفاعی تھا۔ وہ اُس عظیم خطرہ کو پوری
...ح محسوس کر رہے تھے۔ جو مغرب کے پھیلتے ہوئے اقتصادی اور سیاسی استعمار
...صورت میں مشرق کو بے دست و پا کر دینا چاہتا تھا۔ وہ جور و ظلم اور حرص
...ز کی بجائے حق اور انصاف مساوات اور اخوت کے داعی تھے۔ عروۃ الوثقیٰ
... اپنے مقاصد کے متعلق انہوں نے صریح طور سے لکھا تھا۔

"کسی کو یہ خیال نہ قائم کرنا چاہیئے۔ کہ یہ جو بار بار خاص طور پر مسلمانوں کا تذکرہ آتا ہے۔ تو اس سے مقصود صرف اُنہی کے حقوق کی حفاظت ہے اور اُن کے غیر مسلم ہموطنوں کے حقوق و مصالح کو جو صدیوں سے رشتۂ وطنیت کی بنیاد پر اُن میں باہم مشترک و مخلوط ہیں۔ نظر انداز کر دینا ہے۔ ایسا کرنا ہماری افتادِ طبیعت اور رجحان کے بالکل خلاف اور ہماری شان سے بالکل بعید ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے کی اجازت نہ تو ہم کو ہمارے دین نے دی ہے۔ اور نہ ہماری شریعت اس کو کسی طرح اور کسی

Marfat.com

حال میں جائز رکھتی ہے۔ ہماری غرض عام طور پر مشرقی قوموں کو ہشیار اور بیدار کرنا ہے"۔

شیخ کے سیاسی مضامین جو عروۃ الوثقیٰ میں شائع ہوتے تھے۔ لندن کے اکثر اخبارات میں نقل کئے جاتے تھے! اور چونکہ اُن کی تنقید کا لہجہ بہت بے ہوتا تھا۔ اس لئے مغربی سیاسیئن میں اُن کی وجہ سے بہت اضطراب پھیل انگریز اسے گوارا نہ کر سکے۔ کہ ایک شخص اُنہی کے دارالسلطنت میں بیٹھکر اُن کے ا پر حکم لگائے۔ چنانچہ انگریزی حکومت کے دباؤ کی وجہ سے اکتوبر ۱۸۸۴ء میں کی اشاعت بند ہو گئی۔ مرزا لطف اللہ خاں نے اس واقعہ کے متعلق اپنے آمیز طرز میں اس طرح لکھا ہے۔

"جریدۂ عروۃ الوثقیٰ یا نفخۂ صورِ اسرافیل چناں ولولۂ حس وزلزلۂ حیات واستقلال وقریۂ سعادت دراجساد مردۂ مسلمانانِ دنیا انداخت کہ دول استعماریۂ یورپ عموماً از خوفِ نہضتِ استعمراتِ اسلامیہ متزلزل وارکانِ سیاستشاں مضطرب گردید۔ لہٰذا از تزاید نفوسِ ایں جریدہ بتشویش آفتادند۔ باانواعِ مختلفہ من وجملہ دخولِ آں درتمام متصرفاتِ انگلیس اسبابِ تعطیلِ آں را انگلیسہا فراہم آوردند۔ و ازطرفِ فرانسہ ہم درباطن تائید شد۔ تا آنکہ کوکب جریدۂ عروۃ الوثقیٰ دربرج ہیجدم غروب نمود"۔ [۱]

---

[۱]:۔ شرح حال وآثار سید جمال الدین مطبوعہ برلن۔

Marfat.com

۸۵ء میں شیخ دوسری مرتبہ روس گئے۔ ۸۹ء میں جرمنی آئے۔ اور میونخ میں مقیم رہے۔ جہاں اُن کی ملاقات ناصرالدین شاہ سے ہوئی۔ اُس نے انہیں ایران آنے کی دعوت دی۔ اِس کے بعد شیخ پیرس چلے گئے۔ یہ زمانہ ایرانی رعایا پر بڑے مصائب کا گزر رہا تھا۔ اور ناصرالدین شاہ کی جابرانہ اور جارحانہ حکومت ایران پر ایک عذابِ الیم کی طرح مسلط تھی۔ ۸۹ء میں یورپ سے واپسی پر شاہ نے انگلستان اور روس پر مراعات کے دروازے کھول دیئے۔ اہواز سے ایران تک سڑک بنانے کا ٹھیکہ خاص حقوق کے ساتھ ایک برطانوی کمپنی کو دے دیا گیا۔ ملک کی معدنیات یوربین ٹھیکہ داروں کے سپرد کر دی گئیں۔ ایک شاہی بنک قائم کرنے کی اجازت انگریزوں کو دی گئی۔ روسی پرنس ڈوگدڑ کو ریلوں کا اجارہ دیا گیا۔ ایک یوربین کمپنی کو لاٹری قائم کرنے کی اجازت دی گئی۔ جس میں ملک کی ایک کثیر رقم ضائع ہوئی[۱۵]۔ مراعات کے اِسی سلسلہ میں ملک کی تمباکو کی پیداوار کا ٹھیکہ دیدیا گیا۔ جس نے جلتی ہوئی آگ پر تیل کا کام دیا۔ قومی دولت پر اجنبیوں کے اِس طرح چھا جانے سے مصری قوم مضطرب تو تھی ہی، تمباکو کے ٹھیکہ نے اُن کے شدید جذبات کے اظہار کے لئے ایک راستہ پیدا کر دیا۔ اور اِس سے ایرانی انقلاب کا آغاز ہوا۔

یہ تمام حالات تھے، جب شیخ اپنے وعدہ کے مطابق ایران پہنچے۔ کچھ روز کے بعد جب اُنہوں نے ناصرالدین شاہ اور امین السلطنۃ کا رخ بدلا ہوا دیکھا۔ تو وہ

۱۵:۔ آثارِ جمال الدین افغانی مطبوعہ انجمن ترقیٔ اردو۔

درگاہ شاہ عبدالعظیم تشریف لے گئے۔ وہاں بیٹھکر انہوں نے اپنی تعلیمات اور مواعظ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور امین السلطنۃ کے خلاف عوام کے جذبات برافروختہ کرتے رہے۔ امین السلطنۃ نے چالاکی سے شیخ کو روس بھیجا۔ تاکہ روس، انگلستان اور ایران کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم کرنے کی کوئی راہ نکالی جائے۔ اس دوران میں جبکہ شیخ روس میں اپنا کام کر رہے تھے۔ امین السلطنۃ نے شیخ کے خلاف ناصرالدین شاہ کو بدظن کر دیا۔ اور جب شیخ واپس آئے۔ تو نہ صرف ناصرالدین ہی کے تیور بدلے ہوئے پائے۔ بلکہ روس میں بھی اُن کے اثر و نفوذ کو کافی صدمہ پہنچا چنانچہ شاہ عبدالعظیم میں انہوں نے شاہ ایران اور امین السلطنۃ کے خلاف بڑا سخت لہجہ اختیار کیا۔ عوام کے دماغوں پر شیخ کی شخصیت اس طرح چھا گئی تھی۔ کہ شاہ عبدالعظیم میں اُن کے گرد ہجوم رہنے لگا۔ اور اُن کے خیالات کی گیرائی نے انقلاب کی تمام قوتیں مہیا کر دیں۔

ایران میں جمال الدین افغانی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے قدامت پرست مجتہدین کو ملّت پروری کا سبق پڑھایا۔ اُن کے منجمد دماغوں میں حرارت پیدا کی۔ خیال اور نظر کے سامنے سے حجابات اُٹھائے۔ دلوں میں تحفظ اسلام اور ناموس قومی کا جذبہ بیدار کیا۔ عوام کی خستہ اور بوسیدہ روح کو گرمایا اُن میں جمہوریت اور آزادی کی تڑپ پیدا کی۔ نوجوانوں کے ذوقِ عمل کی تہذیب کی۔ اور انہیں استبداد کے خلاف ابھارا۔ غرض ایران کے ہر شہری میں

Marfat.com

...الدین شاہ کی مطلقیت اور شہنشاہیت کے خلاف ایک عام ہیجان پیدا کر دیا۔
...ارچ ۱۸۹۰ء کو ناصر الدین نے تمام ایران میں تمباکو کی کاشت کا اجارہ ایک یورپین
...کو دیدیا۔ سب سے پہلے شاہزادہ ملکم خاں نے جو اُس وقت لندن میں ایرانی
...تھے۔ اس اجارہ کے خلاف سختی کے ساتھ احتجاج کیا۔ جس کی بنا پر وہ منصب سفارت
...معزول کر دئے گئے۔ اور اس کے بعد انہوں نے پوری قوت اور جوش کے ساتھ
...کی مخالفت کا بیڑا اٹھایا۔ اور ایک اخبار "قانون" کے نام سے جاری کیا۔ جس میں
...کے مضامین بھی شائع ہوا کرتے تھے۔ یہ انہی مضامین کا اثر تھا۔ کہ اس واقعہ سے
...ان انقلاب کی بنیادیں پڑیں۔

جب ناصرالدین شاہ کے حکم سے شیخ کو شاہ عبد العظیم میں گرفتار کرلیا گیا۔ اور
...میں طہران کی برف سے ڈھکی ہوئی سڑکوں پر سے کھینچ کر بصرہ پہنچایا گیا۔ تو بصرہ سے شیخ
...حاجی مرزا حسن شیرازی کی خدمت میں وہ معرکۃ الارا مکتوب لکھا۔ جو بعد میں
...بار المخفقین" میں شائع کیا گیا۔ اور جس نے عوام سے لیکر امراء تک کی منجمد رگوں میں آگ
...کے شعلے مشتعل کر دئے۔ اور حمیت قومی کا اس قدر زبردست جذبہ بیدار کر دیا جس نے
...نقلاب ایران کی حالت بدل دی۔ ہم اس خط کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

میں حق کہتا ہوں۔ یہ خط شریعت اسلامی کی خاطر لکھ رہا ہوں جہاں
کہیں یہ شریعت موجود اور ساری ہے۔ یہ ایک اپیل ہے۔ جو میں اُن تمام
سچی روحوں سے کرتا ہوں۔ جو اس شریعت پر ایمان رکھتے ہیں! ور لسے
نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی میں اپیل کرتا ہوں۔ علمائے اسلام
سے اور میں یہ اپیل تمام علمائے اسلام سے کرنے کی خواہش رکھتا ہوں۔

Marfat.com

اگرچہ بالخصوص اِس وقت میرا مخاطب اُن میں سے صرف ایک ہے .... خدا نے آپ کو اِس اعلیٰ نیابت پر فائز کیا ہے۔ تاکہ اُس بڑی روحانی عظمت کی نمائندگی کریں۔ اور خدا نے ملّتِ بیضا سے آپ کو منتخب کیا ہے۔ کہ آپ انسانوں کی باگ ہاتھ میں لیکر شریعت اسلامی کے مطابق اُن کی رہنمائی کریں۔ اہلِ ایران اُن سختیوں کی وجہ سے جو وہ برداشت کر رہے ہیں۔ اور اپنے ملک بیت الدین کی حالت کو دیکھ کر جو غیر ملکیوں اور کافروں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا گیا ہے اور اُن کے قبضہ میں ہے۔ بہت ناامید ہو گئے ہیں۔ لیکن رہنما کی غیر موجودگی کی وجہ سے وہ پریشان ہیں، منقسم ہیں، معطل ہیں۔ اور جب وہ دیکھتے ہیں۔ کہ اُن مجتہدوں کی طرف سے کوئی آواز بلند نہیں ہوتی۔ جنہیں "بہبودیٔ اسلام کے ہر معاملہ میں اپنا قائد اور رہنما سمجھے اور سمجھنے کا حق رکھتے ہیں۔ تو وہ پریشان ہوتے ہیں اور اُن کا ایمان متزلزل ہونے لگتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں اور یہ سچ بھی ہے۔ کہ تیرا ایک لفظ انھیں متحد کر دیگا۔ اور تیرا ہی حکم فیصلہ کن ہوگا۔ تیرا ہی حرف موثر ہوگا۔ اور کوئی تیرے مرتبہ پر حرف زنی نہ کر سکے گا۔ اگر تو چاہے گا۔ تو اپنے ایک لفظ سے متفرق عناصر کو متحد کر دیگا۔ اِس طرح خدا کے دشمنوں کے دلوں میں خوف پیدا کر کے اہلِ ایران کو اُن کے کینہ سے بچائیگا۔ اُس مصیبت و ابتلار کا خاتمہ کریگا۔ جو انہیں گھیرے ہوئے ہے۔ اور انہیں اُن کی جفاکشی کی زندگی سے نجات دلا کر راحت و آرام عطا کریگا۔ اِس طرح

Marfat.com

دین کے پیرو اُس کی حفاظت کریں گے۔ اور اسلام سربلند اور سرافراز ہو جائے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اے مجتہد اعظم! فی الحقیقت بادشاہ کی قوتِ ارادی کمزور ہے۔ اُسکا کیریکٹر لیپٹ، اُس کا اندازہ غلط اور اُس کا دل غلیظ ہے۔ وہ حکومت کرنے یا اپنی رعایا کو سدھارنے کا اہل نہیں اور اُس نے تمام بڑے اور چھوٹے معاملات کی انجام دہی میں حکومت کی باگ ایک بدمعاش بے دین، ظالم، غاصب کے ہاتھوں میں سپرد کر دی ہے۔ جو ابنیار کی علانیہ توہین کرتا ہے۔ اور خدائی قانون کی طرف سے لاپرواہ ہے۔ جو اُمرائے شریعت کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اور علماء پر لعنت بھیجتا ہے۔ اہل زہد و تقوےٰ کی تحقیر کرتا ہے۔ معزز سادات کو ذلیل کرتا ہے۔ اور مبلغین کے ساتھ انتہائی حقارت کا سلوک روا رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں فرنگیوں کے ملک سے واپس آنے کے بعد وہ قابو سے باہر ہو گیا ہے۔ علانیہ شراب خواری کرتا ہے۔ کافروں سے رابطہ رکھتا ہے۔ اور نیک نفس لوگوں سے دشمنی رکھتا ہے۔ یہ ہے اُس کا چلن۔ اسیطرح یہ کہ اُس نے ہمارے اعدائے دین کے ہاتھوں ایرانی سرزمین کا بہت بڑا حصہ مع منافع کے فروخت کر ڈالا ہے، (اشارہ ہے معدنیات کے ٹھیکوں کی طرف) یہی نہیں، بلکہ سڑکیں، کاروان سرائیں، باغات، کھیت، سب ہی کچھ اُس نے فروخت کر ڈالے ہیں۔ اسکے علاوہ دریائے کارون اور وہ مہمان خانے جو اُس کے منبع تک اُسکے کناروں پر واقع ہیں۔ اور وہ باغات اور چراگاہیں جو اس سے ملتی ہیں۔

اور اہواز سے طہران تک کی شاہراہ عام اور وہ تمام عمارتیں۔ سرائیں اور میدان جو اس کے گرد واقع ہیں، سب فروخت کر ڈالی ہیں یہی نہیں بلکہ تمام ایران میں تمباکو کی کاشت مع زمین وعمارت کے، انگور جن سے شراب بنائی جاتی ہے۔ مع کارخانوں اور سامانِ تجارت کے صابون، موم اور شکر کے کارخانے، غرضیکہ سب کچھ مع متعلقات کے اس نے کفار کی نذر کر دیا ہے۔ اور آخر میں بنک۔ آپ کیا سمجھیں گے کہ بنک کیا چیز ہے؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کی باگ کلیتہً دشمنانِ اسلام کے سپرد کردی ہے .... اس کے بعد نادان دغاباز اپنے کمزور اور بودے دلائل سے لوگوں کو تسکین دینے کے لئے کہتا ہے کہ یہ انتظامات عارضی ہیں۔ اور یہ معاہدے ایک محدود وقفہ کے لئے ہیں۔ جو ۵۰ سال سے تجاوز نہ کریگا۔

اے میرے خدا! یہ کیا دلیل ہے؟ جس کی کمزوری پر خائن بھی متعجب ہیں۔ اب جو کچھ باقی رہا۔ وہ اس نے روس کے سامنے اس کی خاموشی کی قیمت کے طور پر پیش کر دیا۔ یعنی مرداب، رشت، دریائے تابرستان، سڑک انزلی یا خراسان مع مکانات، سرائے اور متعلقہ کھیتوں کے لیکن روس نے اس پر بھی ناک بھوں چڑھائی۔ اور اس تحفہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ وہ تو خراسان، آذربائیجان اور مازندراں کا الحاق کرنے پر مائل ہے .... یہ ہے نتیجہ اس پاگل کی حکمتِ عملی کا۔ اور تو اے حامیٔ اسلام! اگر تو اِن لوگوں کی مدد کے

Marfat.com

لئے کھڑا نہ ہوگا۔ اور اُن میں اتحاد عمل نہ پیدا کریگا۔ اور انہیں شریعت مطہرہ کی رو سے اِن گنہگاروں کے ہاتھوں سے نجات نہ دلائیگا۔ تو فی الحقیقت بہت جلد مملکیت اسلامی غیر ملکیوں کے ہاتھ میں چلی جائیگی جہاں وہ اپنی مرضی کے مطابق حکومت کریں گے۔ اور اگر تونے یہ موقع کھو دیا اے مجتہد! اور یہ واقعہ تیری زندگی ہی میں پیش آگیا۔ بیشک تو اپنا نام تاریخ کے صفات پر روشن نہ چھوڑیگا .... بے شبہ امام وقت نے سنا ہوگا۔ کہ اِن کفر کے سرغنوں نے عالم و فاضل زاہد و عابد حاجی ملا فضل اللہ دربندی کے ساتھ کیا کیا۔ اور اب جلد ہی معلوم ہو جائیگا۔ کہ اِن لوگوں نے اپنے ملک اور دین کے محافظوں کو کس طرح قتل کیا ہے۔ مارا ہے، لوہے سے داغا ہے اور زنجیروں میں جکڑا ہے۔ انہی مظلوموں میں ایک صالح نوجوان مرزا محمدؐ رضا کرمانی ہے۔ جسے۔ اس کافر امین السلطنۃ نے قید خانہ میں زدوکوب کیا۔ اور اسی طرح حاجی سیاح محلاتی عالم، مرزا فراغی، مرزا محمدؐ علی خاں اور، اعتماد السلطنت وغیرہ کو بھی اذیت پہنچائی گئی۔ اب میری داستان اور جو کچھ اُس ناشکرگزار ظالم نے میرے ساتھ کیا۔ وہ بھی سن لیجئے۔

اُس مردود نے دارالخلافہ تک برف سے پٹی ہوئی سڑکوں پر اس ذلت اور بے رحمی کے ساتھ جو خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ میرے گھسیٹے جانے کا حکم دیا۔ جبکہ میں خانقاہ شاہ عبدالعظیم میں پناہ گزیں تھا۔ اور بہت بیمار تھا۔ اس کے بعد اُس کے ذلیل خادموں نے باوجود میری علالت کے۔

مجھے ایک باربردار ٹٹو پر سوار کرکے زنجیروں سے جکڑ دیا۔ ایسی صورت میں جبکہ سردی کا موسم تھا۔ برف کے طوفان آرہے تھے! ور تیز سرد ہوائیں چل رہی تھیں۔ اس طرح سرداروں کی نگرانی میں مجھے خانقین پہنچایا گیا۔ جہاں پہلے ہی ترکی کے والی سے طے کر لیا گیا تھا۔ کہ مجھے بصرہ بھیجا دیا جائے۔ یہ اس لئے کیا گیا کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ اگر میں آزاد چھوڑ دیا گیا۔ تو میں سیدھا تیرے پاس آؤنگا" اے امامِ وقت! اور تجھے اُس کے مظالم سناؤں گا۔ اور اہلِ ایران کے حالات سے آگاہ کرکے تجھ سے مدد کا خواستگار ہوں گا۔" لے

اِس تاریخی دستاویز کا یہ اثر ہوا۔ کہ ایران کے علمار نے متفقہ طور سے تمباکو کے ٹھیک کے خلاف فتوے دیدیا۔ جس سے یہ ثابت ہوگیا۔ کہ علمار کا اثر ابھی تک باوجود اتنے تغیرات کے اپنی جگہ بڑی حیثیت رکھتا ہے! ور وہ ایران کی قسمت کے بنانے اور بگاڑنے میں ایک موثر قوت کا درجہ رکھتے ہیں۔ مشرق میں جو روحانیت کا گہوارہ ہے۔ اور تمام مذاہب کا منبع و مخرج رہا ہے۔ عوام کے جذبات کو جب مذہب کی قوت کا سہارا مل جاتا ہے۔ تو وہ پھر اُن کے عمل میں انتہائی شدت اور جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ بڑی سے بڑی استبدادی حکومت سے ٹکر لیتے ہیں۔ مذہب اُن کی پوری زندگی میں اِس طرح نفوذ کئے ہوئے ہے۔ کہ جب بھی کسی تار کو چھیڑا جاتا ہے۔ تو ہمیشہ اُس میں سے آواز پیدا ہوتی ہے' مذہبی قوانین کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ پیدائش سے لیکر موت تک' ہر سانس اور ہر لمحہ میں وہ مذہب کا نام لیکر ایک ایسا کیف' سکون اور

لے:۔ انقلابِ ایران۔

ان محسوس کرتے ہیں۔ جو الفاظ کی محدود وسعت کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اسی یقین کی
ت اُن میں زندگی کی کشاکش کے برداشت کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔
ہب کے لئے ہر وقت قربانی کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اور مذہب کی توثیق
ں بڑی سی بڑی جد وجہد کے لئے آمادہ کرتی ہے۔ چنانچہ اسی جذبہ کی کارفرمائی
ہ کر مجبوراً ناصرالدین کو تمباکو کی کاشت کا اجارہ منسوخ کرنا پڑا۔ مگر جو آگ ایک
بھڑک اُٹھی تھی۔ وہ اتنی آسانی کے ساتھ سرد نہ ہوسکتی تھی۔ ناصرالدین کو اپنی جان
ں کی نظر کرنا پڑی۔

سلطانِ ترکی کی دعوت رد کرکے شیخ بصرہ سے لندن پہنچے۔ تاکہ اُن کی
ہ قوی کوششوں سے ایران کی اس قومی تحریک کو تازہ خون ملتا رہے۔ اور
ملاب کی وہ چنگاری جو شعلہ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ ناصرالدین شاہ کے استبدادی
حکومت کو بھسم کرکے رکھدے۔ لندن میں شیخ نے "ضیاء الخافقین" کے نام سے عربی
ر انگریزی میں ایک اخبار نکالنا شروع کیا۔ مگر چند ہی روز بعد مجبوراً اُس کی اشاعت
ر کر دی گئی۔ ۱۸۹۲ء میں عبدالحمید کے پیہم اصرار پر شیخ لندن سے آخری بار رخصت
کر قسطنطنیہ پہنچے۔ اُس وقت دولتِ عثمانیہ زوال و انحطاط کے مدارج بڑی تیزی
ے ساتھ طے کر رہی تھی۔ اور برطانوی سیاست کی کاریگری نے اُس کی رہی سہی
ت کو بالکل ختم کر دیا تھا۔ عبدالحمید خاں نے دولِ یورپ کے بڑھتے ہوئے سیاسی
تدار سے بچنے کے لئے خلافتِ اسلامی کا ایک سیاسی تخیل دنیا کے سامنے پیش کیا۔
ور اسی تخیل کو عملی جامہ پہنانے کے لئے۔ وہ شیخ کے اقتدار اور تدبر سے کام لیکر اپنی حاکمیت
و مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ شیخ اسلامی دنیا کو یورپ کی دستبرد سے بچانے کے لئے اتحاد

Marfat.com

اسلامی قائم کرنا چاہتے تھے۔ اور ایک ایسا وفاق بنانا چاہتے تھے۔ جو متفرق
متحد کر دے۔ عبدالحمید اپنی بادشاہت کا بول بالا کرنا چاہتا تھا۔ عبدالحمید اور شیخ
خیالات میں جو تضاد تھا۔ اُس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے۔ کہ پہلا تصور انفر
شخصی مفاد اور شہنشاہیت کا آفریدہ تھا۔ اور دوسرا اجتماعی، عالمگیر اور انسانیت
سے قریب ترطرزِ فکر کی تخلیق تھا۔ عبدالحمید کی نظر تنگ تھی۔ وہ خلافت کا منصب حا
کر کے یورپ کی نظروں میں اپنا وقار قائم کرنا چاہتا تھا۔ شیخ شیعوں اور سنیوں کے
اختلافات دور کر کے اُن میں یکجہتی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ اُن میں اجتماعی قوت پ
ہو جائے۔ عبدالحمید کے اشارہ پر شیخ نے ایران، مصر اور افغانستان کے ذی عقل
با اثر لوگوں کو خطوط لکھ کر اس مسئلہ کو اُن کے سامنے پیش کر دیا۔ لیکن جب انہیں
بات کا علم ہوا کہ عبدالحمید خاں کا طریق فکر اُس عالمگیر تصور سے کوئی نسبت نہیں
جو ایک عرصہ سے شیخ کے دماغ میں پرورش پا رہا تھا۔ تو اُنہوں نے عبدالحمید سے قط
تعلق کر لیا۔ ۹ر مارچ ۱۸۹۷ء میں شیخ نے قسطنطنیہ میں انتقال کیا۔ اس سے کچھ عرصہ قب
انہوں نے اپنے ایک دوست کو خط لکھا۔ جس سے اُن کی حسرت اور افسوس کا پ
پورا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہاں ہم اس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں:۔

"میں یہ خط اپنے پیارے دوست کو لکھ رہا ہوں۔ ایسی حالت میں جبکہ
میں زنداں میں اسیر ہوں۔ اپنے دوستوں سے ملنے کی ممانعت کر دی
گئی ہے۔ مجھے رہائی کی توقع ہے اور نہ زندگی کی اُمید۔ نہ مجھے اپنی اسیری
کا صدمہ ہے اور نہ قتل ہو جانے کا ڈر ہے۔ بلکہ میں اپنی قید اور شرفنی
موت پر شادماں ہوں۔ کیونکہ میری قید اپنی جنس کی آزادی کے لئے

Marfat.com

ہے اور میں بھائیوں کی آزادی کے لئے قتل کیا جاؤں گا۔ مجھے افسوس صرف اس کا ہے کہ جو کچھ میں نے بویا، میں اُسے کاٹ نہ سکا اور اپنے کعبۂ مقصود تک نہ پہنچ سکا۔ باطل کی تلوار نے مجھے اس کی اجازت نہ دی۔ کہ میں اہلِ مشرق کی بیداری کو دیکھتا اور نادانی کے ہاتھ نے مجھے اس کا موقع نہ دیا۔ کہ میں اُن کے گلوں سے بانگِ آزادی کو سنتا۔ کاش! میں اپنے خیالات کے تمام بیج انسانوں کی تاثر پذیری کی زمین میں بو سکتا، کیا اچھا ہوتا اگر میں نے اس بارآور اور مفید بیج کو حاکمیت کی اُس شور اور ناکارہ زمین میں ڈال کر ضائع نہ کیا ہوتا۔ اس لئے کہ میں نے اُس زمین میں جو کچھ بویا۔ وہ کبھی نہ اُگ سکا۔ اور میں نے اس شور زمین میں جو کچھ نصب کیا۔ وہ برباد ہو گیا۔ اسی عرصہ میں میرے خیر اندیشانہ مشورے اُن حکمرانِ مشرق کے گوش گزار ہو سکے جن کی خود غرضی اور نادانی نے انہیں میرے الفاظ قبول کرنے سے روکا۔ مجھے ایران سے امیدیں تھیں۔ لیکن میری زحمتوں کا بدلہ جلاد کے سپرد کر دیا گیا۔ ہزاروں جھڑکیوں اور وعدوں کے ساتھ انہوں نے مجھے ترکی بلایا۔ اور پھر اس حقیقت کو فراموش کرتے ہوئے کہ پیغامبر کو ہلاک کرنے سے پیغام کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اور زمانہ کی لوح پر ہمیشہ حق ہی ثبت رہتا ہے۔ انہوں نے مجھے زنجیروں میں جکڑ کر قید کر دیا۔ بہرحال میں اپنے محترم دوست سے یہ خواہش کرتا ہوں۔ کہ وہ میرا یہ آخری خط میرے پیارے ایرانی بھائیوں اور شرکائے کار کو دکھائیں اور اُن تک میرا یہ پیام پہنچا دیں۔ "تم جو سرزمین

ایران کا ثمر نورس ہو۔ اور ایرانیوں کی بیداری کے لئے جوش کے ساتھ کمر بستہ ہو۔ اسیری اور قتل سے خوف مت کھاؤ۔ ایرانیوں کی نادانی سے پریشان خاطر مت ہو۔ اور سلطان کی جابرانہ حرکتوں سے مت ڈرو۔ پوری تیز رفتاری کے ساتھ کوشش کرو۔ قدرت تمہاری رفیق اور خالق قدرت تمہارا مددگار ہے۔ سیل تجدد تیزی کے ساتھ مشرق کی طرف رواں ہے۔ استبدادی حکومت کی عمارت گرنے کے لئے لرز رہی ہے۔ انفرادی اجزا اور قوتوں پر ہاتھ ڈالنے اور انہیں تباہ کرنے کی بجائے جہاں تک تم سے بن آئے۔ اس استبداد کی بنیادیں اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کرو۔ حتی الوسع اُن رسومات کو برطرف کرنے کی کوشش کرو۔ جو ایرانیوں اور اُن کی فلاح کے درمیان حائل ہیں۔ بجائے اس کے کہ اُن لوگوں کو ہلاک کرو۔ جو اِن رسومات پر عمل کرتے ہیں۔ اگر تم صرف افراد کی مخالفت کروگے۔ تو تمہارا وقت ضائع ہوگا۔ اگر تم صرف اُن کے بد مقابل ہوگئے۔ تو عاداتِ قبیحہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچیں گی۔ اُن مشکلات کو دور کرنے کی کوشش کرو۔ جو دوسری قوموں سے تمہارے رابطۂ اتحاد میں جارح ہیں[1]۔

شیخ جمال الدین افغانی کی تحریکِ اتحادِ اسلامی ایک سیاسی تحریک تھی وہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو اپنی انفرادیت کو قائم رکھتے ہوئے ایک وحدت میں تبدیل کردینا چاہتے تھے۔ تاکہ اُن کی اجتماعی کوششوں میں زور اور اثر پیدا ہو۔ اور وہ متحد و متفق ہو کر

---

[1]:۔ انقلابِ ایران۔

Marfat.com

یورپین قوموں کی بڑھتی ہوئی شہنشاہیت کا توڑ کرسکیں۔ انہوں نے اسلامی ممالک کی انحطاط پذیر قوت کو جانچ لیا تھا۔ اور اغیار کے منصوبے بھی اُن کی نظر سے مخفی نہ تھے۔ اس لئے انہیں سلامتی اسی میں نظر آتی تھی۔ کہ تمام اسلامی ممالک اپنی قوتوں کو ایک مرکز یعنی ایک خلیفہ کی ذات کے اندر مجتمع کردیں۔ خواہ وہ مرکز ترکی میں ہو یا ایران میں، مصر میں ہو یا افغانستان، روس میں ہو یا شام میں، تونس میں ہو یا الجیریا میں، طرابلس میں ہو یا نجد میں۔ غالباً یہی وجہ تھی۔ کہ انہوں نے عبدالحمید سے مشورہ کرنے کے بعد مختلف حصصِ عالم میں خطوط روانہ کئے۔ مگر جب انہیں عبدالحمید کی حکمت عملی کا علم ہوا۔ تو وہ اس سے بیزار ہوگئے! ور اُن کی نفسی کیفیات کا ایک پہلو جو اس خط میں جھلکتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اسی مایوسی کا نتیجہ ہو۔ جمال الدین کی تحریک کو مذہب سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک مشترک مذہب مشترک تہذیب وتمدن اور مشترک فلسفۂ اجتماعی ہی کے ذریعہ سے مسلمانانِ عالم کے درمیان رابطۂ اتحاد پیدا کیا جا سکتا تھا۔ جمال الدین مسلمان سلاطین سے قطعاً ناامید ہوچکے تھے! اسی لئے اُنہوں نے عوام اور علماء کو اپنے مشن کی کامیابی کے لئے تیار کرنا شروع کیا۔ جمال الدین چاہتے تھے کہ مسلمانانِ عالم کو یگانگت اور یکجہتی کے سلسلہ میں لاکر اُن کی بنیادوں کو اتنا استوار کردیں۔ کہ پھر کوئی بڑی سے بڑی قوت بھی اس بند کو نہ توڑ سکے! اس میں شک نہیں۔ کہ وہ اپنے پروگرام کو عملی صورت نہ دے سکے۔ مگر اُنہوں نے مسلمانوں میں ایک زندہ روح پیدا کردی۔ اور اُن کے اندر ایک بین الاقوامی اخوت کا احساس تازہ کردیا۔ اپنے ایک مقالہ میں جو عروۃ الوثقیٰ میں شائع ہوا تھا۔ شیخ نے لکھا تھا۔

"ہر مسلمان اپنے ضمیر سے ایک آواز سنتا اور محسوس کرتا ہے۔ جو اُسے

Marfat.com

شریعت کے مطالبہ کو یاد دلاتی ہے، اور فریضۂ ایمان کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ یہ وہی آواز ہے۔ جو مسلمان کے دینی الہامات میں سے اُس کے لئے اب تک باقی ہے۔ اور باقی رہے گی۔ مگر اِن سب کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آجکل اِس مذہب کے پیرؤں میں سے بعض لوگ ایک دوسرے کی مصیبت سے بے پروا اور بے خبر ہیں۔ مثلاً اہل بلوچستان، اپنی آنکھوں کے سامنے افغانستان کے حالات دیکھتے رہے۔ اُن میں کوئی حرارت اور جوش پیدا نہ ہوا۔ اور اُنہوں نے اپنے افغانی بھائیوں کی مدد کے لئے ذرا بھی حمیت محسوس نہ کی۔ یا دوسری طرف افغانی بلادِ فارس میں غیروں کی مداخلت کا تماشہ دیکھا کئے۔ اور اُن میں بے چینی ورا ضطراب وناگواری کا کوئی اثر نہ دیکھا گیا۔ انگریزی فوجوں نے مصر میں آتے جاتے خوب کشت وخون اور قتل وغارت سے کام لیا۔ مگر اُن کی خونریزی کی سیر دیکھنے اور اُن کے حلقوں سے دردناک صدائیں سننے والے بھائیوں میں ذرا عبرت نہ پیدا ہوئی .... بلاشبہ

عقلی افکار، دینی عقائد اور تمام معلومات و مدرکات اور نفسی وجدانیات سب تقدیر الٰہی سے صدور میں آتی ہیں۔ اگرچہ یہ اعمال پر اکساتی ہیں۔ لیکن بعد میں اعمال بھی اُنہیں قوی وپائیدار بنا دیتے ہیں.........

بالیقین انسان اپنے افکار وعقائد ہی کی بدولت انسان ہے۔ جو چیز اُس کے آئینہ عقل میں نظر کے مشاہدات اور حواس کے مدرکات سے منعکس ہوتی ہے۔ اس میں نہایت شدید اثر پیدا کرتی ہے۔ اِس صورت

Marfat.com

میں ہر مشاہدہ سے ایک خیال اور ہر خیال سے خواہش میں ایک اثر پیدا ہوتا ہے۔ پھر ہر خواہش سے عمل رونما ہوتا ہے۔ اور عمل سے دوبارہ فکر و خیال کی طرف رجعت ہوتی ہے۔ اِس طرح جب تک جسموں میں روحیں باقی رہتی ہیں۔ اعمال و افکار کے درمیان فعل و انفعال کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ عقل کے نزدیک اخوت اور وسائلِ نسب و قرابت کی بھی ایک صورت معین ہے۔ اگر ضرورت و حاجت حصولِ منافع میں رشتہ داروں اور وارثوں کے تعاون پر اور دفع ضرر میں اُن کی اعانت و تقویت پر آمادہ نہ کرتی۔ اور اِس معاونت ہر ایک زمانہ گزرنے کے بعد قلبی نسبت ایک ایسا ماخذ اختیار کر سکتی۔ جس سے یہ نسبتِ زندگی بھر برانگیختہ ہوتی رہے۔ اور رشتہ کی مدد اور قلب کی بشاشت سے نفس میں انبساط رونما ہوتا رہے۔ تو جو نکبت و نقصان وجدانیات کی طرح محسوس ہوتا رہتا ہے۔ قرابتِ رشتہ کو کبھی لاحق نہ ہوتا۔ بلکہ اُس کا معاملہ اتنا شبہ میں ڈال دیتا۔ کہ بعض اہلِ نظر اسے طبعی خیال کرنے لگتے۔ پس اگر صلۂ نسب کو اُس کے علم و استواری کے بعد چھوڑ دیا جائے۔ اور ضروریاتِ زندگی کسی وقت اِس صلہ کے امکان و تائید کی دعوت نہ دیں۔ یا مقصدِ اعانت نسب کے علاوہ کسی دوسری شکل سے حاصل ہو سکے۔ تو اِس نسبی رابطہ کا اثر جاتا رہے گا۔ اور عقل میں اس کی صورت صرف روایات و منقولات کے طور پر باقی رہے گی۔ نسبی رابطہ انسانوں کے درمیان قوی ترین رابطہ ہے۔ جو شان اِس کی بیان کی گئی، وہی شان اعتقادات کی ہے جسکا

Marfat.com

اثر انسانی اجتماع میں ایک دوسرے سے ارتباط ہونے کی وجہ سے مسلم ہے۔

.... واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اب وہ پہلی سی جامعیت باقی نہیں۔ صرف دینی عقیدہ ہے۔ جو اپنے لوازم یعنی اعمال سے خالی ہے۔ اور اُن میں باہم تعارف کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اور وہ ایک دوسرے سے غیر مستحسن طور پر جدا ہو گئے۔ خود علما، جو عقائد کی حفاظت اور لوگوں کی ہدایت پر قائم ہیں۔ باہم راہ ورسم و مراسلت روا نہیں رکھتے۔ پھر عوام کا کیا ذکر ہے۔ ترکی عالم حجازی عالم کے حال سے نابلد ہے۔ ہندی عالم افغانی سلطنت کے احوال سے ناواقف ہے۔ اسی پر دوسروں کو قیاس کرسکتے ہیں۔ بلکہ ایک ہی ملک کے علماء میں آپس میں رشتۂ ارتباط اور وجہ اتحاد نہیں پائی جاتی۔ اگر کہیں ہے تو اس کی وجہ عام افراد کے خاص وجوہ مثلاً دوستی یا آپس کی قرابت سے مختلف نہیں۔ غرض اُن کی ہیئت کلی یہی نظر آتی ہے۔ کہ نہ اُن میں کوئی وحدت پائی جاتی ہے نہ کوئی مناسبت ان میں سے ہر ایک اپنی طرف نظر رکھتا ہے۔ اور اپنے ہی مقصد کو سراہتا ہے۔ جیسا افتراق واختلاف علماء میں نظر آتا ہے۔ ویسا ہی مسلمان حاکموں اور بادشاہوں میں دیکھا جاتا ہے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں۔ کہ عثمانی بادشاہوں کی کوئی سفارت مراکش میں موجود نہیں۔ نہ مراکش کی سفارت عثمانیوں کے یہاں قائم ہے۔ کیا یہ حیرت کا مقام نہیں ہے کہ دولتِ عثمانیہ کے صحیح تعلقات افغانیوں یا مشرق کی اور مسلمان

Marfat.com

جماعتوں سے نہیں ہیں۔ اِنہی بے ربطی اور قطع تعلق پیدا کرنے والے امور سے یہ نوبت آگئی ہے۔ کہ اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں کی ایک قوم سے دوسری قوم میں اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں کوئی علاقہ نہیں ہے۔ تو بالکل صحیح ہوگا۔ صرف ایک تھوڑا سا احساس اب بات کا باقی رہ گیا ہے۔ کہ بعض قومیں ہمارے دین پر ہیں۔ اور ہمارے جیسا عقیدہ رکھتی ہیں۔ یا کبھی کبھی حج کے زمانہ میں ایک دوسرے سے اتفاقاً مل لیتے ہیں۔ تو کچھ اُن کے حالات معلوم ہوجاتے ہیں۔ اس نوع کا احساس بہت تاسف اور ملال کا باعث ہے۔ ایک مسلمان اپنی ملّت سے بیگانہ شخص کے ہاتھوں دوسرے مسلمان کا حق ضائع ہوتا دیکھتا ہے۔ مگر اپنے ضعف کی وجہ سے اُس کی مدد کو تیار نہیں ہوتا۔ پہلے ملّت اسلام قوی البنیان، صحیح المزاج، زبردست جسم کی طرح تھی۔ پھر اس پر ایسے عوارض نازل ہوگئے۔ کہ اُس کے اجزاء میں پیوند والتیام کی قوت کمزور ہوگئی۔ اور وہ نوبت آگئی۔ کہ ہر جزو الگ الگ ہو کر جسم کی ہیت بھی مضمحل ہوجائے..........."

مرزا سید حسین خاں عدالت اسی سلسلہ میں شیخ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"بدبختیٔ و ذلتِ اسلام را از سلاطینِ استبداد و علماء رسومیدانستت و معفر بود ایں دو طبقہ دین را برصلاح خود ساختہ اند۔ و فرسنگہا از اسلام دور افتادہ اند۔ بجائے اینکہ دین را با عقل و منطق مطابقت بدہند عقل و منطق را بخواہند با دینِ ساختۂ خود شاں مطابقت بدہند۔

ایں است کہ دائماً در جدالند۔ باید بدانند دین رالباسِ علم بپوشانند۔ درجمع اہلِ علم و تمدن حق حضور ندارند۔ سید مرحوم بخواست اتحادِ اسلام را درروئے قرآن قرار بدہد۔ نہ درروئے احادیث واخبار، وسلاطین استبدادے رابرانداز ند۔ پروگرام تحصیل علمائے دین رابمقتضائے وقت وموقع قرار بدہد۔ خرافات وتوہمات راکہ اضافہ بردین شدہ است، ازازمان فراموش نماید۔ نفاق وکدورتے کہ نسبت باادیانِ دیگر دراسلام ایجاد شدہ متروک بدارد۔ ہرکس حقِ حیات واستقلال در خاکیکہ مالک است، داشتہ باشد"۔[1]

شیخ کی مساعی کا مرکز ومحور یہی تھا۔ کہ اس افتراق کو دور کر کے تمام مسلمانوں کو خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں ہوں، ایک ایسی وحدت میں پرو دیں جو اغیار کی دست برد سے محفوظ رہنے کی طاقت رکھتی ہو۔ اُن کے حملوں کے خلاف سپر کا کام دے سکے۔ اور اسلام کے ہلالی پرچم کو سرافراز کر سکے! اس میں شبہ نہیں کہ اگر یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو جاتا۔ تو آج نظام عالم کی سیاست میں مسلمان ایک حیثیت رکھتے! اوران کی قوت آج بھی مغربی قوموں کو اسی طرح لرزا دیتی۔ جیسا کہ محمدؒ فاتح کے زمانہ میں لرزا چکی تھی۔ پان اسلامزم کی تحریک سیاست میں گہری نظر رکھنے کا نتیجہ تھی۔ اور اس کے ساتھ مستقبل کی بہت سی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ وہ اُن منتشر عناصر کو اس طرح ملا دیتی۔ کہ پھر مسلمان اپنے اسلاف کی طرح جہانگیری اور جہانبانی کا حوصلہ لے کر امربالمعروف

---

[1] شرح حال وآثار سید جمال الدین افغانی مطبوعہ برلن۔

Marfat.com

نہی عن المنکر کے ضابطہ کو ترویج دیتے۔ اور موجودہ بے چین، مضطرب اور پُرشور دنیا کو
ت کی گرد سے آزاد کر کے حکومتِ الہیہ سے روشناس کرتے۔ وہ اپنی جگہ آزاد
نے۔ اور اس آزادی کا صحیح استعمال کرتے۔ اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے ایک عظیم الشان
لامی ریاست کی تشکیل کرتے۔ اور اسلام کی زبردست انقلابی تحریک کو موثر عملی
زندہ قوت ثابت کرتے۔ وہ اسلام کے ابدی اور ہمہ گیر قوانین کا نفاذ کرتے۔ اور
کو خیال اور عمل کے انتشار سے بچا کر صحیح راہِ عمل دکھاتے۔ پھر بھی جمال الدین
نی کے خیالات کا گہرا اثر پڑا۔ معاہدۂ سعد آباد اور تحریک خلافت کے پیچھے وہی
ح کام کر رہی تھی۔ جس میں شیخ کی پوری شخصیت ڈوبی ہوئی تھی۔

"مشاہیر الشرق" کے مصنف نے شیخ کے اصولِ کار اور نصب العین کے متعلق لکھا ہے

> "اُن کی زندگی اور کارناموں کے اس مختصر بیان سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ وہ نصب العین جس کے حصول پر اُن کی تمام عملی قوتیں مرکوز تھیں۔ اور وہ محور جس کے گرد اُن کی تمام امیدیں گھومتی تھیں اتحادِ اسلام تھا۔ جس کے ذریعہ وہ تمام مسلمانانِ عالم کو ایک اسلامی سلطنت کے تحت اور ایک خلیفۂ اسلام کی حفاظت میں لانا چاہتے تھے۔ اِس کوشش میں انہوں نے اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں۔ اور اِس مقصد کے لئے تمام دنیاوی خواہشات کو ترک کر دیا۔ یہاں تک کہ نہ شادی کی اور نہ کوئی پیشہ اختیار کیا۔ لیکن اِس کے باوجود وہ اپنی کوشش میں ناکام رہے۔ اور اپنے خیالات اور ارادوں کا کوئی تحریری بیان چھوڑے ہوئے انتقال کر گئے۔ سوائے ایک مقالہ کے جو مادّہ پرستوں کے خلاف لکھا

Marfat.com

گیا تھا۔ اور مختلف موضوعات پر بہت سے بے ربط خطوط اور پمفلٹ جس میں سے بعض کے متعلق تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ مگر انہوں نے اپنے دوستوں اور پیرؤں کے دلوں میں ایک ایسی زندہ روح پھونک دی جس نے اُن کی قوتوں کی تحریک کی۔ اور اُن کے قلم میں تیزی پیدا کردی۔ اور مشرق اُن کی جدوجہد سے مستفید ہوچکا ہے اور ہوتا رہیگا"[1]

دوسرے ممالک کے مسلمانوں کی طرح شیخ کو ہندوستانی مسلمانوں سے بھی دلچسپی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ ہندوؤں سے بھی پوری ہمدردی رکھتے تھے۔ قیامِ حیدرآباد کے زمانہ میں اُنہوں نے رسالہ "معلم" اور "معلم شفیق" میں جس قدر ہندوستان کے متعلق لکھے۔ اُس میں مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو وہ ہندوؤں سے بھی اپنے خیالات ظاہر کیا کرتے تھے۔ اور اُن کی بہبودی کے خواہاں تھے۔ چنانچہ کو البرٹ ہال کلکتہ میں تقریر کرتے ہوئے اُنہوں نے ہندوؤں کو مخاطب کرکے کہا

"........ وایں جوانان اولادِ ہماں سرزمین ہستند کہ جمیع قوانین وآدابِ عالم از آنجا گرفتہ شدہ است۔ اگر کسے بخوبی ملاحظہ کند خواہد دید کہ کو د روماکہ مادرِ ہمہ کو دہائے فرنگ است۔ از چہار بید دشاں گرفتہ شدہ است، دور افکار ادبیہ دور شعرہائے رائق وخیالاتِ عالیہ یونیہا شاگردِ اینہا بودند۔ یک شاگردِ ایشاں کہ فیثاغورس یعنی پتاگورس بودہ است۔ در یونان سببِ نشرِ علوم ومعارف شدہ است۔ حتی بدرجہ

---

[1]:۔ جرجی زیدان مصنف مشاہیر الشرق۔

Marfat.com

کہ قولِ اورا کا لوحی المنزل من السمار قبول مے نمودند۔ بلا دلیل ے در افکار فلسفیہ بدرجۂ اعلیٰ رسیدہ بودند۔ خاکِ ہند ہمہ خاک است و ہدا ہواہماں ہوا۔ و این جوانانیکہ اینجا حاضر ہستند، ثمرۂ ہماں آب و خاک و ہوا ہستند پس من بسیار خوشنود ہستم۔ کہ ایشاں بعد از خوابِ دراز بتنہ شدہ ارثِ خود را استرجاع مے نمایند۔ میوہ ہائے خورخت خود را مے چینند...... "۱؎

اپنے ایک مضمون میں ہندوستانی مسلمانوں کے تعصب دینی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"........... چوں کلام بدینجا رسید میخواہم بہزار تاسف بگویم کہ مسلمانان ہندوستان میں حمایت دینی یعنی تعصب دینی را بسیار بہ نہج بدکار بردہ اند۔ زیراکہ ایشاں تعصب را بسبب سوئے استعمال بحدے رسانیدہ اندکہ موجب بغض علوم و معارف وسببِ تنفر از صنائع و بدائع گردیدہ است۔ و چناں گمان کردہ اندکہ آنچہ منسوب بمخالفین دیانت بودہ باشد۔ از روئے تعصب دینی آنرا مکردہ و مبغوض داشت اگرچہ علوم و فنون بودہ باشد۔ وحال آنکہ از روئے تعصب دینی بر ایشاں واجب چناں بود کہ ہرجا فضیلتے و کمالے و علمے و معارفتے بہ بنید، خود ہارا احق و اول دانستہ در استحصالِ آں سعیہا و کوششہا بکار برند۔ و نگذارند کہ مخالفینِ دیانت حقۂ اسلامیہ در فضیلتے از فضائل و در کمالے از کمالات

۱؎:۔ در تعلیم و تعلّم۔

برایشاں سبقت کنند .... ومیترسم کہ سوء استعمالِ تعصب دینی مسلمانان ہند بجائے برسد کہ یکبارگی مسلمانان دست از حیات شستہ زندگانی را ترک کنند بجہت آنکہ مخالفین دیانت اسلامیہ دریں عالم زندگانی بکنند ...."[1]

ایران کے خوشگوار مستقبل کے متعلق، جبکہ ناصر الدین شاہ قتل کر دیا جائیگا۔ مظفر الدین شاہ ایرانیوں کو دستور دیں گے۔ شیخ نے بہت لطیف طریقے سے پیشگوئی کی:

"آفتاب طلوع نمود، ابر ہائے تظلم پارہ پارہ گردید۔ غبار ہا فرونشست صور دمیدہ شد۔ خصمہا فرونشست ہر کہ از ہر راہ آمدہ است۔ برآں راہ برگشت۔ مالکِ ملک خود را تصرف نمود۔ خار ہا خشک شد۔ گلہا ریاحین دمیدن گرفت۔ تمام عالم را آواز بار و انوار فرا گرفت۔ چہ بہجت وچہ مسرتے است۔ دیو بدر رود شد۔ شیطان ہلاک گردید۔ عالم در امن وامان است۔ عدل بار ستادہ شدہ است۔ ضحاک در کوہ دماوند بسلسلہ درآمد۔ عالم یکبارگی بہشت شد۔ حکم حکمِ خداست و بندہ بندہ آں ملک فریاد میکند گوش دہید گوش دہید، پس ازیں مرگ نخواہد بود۔ یہ حیاتِ ابدی زیست نمائید .... ہر نوع در خطیرۂ خود بامن وامان زیست نماید۔ وہر طائفہ بحیطۂ خود بود وباش کند۔ دست تعدی کوتاہ و بازوئے ظلم شکستہ شد۔"[2]

---

[1]: ۔ در تعلیم و تربیت۔

[2]: ۔ در مکاشفاتِ جمالیہ۔

Marfat.com

اپنے ایک مضمون میں شیخ نے اردو کی ترویج واشاعت، وسعت ذریعۂ تعلیم کی اہمیت
زبان میں تراجم کی ضرورت اور ہندوستانیوں کے سیاسی حقوق کی نسبت جو باہمی
یت دور کرنے میں ممد ہوں گے۔ اپنے خیالات کا اظہار بہت وضاحت اور وقت
، ساتھ کیا ہے۔ اس سے ایک طرف تو ہندوستان کے تعلیمی مسائل سے شیخ کی
) کا اظہار ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف یہ پتہ چلتا ہے کہ شیخ کی نظر کس قدر دور رس
اور ہندوستان کی قومی زندگی میں کہاں تک گئی تھی۔ یہی وہ مسائل ہیں جو آج
س اور پلیٹ فارم میں بحث وتمحیص کا موضوع ہیں۔ اور ان کے متعلق آج
ستان کا سوچنے سمجھنے والا طبقہ بہت عرصہ کے غور وفکر کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا ہے۔
جمال الدین افغانی کی ژرف نگاہی نے آج سے پچاس برس پہلے دیکھ لیا تھا۔
ضمون کے جستہ جستہ حصے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

"...... اکنوں میتوانم کہ ہندوستان را محط نظر خود نمودہ
بگویم۔ آنہائیکہ از اہل ہند بر قلۂ کوہ نور بصیرت برآمدہ اند بمعنی جنسیت را
فہمیدہ اند، و مزایائے آں را دانستہ اند، و بدوربین تدبر درازاں گذشتہ
وآئندہ نظر انداختہ اند و بذرہ بین تعمق حالات امم وقبائل ملاحظہ کردہ اند،
چرا دریں امر سترگ غور نمی کنند۔ آیا نمی دانند کہ بقائے جنسیت واقتدار
شمار آں موقوف بر آنست کہ تعلیم وتعلم در مدارس بلغت وطنیہ بودہ باشد،
آیا تعجب نمی شود از اینکہ علوم جدیدۂ عالم را فرا گرفتہ وفنون بدیعۂ کرۂ زمین
را احاطہ نمودہ است۔ وحال آنکہ چیزے از آنہا کہ قابل بودہ باشد،
بزبان ہندی ترجمہ نشدہ است .... پس چرا استبداد

Marfat.com

بگویند از برائے تو سوئے آں لغت بسائر لغاتِ متقاربہ بداں چوں سنسکریت و مرہتی و بنگالی۔ وچرا در وقت ضرورت از برائے استکمال آں بلغت انگلیزیہ استعانت مے کنند۔ پس از چہ جہت است کہ دانشمندانِ ہند از ایشاں برائے وطنِ خود ہا را ذخیرہ استحصال نہ نمودہ اند۔

.... پس فخر بر جنس است بہ شرطِ شرافت، و شرافت اینست مگر بہ علوم و معارف و علوم و معارف در آں وقت موجبِ شرفِ جنس مے شود کہ عمومی بودہ باشد و ممکن نیست کہ علوم و معارف عمومی باشد۔ مگر در آں ہنگامیکہ بلغتِ آں جنس بودہ باشد۔ .... واجب چناں است کہ اتفاق نمودہ تعلیم و تعلم مدارس کلیہ و غیر کلیہ خود ہا را بلسان ہندی قرار دہند و ہمہ علوم و معارف را کوشش نمودہ بزبانِ ہندی ترجمہ نمائند تا آنکہ جنسیتِ ہندیت استوار شدہ براحت و رفاہیت مدنیت نائل گردند۔"

اس کے بعد انگریزوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"........ بلے حفاظتِ کاملہ وحراستِ تامہ واطمینانِ خاطرِ کلی و سکونِ قلبِ حقیقی در وقت ایشاں را دستیاب خواہد شد کہ استحکاماتِ پائیداری مملکت خویشتن را در قلوب ہندیاں استوار نمائند۔ ایں بدیں گونہ مے شود کہ لغتِ ہندیہ را نیز دولتِ رسمیۂ خود قرار دادہ در جمیعِ جلسات متعلقہ بامورِ ہندوستان استعمال کنند۔ ....

و امتیاز غالبیت را برداشتہ ہندیاں را در جمیع حقوق حتی در مجلس (پارلیمان)

با خود شریک سازند۔ چونکہ امتدادِ مدتِ اجنبی بودن بقدرِ امتداد زمان وصف غالبیت است............ و دیگر آنکہ اعانت نمائند در ترجمۂ علوم و فنون.......... از لغتِ انگلیزیہ بزبانِ ہندی دانہ برائے اجرای این عمل حقیقی تشکیل نمائند........... فنونِ جدیدہ را در مدارس و مکاتب طلبانِ وطن تعلیم دہند۔" ۹۵

اپنے ایک اور مضمون میں جمال الدین نے مسلمانوں کے انحطاط کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے۔ اسلامی سلطنتوں کی کمزوریوں اور خامیوں کی طرف انگشت نمائی کی ہے اور پھر اس انتشار اور بے ترتیبی، اضمحلال اور انحطاط کا علاج بھی بتایا ہے۔

" این چہ حالت است، این چہ فلاکت است، مصر و سوڈان و شبہ جزیرۂ بزرگ ہندوستان را کہ قسمت بزرگے از ممالکِ اسلامی است انگلستان تصرف کردہ مراکش و تونس و الجزائر را فرانسہ تصاحب نمودہ جاوہ و جزائر بحرِ محیط را ملک الرقاب گشتہ، ترکستانِ غربی و بلاد وسیعۂ ماوراالنہر و قفقاز و داغستان را روس بحیطۂ تسخیر آوردہ، ترکستانِ شرقی را چین متصرف شدہ و از ممالکِ اسلامی جز معدودے برحالتِ استقلال نماندہ، اینہا نیز در خوف و خطرِ عظیم اند۔ شب را از ترسِ اردو پایان خواب ندارند۔ و روز را از وحشت و دہشتِ مغربیان آرام نیستند۔ نفوذ اجانب چنان در عروقِ شان سرایت کردہ کہ از شنیدن نام روس و انگلیس

۹۵۔ در فلسفۂ وحدتِ جنسیت و حقیقتِ اتحادِ لغت۔

بر خود میلرزند۔ واز ہولِ کلہ فرانسہ و آسمان مدہوش مے شوند۔ ایں ہماں ملت است کہ از پادشاہانِ بزرگ جزیہ میگرفتند و امرا عالم باکمال عجز و انکسار بدستِ خود باج بدیشاں میدادند امروز کارِ شاں بجائے رسیدہ کہ در بقا و حیاتِ شاں اہلِ عالم مایوسند۔ و در خانۂ خود زیر دست و توسری خوردا اجانب اند۔ ہر ساعت بحیلۂ بیچارگاں را بترسانند۔ و ہر دم نیرنگی روزگار ایشاں را سیاہ و مال شاں را تباہ سازند۔ نہ پائے گریز دارند و نہ دستِ ستیز۔ پادشاہانِ شاں بملوکِ دیگر فروتنی آغاز ند۔ تا مگر چہار رحای زندگی کردن بتوانند۔ ملتِ شاں پناہ بخانۂ ایں و آں برند۔ شاید اندکے راحت شوند۔ آہ۔ اہ! ایں فاجعۂ عظیمے است۔ ایں چہ بلائے است نازل گشتہ۔ ایں چہ حانے است پیدا شدہ۔ کو آں عزت و رفعت؟ چہ شد آں جبروت و عظمت؟ کجا رفت آں حشمت و اجلال؟ ایں تنزل بے اندازہ را علتِ چیست؟ ایں مسکنت و بیچارگی را سبب کدام است؟ آیا قیواں در وعدۂ الٰہی شک نمود؟ معاذ اللہ۔ آیا قیواں از رحمتِ خدا مایوس شد؟ نستجیر باللہ۔ سبب را از کجا پیدا کنیم؟ علت را از کجا تفحص کردہ و از کہ جویا شویم؟ جز انیکہ بگویم ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔[1]

جمال الدین افغانی کی شخصیت مشرق اور مغرب کی تاریخ میں بہت بڑا ... رکھتی ہے۔ اس شخصیت کے بعض پہلو آپ کو ان سطور میں نظر آسکتے ہیں۔ جن میں ا...

---

[1]:۔ چرا اسلام ضعیف شد۔

Marfat.com

...کارناموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کو ذہن میں رکھ کر ہر شخص اپنی قوت ... کے مطابق جمال الدین کی تصویر بنا سکتا ہے۔ جن میں سے ہر ایک اپنی ...نگارنگی کے باوجود اساسی اعتبار سے یکساں ہوگی۔ یعنی اُن کے کردار کے وہ ...نقش جو سب سے زیادہ روشن اور جاذبِ نظر ہیں۔ اُن میں مشترک ...ں گے۔ جمال الدین کا دل پارہ کے مانند بے چین تھا۔ اُن کی قوتِ عمل ہمیشہ ...مظاہرہ کے لئے ایک میدان مانگتی تھی۔ اُن کی زبان سے دمِ تقریر شعلے نکلتے ...اُن کی تحریر کے جوش اور بے پناہ قوت میں نٹشے کے طرز کی جھلک پائی جاتی ... وہ مختلف علوم اور زبانوں کے ماہر تھے۔ مگر اُن کی علمی استعداد کو سیاسی ذوق کا ...بصیرت نے چھپا لیا تھا۔ طبعیت میں بلا کا عزم اور استقلال تھا۔ ناکامیوں سے ...یشہ اُن کے جذبۂ عمل کو تازہ خون ملتا تھا۔ اُن کا لہجہ تند و تیز تھا۔ تنقید کی کاٹ مشکل ...ہو سکتی تھی۔ وہ کسی کے اقتدار سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔ اُن کا دل ایک مسلمان ...طرح صاف اور بے خطر تھا۔ وہ بے عملی اور جمود کو زندگی کی اُبھرنے والی قوتوں ...خلاف ایک روک سمجھتے تھے۔ اُن کی زندگی ہمیشہ بڑی بڑی مہمات کے سر کرنے ...گزری۔ اور اس سے جو تجربہ حاصل ہوا۔ اُس نے اُن کے مطالعہ اور مشاہدہ ...نکھار کر نظر میں گہرائی، عزائم میں بلندی اور اعتقادات میں قوت پیدا کر دی۔ انکا ...اندازہ اتنا صحیح اور حکمتِ عملی اتنی موثر ہوتی تھی کہ نشانہ کبھی خطا نہ ہوتا تھا۔

وہ اپنے نصب العین میں سچائی کے ساتھ یقین رکھتے تھے۔ اور اسے حاصل ...کرنا چاہتے تھے۔ اُن کی نظر ہمیشہ بلندی اور رفعت کی طرف جاتی تھی۔ منزل کی دوری ...اُن کی آس کو کم نہ کرتی تھی۔ رکاوٹوں سے وہ پریشان خاطر نہ ہوتے تھے ذاتی نقصان

Marfat.com

سے انکی لگن نہ بجھتی تھی۔ نام ونمود سے انہیں سروکار نہ تھا۔ وہ اپنے خیالات کی نشرواشاعت میں بہت بے باک تھے! ور اکثر حد سے تجاوز کر جاتے تھے۔ اس لئے اُن کی راہ زیادہ پُرخطر تھی۔ وہ کوئی چالاک مدبر نہ تھے۔ جو عیاری سے کام نکالتے۔ وہ ایک سچے اور پکے مجاہد تھے بات کے کھرے، دھن کے پورے وہ راست گفتاری اور قوت کے ساتھ اپنا مقصد ظاہر کر دیا کرتے تھے۔ وہ ایک جری سپاہی تھے۔ بے پرواہ، مستقل اور اٹل۔ انکی سیاسی سمجھ بوجھ کا ثبوت اس سے ملتا ہے۔ کہ انہوں نے مشرقی اور مغربی ممالک کی سیاست کو پرکھ کر دنیا کے ہر گوشہ سے اسلامی سیاست کو فروغ دینے کے لئے کام کیا! ور بعض ملکوں کی تاریخ میں انقلاب پیدا کر دیا۔ وہ جہاں گئے انہوں نے اپنی فصاحت و بلاغت اور ہمہ دانی سے دلوں میں نفوذ کر لیا۔ اور پھر اپنی دانشمندانہ حکمتِ عملی سے کام لیکر اپنے قومی مشن کیلئے فضا ہموار کر لی۔ پروفیسر براؤن انکے متعلق لکھتے ہیں۔

"وہ ایک غیر معمولی سیرت، وسیع علمیت، ان تھک سرگرمی، بے باک جرأت، تحریر و تقریر میں بے انتہا فصاحت اور شاندار، جاذب توجہ شکل و صورت کے مالک تھے وہ بیک وقت فلسفی، ادیب، مقرر اور اخبار نویس تھے۔ اور ان سب سے بڑھکر سیاستداں۔ اُنکے مداح انہیں ایک بڑا محبِ وطن سمجھتے تھے! ور اُنکے مخالفین ایک خطرناک محرک۔" [۱]

نوٹ:۔ اس مقالہ کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی:

۱۔ ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش	خالدہ ادیب خانم	مطبوعہ جامعہ
۲۔ آثارِ جمال الدین افغانی	قاضی عبدالغفار خاں	مطبوعہ انجمن ترقیٔ اردو (دہلی)
۳۔ مقالاتِ جمالیہ	جمال الدین افغانی	
۴۔ شرحِ حال و آثار سید جمال الدین۔	مرزا لطف اللہ خاں۔	مطبوعہ برلن۔
۵۔ انقلابِ ایران۔	پروفیسر براؤن	

۱:۔ انقلابِ ایران۔

قطعہ تاریخ

(از جناب شجاع احمد خاں صاحب زیباؔ)

بلسِ آفتاب کے صدرِ یگانہ روزگار — تیز نظر، دقیقہ رس، نکتہ شناس و دوربیں
دمتِ دیں کے جوش میں حضرتِ رمز و نسب کے بعد — کر دئے شائع آخرش، چند نقوشِ دلنشیں
ڑھ کے فسانۂ کہن پھر گیا ایک بار پھر — چشمِ تصورات میں نقشِ قرونِ اولیں
وح تڑپ تڑپ گئی، جوشِ جہاد جاگ اٹھا — ہر رگ و پے میں موج زن ہو گیا خونِ آتشیں
نگ و رباب توڑ کر، تیغ و تبر اٹھا لیے — آ گئی دل میں تازگی، ہو گیا پختہ تر یقیں
ام یہ شاندار ہے، آپ کی یادگار ہے — خم ہے بطورِ اعتراف اہلِ نگاہ کی جبیں
ردہ فتحِ مشکلات، عمرِ ترا دراز باد — کارِ وقیع می کند، مردِ ادیب ہمچنیں
اشہبِ خامہ تیز شد، زیباؔ چوں من بخواستم — سال شمار کردن از ہجرتِ ختمِ مرسلیں

ملہمِ غیب نے کہا سالِ طباعتِ کتاب
صفحۂ دل پہ چھپ گیا، ذکرِ مجدّدِ دیں

سنہ ۱۳۶۰ھ

مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ